

سال نو مبارک

اگر کجاست

علی

دو سیرہ

January
2018



بیوارڈ وینر

خولہ عرفان

افسانے

- 

دوشیزه میگزین

- ناولٹ

~~~~~

**ناولت**

[illegible]

مکمل ناول

~~~~~

- سلسلے وار ناول

36 سگرین فنیون
212 ابھی امکان باقی ہے زمرعیم

منی ناول

58 تنہائی کا زہر نسرین اختر نینا

مکمل ناول

108 دیوار کا پھول حاجرہ ریحان

پہلی ہی پلٹنے کے وقت شائع ہونے والے یہ جرنل ہرگز نہ شائع ہوئے والی ہر جرنل کے حق میں لکھ کر ان کے ساتھ
 ہیں کسی کی طرح ہر ادارے کے لئے کسی بھی کی اصلاحات کسی بھی کی دی گئیں ہیں اور ان کی اصلاح اور اصلاح کے کسی بھی طرح
 کے قابل ہے پہلے پلٹنے کے جرنل کے قابل ہے ہر ادارے کے قابل ہے ہر ادارے کے قابل ہے ہر ادارے کے قابل ہے ہر ادارے کے قابل ہے

پیشتر: متروہہام نے نئی پریس سے مجھ کو اکرا شائع کیا۔ مقام: نئی 7-OB تاپور ردا۔ کراچی

Phone : 021-35893121 - 35893122

Email : pearlpublications@hotmail.com

اب CSS ایک حقیقت

- 1) والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کی اولاد اُن کا نام روشن کرے مگر فی زمانہ اکثر والدین اپنی خواہش کو بس اپنے دل میں ہی دبا کر رکھ لیتے ہیں۔
- 2) مشہور تعلیمی اداروں اور ان سے جڑے اساتذہ کی بھاری بھر کم فیس عام والدین کی پہنچ سے بہت دور ہوتی ہیں۔
- 3) ایسے میں ہم آپ کی رہنمائی کریں گے ہم آپ کی اولاد کو آپ کے لیے باعث فخر بنائیں گے۔
- 4) علم کی دنیا میں CSS ایک خواب۔
- 5) اس خواب کی حقیقی تعبیر کے لیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔
- 6) انتہائی قابل ٹیچرز سے گھر بیٹھے اپنی لاڈلی بیٹی یا ہونہار سپوت کو CSS کی تیاری کرائیں۔
- 7) CSS میں آپ کی کامیابی کو ہم یقینی بنائیں گے۔

رابطہ کیجیے

www.facebook.com/srasheedkhan

چلو اس سال.....

مج آج کو دم سے مکمل جلدی جلدی ناشکیلا اور ہر آفس کے لیے لکل کڑی ہوئی گاڑی میں بیٹھتے یا دارائے نہ کہ ایک پٹرول ڈلوانا ہوا گاڑی پر سے اس میں دھت گنا میں نے اس سے کہا تیرے میٹر کے آئینے تک چھوڑ دو۔ پلٹ نام پر چند منٹ انتظار کرنے کے بعد میٹر آگ کی شام میں سوار ہو کر آفس کی طرف روانہ ہوئی۔ آفس پہنچے میں 15 منٹ تھے اس دوران میں اُمیدیاں تھیں کہ آج میں سو کر دیا میں چمٹی رہی تھی کبھی آج کو کھول کر کوڑی کے باہر کا منظر بھی دیکھ لیتی جہاں سرسبز درخت نیلا تارکول کی سڑک اور دو اُن اطراف سے خوبصورت ہٹ لاکر تاحد کھاساٹے تھے۔ 3.5 منٹ بعد میرا منظر آئینے میں اپنا ایک سنہائی میٹر سے اتر گئی۔ 5 منٹ داک کرنے کے بعد میں آفس میں قی کر کے میں جیسے ہی داخل ہوئی تو فون بج رہا تھا چہ نہیں کون تھا جج کو بچے مجھے یاد رہا تھا۔ فون بہت زیادہ اور بہت اونچی آواز سے بج رہا تھا اور پھر ایک میری آج کو کھول گئی اور تیل بج رہی تھی۔ جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے درائعہ موجود تھا بائی پٹرول کی پٹرول ہے اب آفس کیسے جائیں گے؟ اور میں یہ کہہ کر پلٹ گئی روز کے درازے میں اس ملک کا کچھ نہیں سو سکا رات میں خوابوں کی دنیا بہت حسین ہوتی ہے اور ہم تیری دنیا کے لوگ تو ترستے ہیں صاف پانی کا صاف ہوا کو لپٹا ہے جی پیٹ بھر تھکا کے لیے ترپے ہیں سستے اور اچھے علاج کے لیے ہم تیری دنیا کے لوگ پھلتے ہیں اونچی تعلیم کے لیے بچیوں کی کج دقت پر شادی کے لیے ایک اچھی دوا کر کے لیے آرام دہ سواری کے لیے تھاپے آشیانے کے لیے سستے اضاف کے لیے ہم تیری دنیا کے لوگ ترستے ہیں ان زمانے کے لیے ہم ترستے ہیں اچھے حکمرانوں کے لیے ہم ترستے ہیں اپنے حق تعالیٰ پر عمل کرنے کے لیے بڑے سکون خند کے لیے مطمئن دن کے لیے سمندر کی جانب سے چلتے والی ہواؤں کے لیے دریا کے بچے ہائیں سے کھیلنے کے لیے..... ہم خالی آئینے اور خالی کاسے کے لیے کب تک ترستے رہیں گے ہم تیری دنیا کے لوگ ہیں جنہیں تیری میں کی طرح سب نے پیار دیا دکھ چھوڑ دیا ہے کھانا جب اس سے دوری نہیں جو اس کا نکات کا خالق اور مالک ہے۔

اس سے سال میں خود افسانے کی شکل سے گزرتا ہوا یہ وعدہ اپنے آپ سے کرتے ہیں چلو اس سال کچھ نیا کرتے ہیں۔

منزہ سہام

اٹھائیسواں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

وہ تقریب جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

وہ تقریب جس میں ملک بھر سے قلم کاروں کا کارواں، اپنے محبت کرنے والوں کے روبرو ہوتا ہے۔

قلم کاروں کے قلم کا حق ادا کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش۔

بہت جلد.....

اٹھائیسویں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی تقریب اپنے روایتی رنگ میں جلوہ گرہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس ایمان (غزالہ عزیز)

غلام جو سردار بنے

حضرت یسارنوبیؑ، حضرت ابوفکیہؑ

اس ماہ میں نے دو بلند مرتبہ ہستیوں پر لکھنے کی کوشش کی امید ہے۔

آپ لوگوں کو ہمیری یہ کاوش پسند آئے گی!

حضرت یسارنوبیؑ کی زندگی اور ان کے آثار

عزیم نہ رکھیں۔ میں اپنی ساری زندگی آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں۔“
ان کا جذبہ اخلاص دیکھ کر حضورؐ نے ان کو تبا سے خشک ایک چراگاہ میں ایسے اونٹ چرانے کی خدمت تفویض کی کہ وہ آپ (صمد کے) کے اونٹ چرایا کریں۔ چنانچہ حضرت یسارنوبیؑ تبا سے متصل ایک چراگاہ (ناجیہ ڈالہد) چلے گئے اور اپنے آقا کے فرمان کی تعمیل میں لگے گئے۔

۶ ہجری میں قبیلہ غنکل اور غریزہ کے آٹھ افراد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ یہ لوگ یہار تھے۔ رسول اللہؐ نے ان کو لوگوں سے کہا کہ تم لوگ تباہ ڈالہد چلے جاؤ وہاں ہمارے اونٹ اور اونٹیاں ہیں۔ تم ان کا دودھ پو اور انشاء اللہ صحت تمہیک ہو جائے گی کیونکہ وہاں کی آب و ہوا بھی خوب صحت بخش ہے۔

وہ لوگ وہاں چلے گئے۔ حضرت یسارنوبیؑ نے اپنے آقا کے ہمہانوں کی دل و جان سے میرانی کی چند ہی دنوں میں وہ لوگ صحت یاب ہو گئے۔

لیکن یہ لوگ ایسے احسان فراموش ثابت ہوئے کہ بجائے اللہ کا شکر ادا کرتے اور اپنے میزبانوں کے ممنون ہونے انہوں نے دعا پڑھنے کا ارادہ کیا اور ایک دن پنج بج کر پندرہ اونٹ ہانک کر ساتھ لے جانے لگے۔ حضرت یسار نوٹی نے ان کو ایسا کرتے دیکھا تو چیخے دوڑے اور ایسی حرکت کرنے سے منع کیا۔ ان دعا پڑھنے اور مردوں نے حضرت یسار نوٹی کو گھبرا کر لیا اور پھر بڑی بے رحمی سے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور آنکھوں اور زبان میں کانٹے چھبوسے۔ اس طرح حضرت یسار نوٹی کو شہید کر ڈالا۔

سرور عالم حضرت محمد کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ سخت رنجیدہ ہوئے اور پھر ایسے صحابی حضرت کریم جابر فہمی کو بھیں سوار سے کران دعا بازوں کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت کریم بن جابر فہمی روانہ ہوئے تو راہ میں ایک عورت ملی جو اونٹ کا شائبہ اٹھائے جا رہی تھی حضرت کریم نے دریافت کیا کہ تم کو کہاں سے ملا۔ اس نے کہا میں ادھر آ رہی تھی ایک جگہ چند آدمی ہیں جو اونٹ ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت بھرے ہیں ان لوگوں نے یہ شائبہ مجھے دے دیا ہے۔ حضرت کریم نے تیزی سے اس طرف کا رخ کیا اور ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے بعد بقیہ چودہ اونٹوں کے ساتھ مدینہ کا رخ کیا۔ اس وقت رسول اللہ عائد یعنی (جنگل و چراگاہ) میں موجود تھے۔ جب ان ایمان دشمنوں اور دعا بازوں کو رسول اللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جیسا انہوں نے یسار کے ساتھ کیا ہے۔

چنانچہ ان سب کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے اور آنکھوں میں ملائیاں بھیری گئیں اور پھر ان

کو گرہ میں ڈال دیا گیا اور وہ سب جہنم رسید ہوئے۔ انہیں مفسرین کے نزدیک قرآن کریم کی یہ آیت ان کی بارے میں پازل ہوئی۔
”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اَلَا تَرَۤیْۤاۤ اَنَّ الَّذِیْنَ اَخْرَجُوْۤا مِنْ دِیْنِکُمْ فِیْ سَبْعِیْنَ مِۡلَیْنِۡ وَاَیُّۡمَیْنِۡ وَاَنۡہُمْ یَسُوۡۤاۤ اَلۡفَ وَاَیُّۡمَیْنِۡ وَاَنۡہُمْ یَسُوۡۤاۤ اَلۡفَ وَاَیُّۡمَیْنِۡ وَاَنۡہُمْ یَسُوۡۤاۤ اَلۡفَ وَاَیُّۡمَیْنِۡ“
لڑتے ہیں اور دین میں نفاذ پھیلاتے ہیں (مراد رہنمائی اور ڈاکوئی) ان کی یہی سزا ہے کہ ان کے گناہوں کا جس یا یسوی دینے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا ان پر سے نکال دیے جائیں۔“ (المائدہ ۳۳)
☆☆☆☆

حضرت ابو عقیلہ یسار داؤد ہی ابتدا میں قریش کے خاندان بنی داؤد کے غلام تھے۔ بعد میں جب رسول اللہ نے قبیلہ قریش کے ساتھ ساتھ سارے عرب کو دین کی دعوت دی تو اس زمانے میں حضرت ابو عقیلہ یسار راہزن بنو نجہ کے غلام بن چکے تھے۔ اسے بنی علف کی اسے غلاموں پر ظلم کرتے میں بہت براھا ہوا تھا۔

حضرت ابو عقیلہ یسار راہزن غلام ہونے کے باوجود دل کے تقصیر تھے چنانچہ آپ کے کالوں میں جب بنی علف کی پکار سنی تو آپ فوراً اٹھ کر بڑے اور حق کی منہ جھڑپ میں شامل ہو گئے۔

اسے بنی علف کی اس جرات پر آگ بگولہ ہو گیا اور ان کو اپنے مظالم کا نشانہ بنانے لگا۔ اس نے اپنے خاندان کو بھی مکمل چھوٹ دی ہوئی تھی کہ جس طرح چاہیں حضرت ابو عقیلہ یسار راہزن پر مظالم ڈھالیں۔

یہ ظالم ان مظلوموں پر نئی نئی سزاؤں کو آزما دے اور پھر کے وقت سخت دھمپ میں حضرت ابو عقیلہ یسار راہزن دینے کے بل لے کر اوپر بھاری پتھر کھینچے یہاں تک کہ سخت گرمی اور لہج سے وہ بے ہوش ہو جائے لیکن اس قدر سختی اور مظالم ان

کے منہ سے ٹھک کا کوئی کلمہ نہ نکلا سکے۔

ایک دن شقی القلب امیر بن خلف نے حضرت ابو عقیلہ یسار راہزن کو کسی سے باز نہ رکھا اور پھر گھینٹا ہوا ہار لڑ کر حق ریت پر ڈال دیا۔ اسے کاٹنا معنوں بھی باپ کے پیچھے پیچھے بچا اور حضرت عقیلہ سے پوچھا کیا میرا باپ تیرا رب نہیں ہے؟
حق کے شیدائی ابو عقیلہ نے فوراً جواب دیا۔
ہرگز نہیں میرا رب اللہ تعالیٰ ہے جو سب کا خالق و مالک ہے اور جو سب کو روزی دیتا ہے۔
معنوں یہ جواب سن کر عیش میں آ گیا اور

حضرت ابو عقیلہ کا گلا زور سے دایا کہ ان کی زبان باہر نکل گئی اور وہ بس حرکت ہو گئے۔ معنوں اور اسے دونوں باپ بیٹا سمجھے کہ یہ قسم ہو گئے ہیں اسی وقت حضرت ابو جرد وہاں سے گزرے، انہوں نے یہ دردناک منظر دیکھا تو دل بھر آیا۔ اسی وقت ابو عقیلہ کو امیر بن خلف سے خرید کر آزاد کر دیا۔

لیکن آزاد ہونے کے باوجود وہ کسی دے بس حضرت ابو عقیلہ مشرکین عرب کے مظالم سے محفوظ نہ تھے چنانچہ جب ہجرت حبشہ کی اجازت ملی تو ۶ ہجری میں حبشہ چلے گئے۔

حد درجہ مظالم سننے کے باعث تو بنی کنزہ اور ضیف ہو گئے تھے صحت جواب دے بھی کسی چٹا چوڑے جگہ بد سے کچھ پہلے سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو عقیلہ یسار راہزن کی اولاد اور اہل ہمار ثابت قدم مسلمانوں میں شامل تھے جنہوں نے حالات کی سختی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور توحید کے مقابلے میں کفر کا انکار سخت ترین تا مساعدا حالات میں بھی کرتے رہے اور یوں ان کا شمار سابقین الاولیاء بنی جماعت میں ہوتا ہے۔



نعت

مصطفیٰ جمال

بس جائے جو آنکھوں میں تصویر محمد کی ہر سمت نظر آئے تزییر محمد کی

ہو جائیگی آنکھوں میں اگر خواب مدینے کا
سُن گویں سماعت سے تعبیر محمد کی

ظلمت کو نہ لپ پائے چھینے کے لیے گوشہ
ہو بنیام سے باہر جو ششیر محمد کی

تھا زبر قدم اُن کے اور تک شہنشاہی
پر بویا ہوتا تھا جاگیر محمد کی

گو دین محمد پر ہر سمت سے پوش ہے
پر کم نہ ہوئی اس سے توفیر محمد کی

بیل جائے گی آزادی دنیا کی غلامی سے
پاؤں میں جو پڑ جائے زنجیر محمد کی

تقصیر کا سایہ تک اٹھ جائے گا دنیا سے
نافذ اگر ہو جائے تزییر محمد کی

جو آخری خطبہ تھا رحمت کی پہاڑی پر
بے شبہ مثالی تھی تقریر محمد کی

☆☆☆

دوشیزہ کی محفل

محببتوں کا طلسم کدہ، خوب صورت
راہبوں کی دلچسپ محفل



دوشیزہ کی

ان تمام لوگوں کو میرا محبت اور غلوس بھرا سلام جو اپنی بے انتہا معروف زندگی میں سے چند لمحے سکھ کر کے اس خوبصورت محفل کا حصہ بننے ہیں جو میں بہت محبت اور مان سے سمجاتی ہوں۔ اس بار سردی نے کراچی کا بھی رخ کیا اور ذرا جلدی کیا مزہ بہت آیا مگر گلے نے خوب احتجاج کیا اور اب تک یہ احتجاج جاری ہے بالکل ان دھڑوں کی طرح جو ایک بار گلے جا میں تو جان لے کر ہی جتے ہیں۔ خیر یہ وقت بھی گزر جائے گا۔

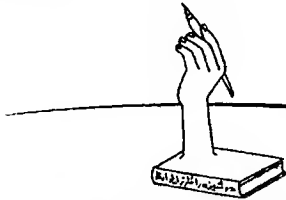
میں ان تمام بڑے دلوں کی تہہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے دوشیزہ پر اپنی جیتی رائے کا اظہار کیا ظاہر ہے اس میں مصطفیٰ بھی شامل ہیں..... بہت محنت سے دوشیزہ کا سالانہ تیار کیا ہے جیتا رات اور دن ایک کیے تب نہیں جا کر بتاؤنگ اہتمام دوشیزہ جلدی اور ذرا ہو میں سالانہ نمبر 2 بھی آپ کی رائے کا خضر ہے اس بار لاہور کے مصطفیٰ سے ملاقات ملے ہے۔ انشاء اللہ 2018ء کا سورج لاہور والوں کے ساتھ طلوع ہوتا دیکھوں گی اللہ چاہے وطن کو اپنی اماں میں رکھے کسی دماغ کا سمجھ بڑے جیس اپنے پہلے خط کی جانب سنبھل کر اپنی سے ملتی ہیں بہت پیاری سنوہ الاسلام علیکم السلام اللہ تعالیٰ ہمارے طرف سے خیریت ہے اور آپ سب کی خیریت بھی اہل خاندان و شاف رب کریم سے نیک مطلوب ہے۔ سردیوں کا احساس دلا تا سردی اور چھار ہا اور سالانہ واقعتی سالانہ فائبر میں تمام رازشز با کمال تھے۔ سب سے پہلے خوشخبری اور ہماری بے خبری کہ ہم ایسی خوشخبریوں سے اکثر واقف ہی رہتے ہیں، بہت اچھا لگا ہے جب پاکستان کے جھنڈے تلے پاکستانی اپنی کامیابیوں کے جھنڈے کا ٹوٹے ہیں۔ صلوة وسلام مطہرات اور ایمان افروز تھا۔ خیال صاحب کی نعت بہت خوبصورت تھی فرح کو اپوار کی بہت مبارکباد تھی کہ بہت محنت کی دوشیزہ کو سنوارنے میں اور وہ نظر آتی ہے۔ رضوانہ کوڑکی بھوکا پڑھ کر بہت افسوس ہوا اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور رضوانہ کوڑا اور دیگر لوگوں کو کھین کو سیر ملکا فرمائے آمین۔ خولہ کا خط سب معمول دلچسپ تھا۔ فریہ کی محبتوں کا بہت شکر ہے پانی کچھ نہ لوگ بھی محفل میں موجود تھے۔ سب کو خوش آمدید فرمائے آغا نصیص اور وہ عام سام ہو ہی نہیں سکتا لا جواب! ہمیں لا جواب دو شخصیت

میں دیشیا کمال انور دیا پاس میں، اچھی شاعری لکھ رہی ہے اور اس بار خاصے کی چیز دو شیزہ کا سفر ہا کیونکہ دوشیزہ تو منورہ کا ہے، سخن زاروں کی شاعری روز بروز نکھر رہی ہے۔ دوشیزہ گلستان میں اس بار لیوں پر مسکراتی کھیر، کھیر دی۔ شردم سوپ اور بالی پورہ ضرور ڈرائی کر دی گی۔ میرے ایلڈ جس لفظ کی نکتہ بندی میں نے کی تھی وہ سروریدہ میرے لیے تو اچھی رہی کہ جو لفظ میں نہ پڑ سکی آپ نے پڑا لی کہ کیون اس بار ڈکا ہوا سامعین ہوا۔ علی ارسلان کا افسانہ زبردست تھامرد کی فطرت اور اس کی نفیات پر ایک مہر پورا افسانہ تھا۔ ملکہ کے لیے تو آپ سب کی آرام کی منتظر ہوں۔ سیمائے فارگر انٹیل میں ایک اچھا سبق دیا کہ بندوں کے فارگر انٹیل لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہمارا اللہ ہے ناں ہمارا خیال رکھنے کے لیے آسے نہ اپنے ناول میں اچھا سبق دیا کہ رسم و رواج انسانوں سے زیادہ اہم نہیں ہیں۔

خولہ کی زبردست افسانہ لکھا ہے۔ یہ مسائل کا انہارا تھا کہ دوسال کی تک و دو میں ملک سے باہر جا کر بیوی بچوں کو دوسروں کے دم کریم پر چھوڑ کر بھول جانے والے ناعاقبت ایلڈوں پر خوب لکھا آپ نے..... فرنی کا ناول پڑھ کر جہاں کسی آس کی تھی وہیں غزل پر غصہ بھی بہت تھا۔ انیسرین اب ناول کا اختتام کر دیں ہر بار ایک آدھ بندے کے مرنے کے علاوہ کہانی کی ہیں مگر کی ہوتی ہے۔ نہت جہیں کا افسانہ اچھا تھا کہتے ہیں پیڑ عورت کے نصیب اور لاہور کے نصیب سے ہوتی ہے مگر ہمارے ہاں تو ہر بل عورت کے نام ہی چھاڑا جاتا ہے۔ امکان اچھا چلا رہا ہے۔ طیبہ عشر نے 16 نمبر کے حوالے سے ایک اچھا افسانہ لکھا، عذاب تنہا کی گوارہ کھائی کھائی کھائی میں مصطفیٰ کا انداز اچھا تھا، لکھنے کا قافی ناول بھی لکھنے ہی تھا۔ یہ زمانے محبت میں محرم کھانے کی خوشی جو ایک اچھی خوش ہے۔ اس بار پیسے اپوار کے لیے کاٹنے کا مقابلہ ہے۔ علی ارسلان، سیمائے فارگر اور علی ارسلان..... ویسے مذاق سے بہت کراں اس سب نے اچھا لکھا اور کیوں نہ لکھے؟ آخر سالانہ تھا اور شاذ و ناظیر طبیعت کسی سے ہماری تو جان کو آگئی ہے کھائی جا ہی نہیں رہی۔ موسم سرد ہے مجھے اس موسم میں سستی رہتی ہے کام مکمل کرتے ہی بستر سنبھالتی ہوں اب اجازت دو دنیا بہت خیال رکھنا اور دعاؤں میں یاد رکھنا یا امان اللہ۔

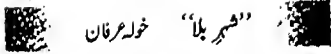
بھ: سنبھلتی تیرہ بیس کی طرح مجھ پورا اور جاندرا..... یقیناً مصطفیٰ کے لیے بھی تہناری رائے بہت کارآمد ہوتی ہے۔ طبیعت کچھ بھتر ہے کہ بہت فیک نہیں ہوا، لکھنا کافی کر بڑھ کر جاتا ہے دیکھو تک یہ سلسلہ ہے۔

رضوانہ فرنی کراچی سے لکھتی ہیں۔ پیاری سنوہ دوشیزہ ہمارے ہاتھوں میں ہے جو آپ کی محنت کا منہ بولا ثبوت ہے۔ سردی سے لے کر بہن کا رنگ سب لا جواب افسانے جاندرا اور شاعر علی ارسلان کا طویل مدت بعد آئے مگر بہت اچھی لکھ لائے۔ دوشیزہ اپنے ہاتھ سے معیاری طرف لوٹا ہوا محسوس ہوتا ہے جب اس میں چھپے رنگداری معتبر ہو جائے کہ تھے اور یقیناً آپ کی محنت کی وجہ سے ہے اس بار خاصے کی چیز دوشیزہ کا سفر تھا پڑھ کر بہت مزہ آیا کہ سنوہ کو جیانی لکھے ایک ایک تفصیل تحریر کیجئے کہ لوگوں کی یادداشت کافی تیز رہتی ہوئی ہے وہ بہت جلدی بھول جاتے ہیں۔ میں فخر ہے کہ ہم بھی اس نیم کا حصہ



دوشیزہ راسٹریاوارڈ

دسمبر 2017 کا نتیجہ: قارئین نے مندرجہ ذیل تحریر کو پسند کیا ہے



آپ کی نظر میں اس ماہ "دوشیزہ" کی بہترین تحریر کون سی ہے؟

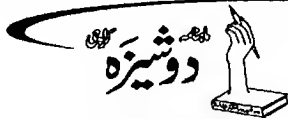
جولائی 2018

عنوان:

قلم کار:

نام:

پتہ:



رہے ہیں۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا جلد ملے گی کوئی کوشش کریں گے۔

بھو: رضوانہ آپ تو اس نیم کا حصہ رہی ہیں لہذا آپ کے کاغذوں پر بارہمی زیادہ خاصا لانا ہے کا حصہ بننا چاہیے تھا بلکہ تمام سابق مدبران کو اپنا حصہ ضرور ڈالنا چاہیے تھا مجھے بھی اچھا لگتا اور آپ سب کی محنت کا بھی یہ ایک اچھا انداز ہوتا بہر حال دوشیزہ پسند کرنے کا شکر یہ امید کرتی ہوں کہ جلد ملاقات ہوگی۔

✍️: زمزم عظیم لاہور سے لکھتی ہیں۔ ڈیزیز منترہ سهام اللہ تعالیٰ سے آپ کی اور ادارے کے تمام ارادین و دانشمندان کی خیر و عافیت کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر زندگی کی ہر صحت میں اپنی پناہ اور رحمتیں نصیب فرمائے۔ آمین۔ منترہ ڈیزیز! آج دوپہر آپ کا ایس ایم ایس پڑھا۔ کچھ شرمندگی بھی ہوئی کہ آپ کو قسط کے لیے غافل کرنا پڑا۔ گزشتہ ماہ میں آپ کی طبیعت خراب رہی۔ جیسے یہ بھڑھوئی تو قسط لکھنے بیٹھی۔ اب قسط مکمل ہے۔ انشاء اللہ صبح ہی ارسال کر دوں گی۔ آپ کا ایک اور بھی پیغام موصول ہوا۔ کیا واقعی آپ کچھ جنوری کو شرف ملاقات بخشے والی ہیں؟ بے یقینی بھی ہے اور یقین بھی؟ دوپہر کی کیفیت ہے کیا کروں خوشی تو بہر حال ہے۔ آپ نے اور کس کس کو مدعو کیا ہے؟ ہمیں اسی حساب سے تیاری تو کرنی پڑے گی۔ ورنہ یہ ماہ سے بے عالم ہے کہ جیسے بھی ہوتی ہوں۔ اسی طرح جانے کو دل چاہتا ہے۔ اب ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آخر دوشیزاؤں کی مکمل ہوئی تو خود کو دوشیزہ کی طرح جانے پر تیار تو کیا جاسکتا ہے۔ کیا؟ تفصیلات کے لیے (پروگرام ٹائم ٹیک) میں آپ کو کال کروں؟ آپ کس ٹائم پر آفس میں ہوں گی؟ چلیز ایک عدد ایس ایم ایس کر دیجیے گا۔ یہاں سروری بہت پڑ رہی ہے۔ اس حوالے سے آپ اپ ڈیٹ تو ہوں گی۔ انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔

بھو: اچھی زمزم! بالکل پہلی جنوری کو میری لاہور کے کھادریوں سے ملاقات ملے ہے ایک اچھی سی چائے پر ملی نہیں گئے ہم سب میں نے صرف ان راسٹریاوارڈ کو دعوت دی ہے جو دوشیزہ سے مستقل جڑے رہتے ہیں۔ ان کا حق تو جتنا ہے نا اس بار کوشش ہے کہ دوشیزہ راسٹریاوارڈ کی تقریب لاہور میں کروں ماہ ابریل میں اس سلسلے میں بھی آہد ہو رہی ہے۔ میں آپ کی فکٹر ہوں گی۔ اپنا بہت خیال رکھیے۔ ✍️: اعانشہ نور عاشا بھگوات سے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم! امید کرتی ہوں آپ ٹھیک ہوں گی اچھی سی کیوٹ سی اور سب سے غلوں سے بات کرنے والی مگر شاید آپ کو میں ابھی نہیں لگتی ہوں کیونکہ آپ نہ میرا نمبر و شاید متاثر کرتی ہیں اور نہ ہی میرے خط کا جواب دیتی ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے آپ تک میرا خط پہنچا ہی نہ ہو مگر کیا کروں؟ جب دوشیزہ میں اپنا خط نہیں پائی تو دل دھکی دھکیاتا ہے اور پھر آپ سے گلے گئے بارہ نہیں پائی۔ اب تو بات بات پر آنکھیں بھر آتی ہیں کیونکہ فروری میں میری شادی ہے جس کی وجہ سے مصروف بھی ہوں اور دوشیزہ آہستہ آہستہ بدلتی ہوئی ہوں مگر ہر پرکھائی میں کچھ سینکے کو ضرور ہوتا ہے بہت ہی اعلیٰ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ سوری اگر میری کوئی بات بری لگی ہو تو... منترہ وہ ایک ناپسندیدہ شروع کرنے کا لہجہ تھا آپ نے مگر ابھی تک کچھ بھی نہیں ملا آپ نے کہا تھا کہ اس سلسلے میں کھادری نہیں بھی شرکت کر سکتی ہیں یہ بات غرض آئندہ ہے کیونکہ اس سے ہمیں مختلف لوگوں کے بارے میں جاننے کو ملے گا اور پھر عام لوگوں کی خاص

زمرہ کی اور مقاصد کو جانا جائے تو زندگی میں کچھ کرنے کی زیادہ تقویت ملتی ہے۔ در نہ شہزاد کے کوٹوں اور ان کی زمینوں کو ہم ہمیشہ سے پڑھتے اور دیکھتے آ رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ شہزاد کی دیا سے میں دور بھاگتی ہوں اور مجھے گلے سے کر لیتے اور پڑھنے والی نہیں۔ کسی ایک دوسرے کو زیادہ سے زیادہ جاننے میں دلچسپی رکھتی ہوں کی اس لیے میں یہ مشورہ دینا چاہوں گی کہ ایک سلسلہ شروع کیا جائے جس میں قاری اور لکھاری ایک دوسرے سے اپنی خوشیاں اور غم شیر کریں۔ لکھاری اور قاری سب کے تفادیر شائع کیے جائیں۔ میرا تو دل کر رہا ہے کہ جس سے اپنی جان میں کچھ یقین ہے کہ میری بات، مشورہ اور اچھا لگا ہو اور سنو وہی میں نے ایک کہانی کہی تھی وہ آپ کو ملی کہ..... نہیں نہ ملنے کی فرحت دیکھیں گا میں برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ میری بہت سے لکھی ہوئی کہانی کا نام تم تک کے نکلنے سے پہلے دیکھیں اس کے بارے میں کسی بھی طریقے سے بتا دیں اور اگر ہو سکے تو پرے میں تمہاری ایک جگہ کے شکر ہے کہ سامع دیں میں اجازت چاہتی ہوں کہ میں اپنے فعل و افعال سے نصف ملاحظہ کر لیتے۔ اسلام علیک منہ سلام ہی آفرائے لا لک نام و کبر آ چکا ہے اور اسٹوڈنٹس کی مصروفیت بڑھ چکی ہے۔ لیکن پھر بھی عائد کو خط لکھ کر دیکھ کر میں نہ رو کی اور جلدی سے کاغذ اور پین جھپٹ لیا۔ دیکھتے تو ہوا آپ کے اور ہمارے دو شیرہ کے درمیان میں ایک ایسا ہوا جاتا ہے کہ میری سوچ کر کر رہی فاصلوں کے باوجود آپ ہمارا خط براہ راست پڑھ کر جواب بھی دیں گی تو یقیناً کر رہی دل مطمئن ہوجاتا ہے۔ دو شیرہ ہمیشہ کی طرح اسے جو میں پر ہے۔ تمام سلسلے بلکہ اس کا ہر وقت ایک نئی تازگی اور خوشبو لیے ہوئے ہے۔ چونکہ میں اس کے تعلیمی مطالعہ سے قاصر ہوں اس لیے سرسری ہی نگاہیں ڈال کر دل کو بہالیا۔ ہاں شاعری ساری کی ساری پڑھ ڈالی۔ تمام لکھاریوں نے اچھے طریقے سے اپنے نظم اور نثر کا حق ادا کیا۔ وہاں یاد یا منہ میں میں نے دودھ دانے میں چائے اور مراد سے کھانے سے ارسال کیے تھے کرباب شائع نہیں ہوئے ہیں ان کے بارے میں بھی میری رائے ہے کہ۔ براہ میری سہیلیاں (گلشن عائنات) کے بارے میں مجھ سے دریافت کرتی ہیں اور میں قلمی دے دیتی ہوں ان یقیناً کراہے کا منہ اور شہزاد کا خط۔ یہ خط جو میں ابھی لکھ رہی ہوں انکشی کی کتاب کے میں اندر چھپا کر لکھ رہی ہوں خدا کرے اس کی خط کی برکت سے میں پاس ہوجاؤں آئیں ہاں اب اجازت چاہوں گی اس دعا کا ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنی رحمت کا سایہ پھیر کر رکھے آمین۔

بھ: پیاری سی لڑکی! تم نے یہ کیوں سوچا کہ تم مجھے ابھی نہیں گائیں۔ مجھے تو وہ لوگ بھی اچھے لگتے ہیں جو کسی کو اچھے نہیں لگتے تم تو پھر پیاری سی لڑکی ہو۔ شادی کی بہت بہت مبارک باذاب رو ڈا دھو! چھوڑو اور خوش رہو! وہاں کہیں بہت بہت شین لگو تمہارے اور تمہیں کے افسانے قابل اشاعت ہیں جلد لکھ دوں گی اور میں اسے میں خط لکھنے سے تم انگریزی کے پرے پرے میں کیسے پاس ہوگی ذرا یہ Trick مجھے بھی بتاؤ۔

✽ فرحت صدیقی، فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔ پیاری منہ سہام مرزا السلام علیکم! اسدا خوش رو! مسکراتی رہو! دودن پہلے دیکر کا شمارہ موصول ہوا ہے۔ شکر ہے یقیناً کر رہی کہ پورا نومبر اخبار والے کی جان بھائی کے شمارہ کیوں نہیں آیا؟ نومبر کا شمارہ ملنا تھا نہ ملاحظہ! ہاں ہاں تو بات ہو رہی تھی دیکر کے شمارے کی بے حد مصروفیت سرد قریب مسکراتی آنکھوں والی دو شیرہ سردی کو انجوائے کرتے ہوئے آسانی آسانی بھر

میں آسان سے اتاری ہوئی دو شیرہ واہ! کیسے اشتہاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ خوشخبری نے دل خوش کر دیا اقبال کا شعر یاد آگیا

ذرا غم نہ تو بڑی زورخیز ہے
شاہش مہر دلی کو خوشخبری ضرور دیا کر دھام ایمان کی تحریر نے ایمان تازہ کر دیا بہت لاجواب تحریر ہے۔
اسی خوبصورت تحریر لکھتی رہا کر دو شیرہ کی محفل میں ایک عرض کریں نومبر کا شمارہ پڑھا نہیں، تبصرہ پڑھ پڑھ کر کچھ اعتراف ہو گیا ہے۔ دو شیرہ کے جنگ سوسال کی ہوجائے اس کا رنگ درو پ اس طرح کا ہی رہے گا۔ دیکر 1984ء میں میری پہلی کہانی دو شیرہ کا حصہ بنی تھی۔ میری بہت ساری یادوں میں دیکر ہے۔ دیکر کے دکھ لکھا تھا۔ کچھ دل کو اچھا نہیں لگا۔ گلن تھا اور اور اصرار ہے۔ اس لیے نہیں بچ رہی تھی یاد ہے منہ بچوں کے رسالے میں عائد شہزاد کا انٹرویو اور سردی پر اس کی تصویر چھپی کی آپ بھی عائد شہزاد کو تقریباً ہم عمر ہوں اس کی تاریخ پیدائش 24 اکتوبر 1974ء ہے۔ یعنی عزت آپ کے ابو نے ہم لکھنے والوں کو دی اور اس کی رسالے نے انہیں دی۔ سب سردوں کو کتب خانہ اور خود جاتی طرح پیکٹ میں کیے ہوئے کھلی ہیں؟ ضرور ان کو کے دکھ میں شریک ہوں۔ اصل میں تو یہی ہوا ہے کہ سوا چھ ماہ کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو رحمہ کے درجات بلند کریں اور رضوان کو قبول کرے عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ قسط دار کہانیاں ابھی نہیں پڑھی۔ لیکن چھ ماہ کی زبردست دل کو چھو لیا۔ کچھ کہانی کی کہانیاں کا انعام پینڈا آیا۔ تمہیں اعزاز ہوئی ہیں۔ انہیں اعزاز کی مانگیہ وصول کرنا چاہیے۔ کمال کا لکھتی ہیں۔ سبیل بھی فارغ از محضر، عمر بھر ان کہانیاں چھوٹی سی بات چھوٹی سی نہیں تھی۔ بہنوں کے درمیان فاصلہ پیدا کر رہی تھی۔ باقی سب افسانے اچھے تھے۔ گلن تو دلی اچھا تھا۔ ان کہانیوں کا انعام ایسا ہی ہونا چاہیے۔ فرزند آغا سے ملاقات بہت اچھی رہی بہت مزہ آیا۔ دو آدھی سی شہزادی ہے اور اس کے شہزادے اللہ نظر دے بجائے آمین ثم آمین۔ دو شیرہ کا سفر کی یادیں بگڑا گئیں۔ مجھ کو یہ صاحب رخصتا فاروقی "سیراں سیرا غزل" نامر فضا صاحب اور سہام مرزا صاحب کی محبت لائے انکھیں رخصتا سہام مرزا کی محبت سب کچھ یاد ہے اور یاد رہے گا۔ مجھے یاد ہے تاجہ نام آغا سے دو دو بیس بدل کر میں جب دو شیرہ کے دفتر اپنی کہانی دینے چاہتی تھی تو بہت سارے چہرے اپنے اپنے لگتے۔ باتیں کر کے بہت اچھا لگا اگلے قسط کا شہرت سے انتظار ہے اپنا خیال رکھنا بہت ساری دعائیں دو شیرہ گلستان بہت پند ہے جان کا راز بابا کچھ پسندیدہ ہے اب اجازت۔

بھ: اچھی سی فرحت آنٹی! محفل میں خط لکھنے کا بہت شکر ہے اب لوگ جب اپنا وقت دو شیرہ کو دیتے ہیں جب ثابت ہوتا ہے کہ دو شیرہ اور میں آپ کے دل کے قریب ہیں کیونکہ سب سے قیمتی نئے وقت ہی ہے۔ دو شیرہ آپ سب کو پابندی سے بھیجا جاتا ہے اب درمیان سے کون اچک لیتا ہے تو قابل فہم ہے میں آئندہ بھی آپ کے خط کی منتظر ہوں گی۔

✽ محفل گرامی سے ملتی ہیں۔ دو شیرہ اور تمام دو شیرہ اؤں السلام علیکم! کہانیوں تک انتظار کیا شاید مجھ دو شیرہ کو دو شیرہ مل جائے لیکن اسلئے..... ایک سال پر کسی صاحب نہیں آئندہ دیکھا تو خیال آجائی لی تم دو شیرہ ہو جو دو شیرہ کا انتظار کر رہی ہو تمام حقائق کو مبرا پشت ڈال کر بہت ڈھٹائی سے کہا میں دو شیرہ

طبیعی غفر مطلق پنڈی سے لکھتی ہیں۔ (السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) اس شخص منور مذہبی ہی نہیں اور دنیویہ پیارے کی ساری دوزخیزاں کی خدمت میں سلام عرض ہے پیاری منور میں تو بہادری اس پیاری ہی مطلق میں شرکت کو بے حد بے قرار ہوئی ہوں لیکن کیا ہے کرڈا جنت بہت دور سے ملتا ہے لیکن اللہ فضل جانتا ہے دوزخ کو ساگر، ساگر اور ساتھ میں بھی بتا چلاں کرشمہ بھی 1973ء کا پیدار ہوں یعنی اس سال مولانا کو تبرک دیا جس دارودہو کی چوری تو چلائی گی کبھی ہم نے اپنی عمر کا خود بخود فاش کر ڈالا، آف ف..... اب سب کی بات کروں گی میری بہت ہی پیاری دوست ہے یہ اور دوزخیزہ ملانے کا سہرا لیکن ان کے سرباب بھی کام میں ہیں انجیم آدمی دوسرے رہی ہوں دوزخیزہ میں مزید دوزخیزاں کو لانے کا بھیے رہا لیکن نورضان، بیوند، آٹھی اور بہت ساری نئی مصطفین کا قاتل گل پڑا ہے دوزخیزہ کی طرف، تو بات میں کر رہی تھی سب کی تو سب کا خلاص کی تمہاری طرح ہی اپنی مثال آپ ہوئے ہیں بارہ تو خلود اور بیا نورضان نے بھی بہت پر لطف غلطو لکھے ماشاء اللہ، بھلی بار کا سارا شمار ہی لا جواب تھا لیکن میں سب کے والے امتزاض سے مکمل متفق ہوں تفصیل میں نہیں جاؤں گی سب کی بات کو ہی سیکڑ کر دوں گی، اب چلتی ہوں ادارے پر دھاوا بولنے کران پاکستانی بیروں کو خراج حسین پہنچاؤ تو ہم پر غرض غبر، ادھر کہیں طلبہ نے پاکستان کا نام دیا ہمیں سر بلند کر دیا بلاشبہ منور پیاری آپ نے ایک اہم بات کی طرف توجہ کیا لیکن ایک بات نے ہمیں کیا بچھے آپ کی بھولی چور پڑھ کر کہنا تھا کہ سرباب بہادری کی شاندار تحریر نہ لکھیں گی لیکن ایسا نہیں ہے تو پیاری حسنا کی کر کو کسی وقت چھوڑ کر اسلامی شکل پہ ملی جا کر اور ایک پیاری ہی تحریر لکھ دی را کر د، پہلے تو نیکر کی چھائی میں جا لیگی انداز تحریر لا جواب لیکن لی لی الماس کو کس کس کر جو تے لگانے کا دل جا پائی کہ حد سے میاں کو آٹنی چھوٹ، ایسا ہونا نہیں چاہے تو ایسے اور بہت دھرم چھوڑ تو چکے مانگنے کے قابل تھا لیکن نیکر کی چھائی میں غنڈہ گرد ہی ہے دوستو اب سب کی گھر کی گھر کے لئے جا رہی ہوں اب ڈاٹ بلاٹھ، یا انداز ملے گا علیہ مدی سے تو ہمیں ابکار میں ہی نغرت ہوئی اور دن کی منی پیاری اور شکر کی آٹھ والی کوئی کا نام یاد رکھئے گا کہ میری خبری ان کے نام کے یاد رکھئے گا اور وہاں کی پیاری کاخاں کا دل والے اب ہم کیا کہیں ان کے لیے جن کا قلم وہ آٹھ ہے جس کے ایک حرف کے لئے تو ہم عمر تادم تو بھی دیکھ جائیں بیا منافعی، اور دوزخیزہ کو بہت مبارکباد کرنا کبھی شخصیت نے ان کے لیے لکھا ان کی تعریف کے لیے میرے الفاظ بہت کتر ہیں دو سربا تعریف ہیں بہت شاندار تحریر ایک بہترین سبق دے گی شکر ہی پیاری سبائی اب سبائی کا دیا کیا سبق پلو سے باندھ کر دتے ڈرتے شہر بلا میں داخل ہو کر خلود کرنا، لیکن خلود پیاری تحریر تو پھر بانی کی خونی سے بھلائی مئے ایک ایسی تحریر کو جس میں بہت سے معاشرتی اصول کی نشاندہی کر دی اب میرے آس کو کہہ دتے ہیں دلیل ان پیاری ماشاء اللہ فرقی قسم تو اپنی چھوٹی سی بات میں اتنی ہی بات کی کہیں کہیں کی تحریر ہر دین یاد ہے کہ میں نے تو بار بار ان کے لیے دعا بہت ہی منور موضوع لیکن بہت ہی رعبہ اور برجستگی کے ساتھ ایک گھر ملے مسئلہ کی جھڑکی معنی کو مبارکباد پیاری زہت جہیں نے تو تجرہ میں ہے جو بلاقتوں کو سلام دعا بارشوں سے پھول کھلا دے زہت جہتی سلامت و ہیں، میری تحریر کو شامل اشاعت کرنے سے پاس گزار ہوں سین دوزخیزہ، اب اس کا کیا کیا جائے مجھ نہ ہر دوشوی اگر اپنی تحریر سے مجھے معلوم نہیں لو کہ کئی کا جائیں تو آخر معنی معنی ہیں بہت ہی شاندار تحریر جہاں انسانیت کا بپ کا دل بھیگی گی دہاں رہا نورضان کے دھک دھک نال نے دل ہی دل میں پیاری دیا سلامت و بہت بہترین معاشرت گندہ سے جوڑنے والی تو آموز معنی کی صلوات کو سلام کرنا بھیجی رہو، سلسلہ دار و نال سارے ہی

جاءد ہیں گوراد سے اقتباسات اور جیلے اپنے ماشاء اللہ سب مصطفین کو سلام کیے کڑی سے کڑی ملاری ہیں سلام ہے سب کو دوزخیزہ کے سفر کی دردادار تصاویر دیکھ کر بہت اچھا لگا منور بہت ساری دعا میں ہیں ام ایمان کے لیے بھی صلوٰۃ و سلام، لکھتے ہیں شاعری بھی بہت اچھی کی بہت جلد میں بھی اپنی شاعری دیکھنا چاہوں گی دوزخیزہ کے اندر، اور ہاں پیاری حسنا منور جی! یہ اپوزڈ کی تقریب تو کرنا ہی میں ہوگی تم کو دیکھ کر میری وہ جائیں کے آف ف..... خالہ، ساتوں دی بالے، جج صاحب سالانہ اس قابل کہ سالانہ لگے، منور سوز و مال جنت ہے آپ کو بہت مبارکباد کہ آپ کی کاوش کا سبب ہیں ہیں دوزخیزہ میں دعا میں ساری نیم کے لیے اور دوزخیزہ کا سامانی کے لیے آہیں مجھے خیر ہے میں کی عیاد کی پر ہے کایک معمولی سی بھی مصلحتوں، اب اجازت چاہوں گی سب کو تیر کے لیے بھی بہت ساری دعا میں۔

بھ: دیر طیبہ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ مفصل تبصرہ اچھا لگا۔ دل تو میرا بھی بہت چاہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور رکھوں مگر یقیناً مانوسراٹھانے کی خدمت میں ملتی میری ہوتا بہت ساری ذمہ داری ہے اس پر سونے پر سہا کہ دفتر کے دیگر معاملات سمجھتے تو لگتے کہ میں سوئے میں بھی دفتر میں ہی گھومتی رہتی ہوں۔ بہر حال آپ کا افسانہ میرے پاس موجود ہے جلد شائع کروں گی۔

ف: فریدہ فرخی ناں اور سے ملتی ہیں۔ سوٹ اینڈ کیوٹ منور جان! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ منور نے ہاں دوزخیزہ کے ساتھ اٹھارہ تاریخ کو ملایا جی کیوں نہ رہے آئے خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آتی جاتی ہے۔ قاتل میں سو سو لگا۔ رضوان کو کڑی بھولنے کی وفات کا پڑھ کر بے حد افسوس ہوا اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس عطا کرے اور رضوان کو کڑ کو مبر دے آئیں۔ اچھا جی جن زار میں ہماری شاعری غائب بھی بڑا افسوس ہوا ہماری شاعری ضرور لگے گی شکر ہے فرزانہ ان کے انڈر واپنے حوزہ دیا۔ خلود فرغانہ! طبیعہ معصومہ زہت جہیں تو میری کیوٹ راز میں لگے، افسانے پڑھ کر دل خوش ہوتا ہے۔ کس کمال کا قصی ہیں اس مرتبہ تو افسانہ آفتاب نے بھی کمال کا افسانہ لکھا۔ فکرت لیں یا نورضان جی داد زہت تحریر طبیعہ معصومی آری پبلک اسکول کے بارے میں کیا خوب لکھا ہے مرا ا گیا پڑھ کر آپ کا تو نام ہی کافی ہے اللہ کرے کہ زور قلم زیادہ آید افسانہ لکھتی ایسی تحریر آپ ہی کا کام ہے مبارکباد قبول ہو۔ افسانہ میں مرزبادہ و خضرہ میں کیوں ہوتے ہیں جیسے یہ سکندر صاحب تھے فارے پر ترس آ رہا ہے۔ گلہ لکھتی جی کیا زہت ناٹھ لے کر آئی ہیں۔ مبارکباد قبول کریں۔ تجرہ زمین زہت جی اب کیا تعریف کروں آپ کی آپ تو گلہ علیہ ہیں افسانوں کی زہت جی کیسے لکھتی ہوتے افسانے اچھے افسانے ہم پر بھی ہونک بارود شہر بلا خلودی آپ کا افسانہ بے حد معنور تھا بہترین تحریر تمام افسانے پڑھ کر سرد آ گیا خوش و غول جی سب کی سلام کا جواب دے رہا کہ میری ہم تو بے حد معنور کرتے ہیں۔ منور جی خط میں تو آپ کے متعلق لکھتی ہوں تعریف میں شعر بھی ہوں مگر آپ کے حسن کی تعریف میں آپ کا دل دیتی ہیں۔ ایک غزل میں نے لکھی تھی کہ فریم کر دیا کرے سربانے رکھ لی ہے اب تو آپ کی کچھ نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ میں ہوں حسن پرست تعریف کیے با تو میں وہ نہیں لکھتی۔ پابیز اور کاٹ نہ دیتے۔ چلوئی اب سب کو سلام دعا فرمائی گویہ دعا فرمادیا۔

بھ: یہ کیا فریدہ جی اتنی محنت سے قاتل تیار کر دیا اور آپ کو سو سو لگا دل تو ز دیا آپ نے..... اور

دیکھیے میں نے کوئی لائن نہیں کاٹی اس بار.....

✽ خولہ خان گرامی نے نصیحتیں ہیں۔ محترم عزیز سہمراہ السلام علیکم! امید وہاں کے ساتھ پھر حاضر خدمت ہوں۔ اس ماہ کا روزیہ بھی اہل بھاری دکھا چکا ہے۔ تقریباً افسانے اور ناول آٹھوں کی زینت بن کر سن کو آسودگی بخش چکے ہیں فطرت و ناول میں سن لیکن تنہائی کا ہر ادراک سید چوری کی چلو عشق..... دو گھم گیا ہے۔ وہ تو ابھی چار دیواری میں تو پھنسا ہے پڑھ لوں گی زمرا کا ابھی امان..... میں کبھی پڑھ بھی رہی ہے اور دلچسپ بھی ہوئی چار دیواری ہے فائق اور عاصر کے کردار لی لی جان کے گھر کو مٹا کر کے کیا اثرات مرتب کر رہے ہیں درخشاں انوار و اندازہ ہو رہا ہے۔ طبع غریب کا دلبر ہے..... مختلف موضوع کے لحاظ سے بہت اچھی طرح لکھی گئی روائی سب دن اگلے کے بنائے ہوئے ہیں اور خوشی اور غم کی طرف سے غلط نہیں سمجھتا کہ رمان میں صبر کرنے کی بجائے دن اور رات کو کھانا کھانا شروع کر دیتے ہیں جو کہ جیتنا گناہ ہے کیونکہ اللہ نے قرآن میں کئی مقامات پر زمانے کی قسم کھائی۔ سورۃ العصر اس میں صاف اول پڑھ سکتے ہیں۔ سنجیدہ پڑھا کر کمال بھیجی بھی بہت اچھی تحریر ثابت ہوئی۔ انداز تحریر ذرا بہت کے خواہ مخواہ پڑھنے میں مزہ آجیاد یا مینار کا شکستہ بھی نوع پر لڑکیوں کے لیے پڑھنا ضروری ہے۔ مگر انداز تحریر معقول اچھا ہوا لکھنا قرنی کیم کا چھوٹی سی..... واقعی بہت چاند چرخ لکھی جیتنا وہ کہیں سے بھی چھوٹی سی بات نہیں مگر دینا بیچے خود غرض لوگوں اور رشتے داروں سے ہماری پڑی ہے لیکن ایسے لوگوں کا انعام اچھا نہیں ہوتا۔ سید صاحب کا شمار کاغذ بہت شاندار تحریر ہے۔ بندہ پڑانا شمار ہے وہ اپنی نگلیں تو محسوس کر رہے لیکن ان راحتوں کا شمار کرنا بھولے رہتا ہے جو اللہ کی طرف سے اسے عطا کی جاتی ہیں۔ سید صاحب کج مزاج جتنا صاف اور سچا ہے ان کی تحریر اس کی عکاسی ہے بہت اچھا سید علیہ السلام کا لکھ کر اچھا لکھنا ابھی اصلائی تحریر بھی ہے جتنا ہے کہ عورت کا چپ پڑے جوں کو کھنسی سے نہ گھارے خواہے خواہے میں ایسا کم دینے میں بھی تھکتا ہے کہ کیونکہ یہاں صورت کی صورت کی سب سے زینت نظر ہے کہ کیونکہ فطرانہ چھلنے چلنے کے کارہہ اس میں زیادہ ہوتا ہے اور سنبلیں کی ملکہ اگرچہ موضوع خود بخود برکاتی تحریر ہونے کو چاہیے لیکن سنبلیں کا طرز تحریر الفاظ و تراکیب کی آمیزش میں عمدہ ہوئی ہے۔ ہر جملہ اچھے کلمے پڑھنے پر آمادہ کرتا ہے۔ پرفشوٹو نظر آتا ہے۔ اور جہاں تک خطوط غالب سے موازنہ تو سنبلیں میں کہاں خطوط غالب کہاں لیکن آپ کی محبتوں کا شکر یہ آپ کا حسن نظر اور حسن ذوق ہے۔ سہمراہ شمارے کی خصوصیت روزیہ و اندازہ ہے مگر نامہ ہے جس کا آغاز آپ کے قلم سے ہوا۔ یقیناً چار میں جس خصوصیت سے آپ نے اس میں ماضی کی یادوں کو زنجیر کیا ہے۔ اس کی ہر برکزی میں آپ کے والد (محترم سہمراہ صاحب) کی ادبی جہد محنت و محبت نہ صرف مضبوطی ہے بلکہ بڑی خوبی نظر آ رہی ہے۔ وقت کے ان صاحبزادے اور بیٹے (رخسانہ اور مزنا) سہمراہ صاحب کی یادوں اور شاندار ذہنیت نے اسے کڑے کڑے ساتھ مزید یا چا چا چا لکھا ہے۔ (خدا تعالیٰ نے آپ کو جس قدر سزا دی کہ آپ کی منتخب کتاب سے دعا ہے کہ آپ کو ہر قدم پر اپنی غرض نہیں آئیں۔ آپ کے ادارے سے بھی ہماری آنکھیں کھول دیں کہ روائی اچھے لکے کے نامور نواب بیرون کا تو ہمیں پتا ہی نہیں چلتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لوگوں اور صحرائوں میں تدریسی کی صلاحیت پیدا فرمائے آئیں۔ ویسے سہمراہ تہرہ

میں نے کچھ زیادہ ہی جاہل تھی کہ ساتھ بغیر کسی افادہ جملے کے نہیں کہہ دوں گا؟ پچھلے خدو لگتے وقت کسی زبانی کا ہٹکار نہیں لیکن الحمد للہ..... اب اس کی عادت ہو گئی ہے۔ ۱۱۱۱..... ہرجان لوگوں کے لیے خوش رائی چھوڑی نہیں جاسکتی ہے۔ اس لیے فارمولہ تبدیل کر لیا ہے اور گزشتہ آٹھ آپ جیسے اچھے لوگوں کا ساتھ خوشیوں کا سفر ہے اور پینر منزرو گزشتہ آٹھ گزشتہ زبان کے ساتھ ایک انتہائی کارروائی ہے۔ جو اکثر کچھ سے روز روز ہو جاتی ہے۔ مطلب ٹھکر کی کوئی بات نہیں سچن رازدار اور دیشیرو مگھان سب کا بخوشی و درگت مطالعہ ہو چکا ہے۔ اور (دربہ عقیدت) غفر العزیز جو کام کر رہی ہیں اللہ انہیں جس جزائے خیر عطا فرمائے۔

کالم میں جو غرض ہیں وہ بھی درست ہیں۔ دعا کریں کہ ایک دو دن میں یہ خط رانی رسالہ اور دیشیرو کا مجھے دو دین اور دیشیرو افغانی کے اندر سے ہی مجھے صلواتیں مناسبات کا جب دیر سے پوسٹ کرتا تھا تو فغانی کے قیود بند کی مصونیت کیوں پرورش کر رہی تھو؟ میں خود بھی دن اور بھی سو اب اس سلسلے میں دینی مباح تھا کہ پاؤں باہر کر کے میں ٹھوٹے پریشان نہیں لیکن میں کوشش بھی کر رہی ہے کہ کئی فرست میں نہرہ کا رازدار کر دیا جائے۔ آپ انتظار کریں یہ درست نہیں ہوتا کیونکہ مجھے دینا سب سے تکلیف دہ کام انتظار کرنا لگتا ہے۔ آپ کی تحفوں اور دعاؤں کی طالب اور دیشیرو والہ کھین واد اکھین دوں گے۔ لیکن یہ لکھ

قدم بہ قدم ترقی و بہت کے لیے دعاگو۔

بھ: پیاری خولہ! انکرنٹ تہار انا دل بھی تہاری ہر تحریر کی طرح جاندار ہوگا۔ شادہ پسند کرنے کا شکریہ دیے اب تو ریت بنتی ہے دز صابہ.....

﴿آزادیء فکر، آزادیء خیال سے کہتے ہیں۔ السلام علیکم ایادیاں منفرہ آپ کی اور دوشیزہ کی تمام بہنوں کو میری طرف سے غلوں سمراجرا قبول ہو۔ امید ہے آپ سب خیر خیریت سے ہوں گے۔ خطا کہنے کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ مجھے آپ سب بہنوں کا شکریہ ادا کرنا تھا کہ جس طرح آپ نے میرے ڈائل کو سراہا پسند کیا۔ آپ سب کا تہ دل سے شکر ادا کرتی ہوں۔ ایک نکھاری کلمے کے لیے قارئین کی تعریف یا تحقید بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے کیونکہ اس بنیاد کو دیکھ کر وہ ادب کی نگاہ میں کیسی ہی مقام بنانے کا اہل ہوتا ہے۔ یہ دونوں ملک میں رہنے والے قارئین کا بھی ہے محترمہ جن کی آراء مجھے ایسی میل کے ذریعے ملتی تھی۔ منفرہ آپ کی طبیعت کا سن کر برطانیہ میں جیسے لوگوں آپ کا خواب تھا اپنا بت سارا داخل رکھا کریں کیونکہ دوشیزہ کا الہامی جن آپ کے دم سے قائم و دائم ہے۔ اللہ پاک آپ کو صحت و تندرستی دے آمین۔ اللہ پاک ہم سب پر اپنا فضل کامل رکھے اور میرے پیارے آزاد خیروں اور پاکستان کو دشمنوں کے شر سے بچا کر ہمیشہ جمہورِ استار رکھے آمین۔ مجھے دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیے گا۔﴾

۵۰: سوئٹ آسیر! امید کرتی ہوں کہ اب تک جنہیں دوشیز مل گیا ہوگا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب طبیعت بہت بہتر ہے تمہاری محبت کا شکر یہ ہے ایک اچھے لکھاری کی پہچان ہے کہ وہ تعریف کے ساتھ تنقید بھی برداشت کرتا ہے تمہاری تحریر میرے پاس موجود ہے ابھی بڑھی نہیں جلد بتاؤں گی۔

اور اس آخری خط کے ساتھ اب اپنی مدد کو اجازت دیجیے وہ دیشیزہ کے حصول میں اگر کوئی بھی دشواری ہے تو مجھے ضرور آگاہ کیجئے خوش رہے خوش رکھیے۔

دعاؤں کی طالب
منزہ بہام

اقبال بانو سے ملاقات

~~~~~

”شیشہ گر“ کی خالق ہماری اور آپ کی پیاری اقبال بانو جن کا شمار دوشیزہ کے اؤیلین ساتھیوں میں ہوتا ہے...

~~~~~



”پیاری منزه..... آپ نے تو کئی ماہ پہلے مجھے سوالنامہ بھیج دیا تھا مگر میری ناپلی کہ شغل کے دوران سوالنامہ نہیں آئے پیچھے ہو گیا (حالانکہ میں نے بہت سنبھال کر رکھا تھا) خیر پھر یہ میرے بیک سے ہی برآمد ہوا (جہاں کئی بار دیکھ چکی تھی)۔
 سچ بتاؤں کہ دوشیزہ کا انٹرویو دینا میرا بہت پرانا خواب سمجھ لیں۔ جن دنوں راکشز، اے بی اے اور ڈی فخریہ میں شرکت کے لیے دوسرے شہروں سے آتی تھیں اور عفت عزی ان کے انٹرویو کرتیں (عفت کو مرحومہ لکھنے کو دل نہیں چاہتا) تو دل بہک

عزی نے آسید سلیم قریشی کا انٹرویو کیا۔ بشری رضی کے چھٹے جوابوں کو سہا۔ شوکت رانا الطاف سے معصومانہ انٹرویو کیا مگر عفت نے میرا انٹرویو نہ کیا۔ البتہ اس نے مجھے کہا ضرور (خود ہی) شاید میری آنکھوں میں میری خواہش چانگی تھی۔ تم ”شیشہ گر“ مکمل کرو تو میں نے تمہیں کنبہ سے میں کھڑا کرنا ہے مگر آہ..... عفت جامعہ کراچی میں پیمبرا ہوئی۔ عفت کی شادی ہوئی تو میں بھی انوائٹ تھی اور شادی میں کیوں نہ جاؤں؟

سہام مرزا صاحب ’رخسانہ سہام اور رضا



ڈاکٹر سلیم الرحمن صدیقی سے دوشیزہ راکشز رانا اور ڈی فخریہ

ہمک کے کہنا ”عفت سے کہو میرا انٹرویو بھی کرے۔“ مگر دوستی اپنی جگہ تھی اور پھر ان دنوں میں نے اتنا کھامبھی نہ تھا کہ اتنے بڑے پرچے کے لیے انٹرویو دیتی ہوں مطلقاً نہ خواہش کہہ لیں۔ فرسٹ ایئر میں بھی تو پہلا ٹاپل ”شیشہ گر“ سہام مرزا صاحب اور رحمان فاروقی کے کہنے پر لکھا۔
 ہاں بات ہو رہی تھی انٹرویو کی۔ عفت

ان دنوں میں نے لکھا بھی بہت یونیورسٹی دور میں ہر ماہ میرے تین چار افسانے ضرور شائع ہوتے اور تاول کی قسط بھی لکھتی۔ میری دوست بھتی تھیں بس تم لکھو یا۔ ہم تمہیں لوٹس دیں گے اور واقعی سارہ جیجیں اور روبینہ زریں مجھے ضروری لوٹس دیتیں یہ اور بات کہ میں نے لوٹس سے کبھی اشتکان کی تیاری نہ کی۔ کبھی بری محی میں ان دنوں



نصف بہتر کے ساتھ

جس دن افسانے میں اعزاز یہ ملتا تھا ہم بچوں کیلئے نیر یا میں بھی نظر آتیں۔
منزلہ پیادگی کیا خوبصورت کل تھامیرا
بہت یاد آتے ہیں وہ دن
سوال: حرف کی دنیا سے آپ کا رابطہ کب اور کیسے جڑا، اس سطر کا احوال کیا ہے؟
جواب: یار بہت اچھا سوال ہے۔ مجھے بہت پیچھے جانا پڑے گا۔
پانچویں کلاس میں تھی تو حرف سے رابطہ ہوا۔ پہلے روزنامہ "امین" کراچی کے بچوں کے صفحہ

جواب: بکل..... میرا کل بہت خوبصورت گزرا جو میرا سایہ ہے یا جسے اٹا دیکھیں۔ اچھا کیلئے لکری کا دور گزرا میں نے اپنے اسکول اور یونیورسٹی کے دور کو بہت انجوائے کیا جامدہ کراچی کی دیوار میں گواہ ہیں۔ ہمارے اردو ڈپارٹمنٹ کے گوریلو رہی گواہی دیں گے۔ بہت مزے اور مستی کے دن گزرا۔ لاہری میں پڑھتے ہوئے کرا گرم کاندھی سوسے کھاتے جاتے اور سردیوں میں لان میں بیٹھ کر کرا گرم کالی، سینڈوچز کے ساتھ لپ جاتی۔ ہم پانچ دوستوں کا گروپ تھا۔ میں روبینہ



زریں (جو آج کل گورنمنٹ ڈگری کالج کورنگی کی پرنسپل ہیں) سارہ جیجیں (آواز دے کہاں ہے) فرزانہ فروغ (اللہ میری دوست کو کوٹ کوٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین) اور حائرہ غلام (ہم چٹان کی کالینتہ بیڈ) یہ ہم سے جو تیرہ مگر ہمارے گروپ میں شامل تھی) ہم نے سلام دعا سے دیکھ کر کسی کو اپنے گروپ میں شامل نہ کیا۔
سوال: آج کل زندگی کیا کہہ رہی ہے؟
جواب: زندگی کہہ رہی ہے کہ مقابلہ سخت ہے اور وقت کم۔ جلد از جلد کامنڈاؤ کہ زندگی کی شام ہوئی ہے۔
سوال: آپ اپنے "کل" جو گزرا گیا کے بارے میں کچھ بتائیں۔

ناول شائع ہوا جبکہ میرے اس وقت تک سات آٹھ افسانے شائع ہوئے تھے اور دو شیزہ میں صرف تین افسانے چھپے تھے۔ مرزا صاحب کی نظر نے میرے انٹر کے ناول کو شکوک کیا تھا۔

اس ناول کو شہور معترف نصرت چٹائی نے بھی پسند کیا۔

میں نے دو شیزہ سے ہر سال ایوارڈ لے لیے یعنی 1979 سے 1983 تک ایوارڈ لے لیے پھر مصروفیات بڑھ گئیں تو لکھنا کم ہوا دو شیزہ میں بھی کم کم لکھا۔ لیکن یاد نہیں تو ڈا۔ (دو شیزہ میں رٹیکلیف ہونے کے ڈر سے کم لکھا)۔

سوال: شاعری اور ڈرامے سے آپ کی محبت اور آشنائی کب ہوئی؟

جواب: منہ ڈنیر آپ کا یہ سوال پڑھ کر میں بہت ہنسی۔ آخر سہام مرزا صاحب کی بیٹی ہواور ڈومین سوال نہ کرے۔ ضروری تو نہیں شاعری محبت کر تو کی جاتی ہے؟ اور دو شاعری کی عمر تھیں نہیں۔ میں غزلوں کی شاعر نہیں ہوں۔ ایک بار مفیدہ ریاض نے مجھ سے کہا تھا دو شیزہ کے آفس میں ملاقات ہوئی تھی۔ انو! میں نے غزل لکھی تھی مگر جو مرزا لکھ گئے کا ہے وہ غزل میں کہاں۔ یوں بھی لکھ کم کم لکھی جا رہی ہے ہم لکھ لکھو۔

ابھی دنوں پتہ چلا کہ سرائیکی میں کسی خاتون کی شاعری کی کتاب نہیں ہے تو سرائیکی زبان میں نہیں لکھ کر کتاب بچھادی۔ ”دل نہ جگتا لکھتے“ تو اس طرح میں سرائیکی زبان کی نکتوں کی پہلی صاحب کتاب شاعرہ ہوں اور پہلی ناول نگار بھی ”ناولوں کو مہاراجاں۔“ میرا ناول ہے جو بہالہ دین ذکر یا بغیر کسی کے لکھا ہے۔ تھ پر دو طالب علم ایمل کر رہے ہیں۔ بتاتے ہوئے خرم آ رہی ہے مگر فرحی ہے خود پر۔ یہ بات ”ڈرامہ“



”انو۔“ جاس کس نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ایک بار کوئی جاس کس کر دو تو پھر قدرت مشکل سے موقع فراہم کرتی ہے اور پھر کئی سال لگ جاتے ہیں، نہیں مجبور نہیں کرنا میرے پاس اور رانز کے ناظر بھی رکھے ہیں مگر میں تم سے ایک رول ایریا کا ناول لکھوانا چاہتا ہوں مجھے یقین ہے کہ تم سے بہتر کوئی نہیں لکھ سکا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارا ڈنیر دیہات کی کئی سے اٹھا ہے تم وہاں کے بارے میں بہتر جانتی ہو وہاں کی ثقافت رہن سہن سب لکھو۔“ اور ان کی حوصلہ افزائی ہی تھی کہ میں نے ناول کا آغاز کیا۔ یقین کریں میرے ذہن میں کوئی کہانی نہ تھی۔ بس اپنے گاؤں کی ایک سڑک کو نوکس کیا اور پھر کہانی جتنی چلی گئی پورے تین ماہ یہ ناول کا سہانی ہے دو شیزہ میں ”شیش مرگ“ کے نام سے شائع ہوا اور بہت داد پائی ایوارڈ کا حقدار ٹھہرا۔ اس کی پہلی قسط دی (صرف دو روز میں لکھ کر) اور جب ۱۲ روز بعد پرچہ آیا تو میرے ناول کی قسط موجود تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ دو شیزہ نے مجھ ایک نئی رانز کو یہ اعزاز بخشا۔ میرا

جب کسی ڈائجسٹ نے رانز کو یہ مقام دیا تھا۔ پورے پاکستان سے رانز اس تقریب میں شامل ہوئے۔ یہ عزت و احترام پہلی بار کسی رسالے نے رانز کو دی۔ اور پھر پرل کانفیٹنل میں تقریب۔ بی سی کا بیگنٹ ہال ہم نے زندگی میں پہلی بار دیکھا۔ دوسرے روز دو شیزہ کی طرف سے ایک چائیز ریسٹورنٹ جس کا نام یاد نہیں آ رہا میں سہام مرزا صاحب نے ڈنر دیا یہ ریسٹورنٹ دو شیزہ کے آفس کے نیچے تھا۔ جج چوہیس تو پہلی بار چائیز کھانا کھایا۔



عظمت عزتی میرے ساتھ بھی گول بار کچے (کھانا بردہ ہونے سے پہلے) بانو تم نے بھی چائیز کھانے کھائے ہیں؟

”نہیں تو“ میں نے نفی میں گردن ہلائی (تم نے کھائے ہیں؟) ”یار کھائے تو میں نے بھی نہیں پتہ نہیں کیسے ہوں گے۔ بھوکا جانا پڑے۔“ مگر والے مذاق اڑائیں گے کہ بھوکے آئیں گے۔ میں نے کہا چاہا پھر کہ وہ خالہ نہ سن لیں

ہوگئی ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ سب مقابلہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا دی وری پر چند مخصوص رائلز تھے اور اب ڈائجسٹوں نے ڈائجسٹوں کی ایک کاپ تیار کر دی ہے اور میں بھی تھے ڈائجسٹ رائلز کا دور ہے۔ پہلے بے شک ڈائجسٹ میں لکھنے والوں کو رائلز نہیں ملتا تھا لیکن اب وہی ڈائجسٹ لکھ رہے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہم جو ڈائجسٹ رائلز کو پیش کرتے تھے وہ نظری نہیں آتے تھے (ایک پاک مینیجمنٹ ایس طرح لالی سے باز رہتا ہے)۔

سوال: فلموں سے کچھ بھی ہے؟

جواب: کئی زمانے میں فلمیں دیکھنا پسند تھا مجھے VCR پر فلم دیکھنا بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ تو میں امت الصبور (مدیر و خواتین ڈائجسٹ) اور ناظمہ طالب مرحومہ (مدیر کرن ڈائجسٹ) کے ساتھ سینما ہال جا کر فلم دیکھتی تھی۔ اصل مذہبی ٹاپ کی ہے۔ اسے ہم دو ٹیبلٹ زبردستی لے جاتے تھے۔ اور وہ دوسری میں چلی جاتی تھی۔ زبردستی تو اسے ہم کٹھن بھی لے جاتے۔ میں اور ناظمہ سمندر کے پانی میں دور تک چلے جاتے اور اصل کنارے پر گھڑی پریشان ہوتی رہتی۔

(خدا غرق کرے ان دہشت گردوں کو سیری دوست ناصر طالب جو بلوچستان کی تیرہٹی کوئٹہ میں اسسٹنٹ پروفیسر کی دہشت گردی کا شکار ہو گئی)۔

مجھے آرٹ سوڈین پسند ہیں۔ پاکستانی فلمیں پسند ہیں۔ اس تو عرصہ ہوا کہ فلم نہیں دیکھی تقریباً اٹھارہ سال ہو گئے ہیں یعنی جب سے کراچی سے ملتان آئی تو فلمیں ہی چھوٹ گئیں۔

سوال: پاکستان کے علاوہ دنیا دیکھی کیا تجربہ ہوا؟

جواب: اپنا پاکستان اپنا ملک اپنے لوگ شادی سے پہلے میں اپنے ماسوں کے پاس ڈنگارک

تھی مگر یہ روز بید ہی بھاگ آئی کہ اتنی ٹھنڈا اور برف میں نہیں رہ سکتی تھی۔ شادی کے بعد ہم سنگار پور گئے۔ اچھا تھا۔ مگر جہاں جاؤ صرف چند روز کے لیے مجھے اپنا ملک پسند ہے اور پھر کراچی جہاں میں عرصہ رہی اور ملتان جہاں میں نے جنم لیا۔

سوال: لوگ کہتے ہیں وہاں معافی بہت ہے۔ لندن امریکا میں اور یورپ ممالک میں میں کہتی ہوں وہاں کسی کو اتنی فرصت نہیں کہ ہماری طرح کھنڈیلے۔ وہ تو ایک روز نہ کاٹیں تو بھوکے مریں۔ اور اپنا ملک کتنا اچھا ہے کہ حکمران لوٹ رہے ہیں لوگ لوٹ رہے ہیں ایسے پھر بھی اللہ ہمیں وہ وقت کی ردی دیتا ہے۔ بھوکہ نہیں رہنے دیتا۔ میرے رب کا شکر ہے پھر اپنے ملک کو برا کیوں نہیں؟

سوال: پسندیدہ موسم خوشبو رک اور لوگ؟

جواب: سارے موسم پسند ہیں۔ البتہ سردی اچھی لگتی ہے۔ بندہ خوبصورت رضائی میں گھس کر سوئے تو کیا سکون کی نیند آتی ہے۔ خوشبو۔ کیلی می کی سوئدی سوئڈی خوشبو ہمیشہ سے پسند ہے۔ دیسے مجھے موتیا کی اور مردہ کی خوشبو بھی پسند ہے سارے رنگ اچھے لگتے ہیں جواہی میں ریڈ کمر بہت اچھا لگتا تھا یعنی میں گری اور سردی میں ریڈ کمر کے پرنٹ سوٹ ضرور بناتی تھی اب لائٹ کراٹھے لگتے ہیں لیکن دل اب بھی ریڈ کی طرف پھٹتا ہے۔ لوگ اپنے لوگ اچھے لگتے ہیں سیدھے سادے عورت کرنے والے محبت اور عزت دینے والے بہت پسند ہیں۔

سوال: اور کوئی خاص بات جو آپ کہنا چاہتی ہیں؟

جواب: ہاں خوش رہنا اور خوش رہنے دو۔ کبھی کسی کا برائے چاہو اور اپنے رب کو کھڑے سے یاد کرتے رہو۔

سوال: اپنے پڑھنے والوں کے لیے کوئی بات؟

جواب: میرے پڑھنے والے میرے لیے بہت خاص ہیں۔ انہوں نے مجھے عزت دی۔ اپنا قیمتی وقت نکال کر میرے لکھے لکھوں کو پڑھا اور پسندیدگی کی سند پیشی۔ اللہ ان سب کو سلامت رکھے جنہوں نے میری تحریروں کو اپنے رسائل میں چھپا دی اور میرے پڑھنے والوں کو بھی اللہ خوش رکھے۔ آمین۔

اللہ پاک میرے محترم مہام مرزا صاحب کو بہت بلند مقام عطا فرمائے ان کے درجہات بلند کرے آمین۔ مرزا صاحب سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ مجھے ان کی آنکھوں میں چمکتی ذہانت اور زیر لب مسکراہٹیں بھولیں۔ اس وقت بھی وہ رعب چہرہ میری نظروں کے سامنے ہے۔ مزہ ڈھیر آپ نے ان کی جگہ سنبھالی ہے اور کا سباب ہیں۔

سوال: دو چیز دے لکھ کر پڑھنا ہے؟

جواب: دسمبر 1979ء سے یہاں چھپنا شروع کیا اور پڑھنا شاید 1978ء سے۔ میری کمالی غزالہ نام کو بہت شوق تھا ڈائجسٹ پڑھنے کا تو یہ لٹ انہوں نے ڈالی تھی۔

دو چیز وہ ساتھ اب دوسرا دور چل رہا ہے۔ اب بھی میں نے انسانے لکھے اور مجھے تین سال مسلسل ایوارڈ ملے ہر سال۔

انشاء اللہ 2018ء میں بھی انعام کی راہی میں اپنا اور ام سوپ مکمل کروں کہ دو چیز وہ لکھتا ہوا شوق ہے مزہ چھپا رہی مجھے یقین ہے کہ میرا یہ سیدھا سادا انداز آپ کو پسند آئے گا کیونکہ میں جس طرح کہانی لکھتی ہوں جس طرح بات کرتی ہوں اسی طرح میں نے لکھا ہے آپ کا شکر یہ کہ آپ نے مجھے یاد رکھا اور مجھے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا۔ اللہ حافظ

☆☆☆☆☆

کیا

خدا نے آپ کو

حسن نگہی

دولت

نوازا ہے؟

کیا آپ کو

لباسی

پہننے کا سلیقہ آتا ہے؟

تو پھر آپ

پچی کہانیاں

کے سرورق کی زینت کیوں نہ بنیں؟؟

آج ہی ہمارے نو فوگر فر سے رابطہ قائم کیجیے۔

021-35893121-22

88-C II، لیاہی جی ٹی 7، ایس ڈی، اقدالی کراچی

گن فیکون

چوتھا حصہ

~~~~~

سب نے اس ایک دن کی بچی سے منسوب کیا تھا۔ اللہ کا حکم یہی تھا اس میں اس معصوم کا کیا تصور؟ لیکن رشتے داروں نے اس منہ کی پری کے ماتھے پر منگوں کا ٹیک ضرور چسپاں کرتا تھا..... زندگی اور بندگی سے گندمی ایک خوبصورت تحریر

~~~~~

یہ الفاظ آیت کے دل کی گہرائیوں سے بیحدوی کے عالم میں ادا ہوئے تھے مرزا کا مالک تو ہے گھور اندھیر بیہت ناک پر تیش سزا سے بھالینا۔ مویشی کی مفلوں میں کھڑے ہونے کی جگہ عطا فرمادینا۔ مالک میں اپنی حدوں سے تجاوز کرتے ہوئے تھے ہے مانگ رہی ہوں، بس اب اس حد تک مجھے سرخرو کر دے کہ روز عشرت خیرے سامنے کھڑے ہونے پر مجھ پر اپنے گناہوں کی گھبراہٹ طاری نہ ہو مفل کی جانب سے آیت کو سینک کال موصول ہوئی تھی۔ اس وقت چند ظلم اور پروڈیوزر کے ساتھ وہ بھی اس سینک میں موجود تھی جہاں پر کل بھی تھے۔ مکمل کے سفید کلف شدہ دوپٹے کو اونچی طرح لپیٹے طولی بیل کی ایک چیز پر وہ بھی براجمان تھی۔ اس کی نیلی آنکھیں دیک رہی تھیں۔ روکن پیشانی پر منہ کی چٹکی مڑی گھیری کی لگیں بار بار بھینکالی آیت خان کی تمام قوم اپنے سامنے رکھے سفید بچے پر تھی۔ سبھی اسٹوڈنٹ اپنے استاد کی طرف متوجہ تھے۔ پہلے پرنسپل ڈاکٹر ایم جی خان نے بریفنگ دی تھی



بجہ ایسا جاتا ہے وہاں سے کھن اچڑا اب بھی مسلم
 کیونکہ دوست گرد گھٹے نہیں سامنے ہیں۔ بریڈ فورڈ
 یونیورسٹی صرف آپ کے تعلیمی اخراجات برداشت
 کرے گی، رہائش و طعام کا انتظام آپ کو خود کرنا
 ہوگا، اگر وہاں کے ہوٹل میں رہائش رکھیں گے تو
 ہماری چارجز ادا کرنے ہوں گے کیونکہ ان کے
 ہوٹل گھڑی ہیں، لہذا ہمدی آئی ایسٹنرز ڈی
 اریج کیا چارجز ادا کرنے کے لیے افریڈ کرنا پوسٹیل
 نہیں ہوگا۔ ذاتی اخراجات کے لیے امانڈٹ چاہے
 آپ گھر سے منگوائیں، وہاں بائٹ نام چاہ کریں
 یہ آپ کا اثرو ہے یونیورسٹی کا نہیں جیسے ہی انگریز
 ایجنسی آپ کے ویزے کے اوکے کرے گی۔ اس کے
 بعد ٹکٹ وغیرہ منظم ہوں گے آپ اپنے پاسپورٹ
 ہوا لےجیے۔ ”میں موجود تمام اساتذہ ہادی ہادی
 ان چاروں سے بات کی۔ مسٹر ذہین نے انہیں بتایا
 آیت خان آپ کا ایم ایل کے لیے ایڈمیشن ہوگا نسا
 ملک آپ کا کانسٹنٹ امرشاد اور فرب جیلانی آپ
 کا پارامیٹ لاکس کے لیے ایڈمیشن ہوگا۔ اپنی کوئیکن؟
 جب وہ چاروں مختلف مسائل کو کر رہے۔
 اماں کو بھی آیت نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ فکر
 مند تھی جانے اماں کس طرح بی ہو کریں۔ آیت جاہ
 رہی کہ پہلے ریتور پر ذاتی اماں سے بات کر کے
 انہیں مطمئن کریں جب وہ اماں سے بات کرے گی تو
 عقلی خان کی سمجھ میں اس کی بات آسانی سے
 آجائے گی کیونکہ اماں ہمیشہ اپنا ملک پاکستان کا
 راک لاتی تھیں۔ وہ کہتیں ہمارے ملک کا تعلیمی
 معیار بیٹھ ہے امی کو مزید بہتر بنانے کی
 کوشش کریں، جہاں کا کھاتے ہیں اس ملک کو فائدہ
 کیوں نہ پہنچائیں۔ آیت کے کاؤنٹ میں اتنا پیسہ
 تھا کہ وہ آرام سے وہاں سال دو سال دو تھی تھی۔
 ساتھ میں کوئی چاہ کر لائیں، مجھے اپنے لیے خود

ازمکل کرنا ہوگی، میرے مالک میری فجب سے مدد
 فرما۔ اسے پھر ریتور کرنی تھی اس کے اندر حرص
 نہیں تھا، لاج سے وہ باگ بھی نہ ہی اسے مادیات
 کی حب تھی ہمیشہ اس کے پاس اس کی ضرورت سے
 زیادہ پیسے ہوتے تھے جب وہ کسی شخص کی مدد کرتی
 تھی خبہ تھیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا۔ لاکھ ہاں
 مجھے اسے راستے سے نہ بھٹکنے دینا، مالک تیری ہی
 پاک قدرت نے مجھے تیرے بارے میں سوچنے پر
 مجبور کیا، ہمیشہ غیر ارادی طور پر بھی اس نے ہر بار اللہ
 کو سوجا دیا کہ وہ کی غیر مرئی فوت بھی جو آیت خان کو
 بے بس کر چالی وہ اپنے لیے دعا کرتی اسے کاش میں
 اماں اس کی بہن کی جاؤں۔ غور و فکر کرنے والی لیکن وہ
 اماں جیسی کیسے نہ تھی تھی، اماں تو بس اماں ہی تھیں،
 انہیں رب کریم نے ایسا ہی بنایا تھا اور آیت خان
 زندگی میں کبھی ایسا نہیں کیا تھا، پھر اب کیوں ہر بات اپنے
 محبوب سے شکر کرتی تھی وہ اس وعدہ کا شریک ذات
 کے سامنے اپنے سامنے کی عمری کھول کر رکھتی تھی
 تیسرا بات آپ میں سمجھتا ہوں وہ دوسرا کہ تذبذب
 سے گزرتے ہوئے خفیف سی جنبش دیتی، اس کے پا
 س تو مودیوں سے ایسا ان کی بائیں تھیں جو وہ اللہ
 تبارک و تعالیٰ سے کرنا چاہتی تھی۔ اماں کے علاوہ کسی
 سے فضولی بات نہیں کرتی تھی۔ اور کوئی ضرورت
 سے زیادہ تھی۔ اسے اطراف کے لوگوں کی پر دہمی
 نہیں تھی۔ لاکھ مجھے تیری نگاہوں سے اس لیے خوف
 آتا ہے کہ میرے طرف ہیں، اگر میں کسی سے مسکرا کر بھی
 بات کر لوں گی تو دوسرے چلے جھ پر بہتان لگا دیا
 جائے گا۔ یہاں اچھوں کے ساتھ ساتھ میرے لوگ
 بھی بنے ہیں جو غلام دے جس میں لیکن میرے پیدا
 کرنے والے رب نے مجھے سمجھ سے بھی خوف نہیں آیا
 کیونکہ میں جانتی ہوں میری سامنے شریک سے

مدا نہیں لیتی ہیں۔ تیری تسبیح پر جتنی ہیں کہ تو رحمان
 ہے رحیم ہے کریم ہے، روف ہے، مسیح و علیہ ہے۔
 پھر بھلا میں تجھ سے کیسے دوستی ہوں، میرا پختہ یقین وہ
 مجھ کو سمجھ پر قائم ہے، تیری رحمتیں مجھ کو لگانے
 سے پہلے ہیں۔ تیرے قرب کی شہنائیت مجھ سے
 اپنے بچپن پر گزرا کرتی ہے۔ دین کی دنیا ہے اگرچہ
 تیری جانب سے عطا ہونی ہے کوشش بندے کو کچھ
 کرنی چاہیے، نامہ اعمال میں جو شرمیں ہمارے
 ہاتھوں میں تھا یا جائے اس میں نیکیوں کو بھرنے کی
 مشق ہمیں ہر وقت کرتے رہنا چاہیے۔ آیت سوچتی
 میرا رب دین کی بھان کو عطا فرماتا ہے جو اس
 حلقہ مجھ پر دے سکتا ہے۔ مجھے میرے سب نے کس
 قدر فائدہ اہر مشکل سے یوں نکالا کہ حیرت ہوتی ہے
 تیرا شکر ادا نہ کیا جیسے مجھے کرنا چاہیے تھا، ہر وقت
 مجھے تجھ سے بھگتی ہو رہا احساس زیاں کا لالہ اس
 کی آنکھوں کی بھلی مزید بڑھا جاتا۔ برطانیہ کو کوئی
 رشتہ تھی میں نے ہمیشہ اپنی خواہشوں کا شہر اپنے
 اور گرد بوائے رکھا تو یہ پھر بھی مجھے بار بار اذیت
 فرمادیتا تھا اس کو اس کی بونی سد بدھ کہ وہ بچے تھے
 زندگی کی ازلی بچہ لکھنوی کو کھوس کر لیتی تو یہ
 ہمیشہ اسے پریشانی تھی۔ کم ہانگی بے دہی کو کھٹنے
 سناؤں تک خود پر مسلط کیے رکھا میرا پختہ اعتبار اور
 اندر سے اٹھتی ہوئی مجھے تیری جانب ہٹتی ہے جہ میں
 پھر مجھے تجھ سے خوف کھا سکتی ہوں۔ میرا ایمان تجھ پر
 قائم ہے، میرے مالک میں جانتی ہوں اپنے ایمان
 کا کھلا ہوا راسخی یقین کے ساتھ بر ملا کرتی رہوں، میری
 روح کا ایک ایک گوشہ گواہی دے میری زبان روح کی
 اس صدا کی تائید کرے کہ میں تجھ پر ایمان رکھتی
 ہوں۔ میں اب اپنے اللہ کی تابعدار صاحب اس کی
 ایمان والی بندہ بن چکی ہوں۔ میرے اللہ مجھے اس
 ایمان کی دولت عطا فرما جو تیرے مومنین بندوں کے

میں سے ملتی ہے کہ تو نے لکھا ہوا ہے۔ مجھے ہمیشہ بھٹکنے سے
 بچا لیتا۔ ذاتی رونا اپنی کم ظرفی سے اپنے اعمال کا
 سیاہ پلندہ سے دور فرما، اگر تو روم فرمائے گا نہیں
 تیری جتنی ایمان والی بندہ ہیں جی جی۔ اللہ تو رحم
 فرمائے والا مادہ ہے پھر مجھ پر بھی رحم فرمائے گا۔
 اب آیت مطمئن تھی اس نے ریتور پر ذاتی
 سے بات کرتی تھی کہ آپ ہم خان کو میری بات
 برعکس وہی پھر میں ان سے خوابات کر لوں گی۔
 اس ویک اینڈ پر زنبیل نے آیت کو کون کیا تھا
 کہ میں اور امی آج تمہارے گھر آ رہے ہیں ہمیں
 ٹاپ کرنے پر سہارا دیا دینے۔ آیت بچن میں چلی
 آئی جہاں اماں کی گھنٹوں سے کھپ رہی تھیں۔ غصہ
 بھر کا چپن بیٹھ فٹن کو پہلے انہوں نے صاف کیا پھر
 بکت بنائے۔ آیت گوشت کا ہاتھ نہیں لگاتی تھی
 کیونکہ اس کی smile سے وہ گھبرا جاتی تھی۔ اس
 لیے اماں ہی بے کام کرتی تھیں۔ اماں زنبیل کا فون
 آیا تھا، شرمگودہ اس کی۔
 ”اچھا“ اماں صرف انداز میں بولیں۔
 ”کہہ دیتی تھی ساتھ میں امی بھی آئیں گی۔“
 ”تھیک ہے فریج میں ایک رکھا ہے کباب بھی
 فریز ہوئے ہیں۔ عار سے کہہ کر کچھ اور بھی
 منگوائیں۔“
 ”ہی اچھا“ آیت نے خطر کی کک پر و فی ریتور
 پر ذاتی اماں سے بات کریں گے وہ غصہ کی اس لیے
 بھی فکر مند تھی کہ وہ اماں کے بغیر انگریز جانے والی
 نہیں تھی۔ وہ انہیں بھی ساتھ لے جانا جانتی تھی۔
 آیت جو سوچ رہی تھی وہ اتنا آسان نہیں تھا وہ اماں کا
 خرچہ دانا دیکھ کر بھی اس کی اپنی خاص سیدھی تھی
 اسے علوم حاصل کر لیاں اپنا سب اپ جھوڑ کر جانے کا
 بھی بھی آواز دینے ہوں گی ان کی سوچوں کے تانے
 بانے بننے ہوئے وہ آج کل خاصی چپ چپ نظر

آری تھی۔ اللہ سے فریاد کرتی مالک اماں کو راضی کر دے۔ ماں کے دل میں نری کے ساتھ ہی احساس ڈال دے کہ انہیں میرے ساتھ چلنا چاہیے۔ اس شام مغرب کی نماز کے بعد وہ اللہ پاک سے عرض کر رہی کہ: نماز کے بعد اس منٹ تو اس نے ضرور باتیں کرنی ہوتی تھیں اپنے اللہ کے ساتھ۔ اماں کے دل میں ڈال دیں کہ وہ میرے ساتھ چلیں۔ وہ آپ کی بات ضرور مان لیں گی۔ اماں کو وہاں ابھی جا ب ل سکتی ہے۔ وہاں بہت سے اسلامی ادارے مکمل کیے ہیں کالج اور یونیورسٹیز ہیں وہ اللہ پاک سے یونگی باتیں کیا کرتی تھیں وہ اس کے پاس ہیں اور اسے بخیر رہ رہے ہیں۔ وہاں بسنے والے مسلمانوں کو ایسے نمبرز کی از حد ضرورت ہے۔ میں نے کئی جگہ ان کی وی کیسٹ کی ہیں ریکارڈس سجوائی ہیں۔ بس میرے رب میری اماں کو ملنا۔ میں اماں کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میری مدد فرما۔ رب دو جہاں آج پورے اس منٹ تک ایک ہی بات کرتی رہی تھی اپنے اللہ سے۔ نماز سے فارغ ہو کر اس نے ایک بار پھر پورے گھر کی ہماڑ پر پچھ کر تھی۔ لڑائی سیٹ کی۔ مکمل کی تین سرے زمین پر نرس کے پھلوں کی کاشت ہوئی تھی یہ مختلف جگہوں پر پیچھے و مومن فروخت کیے جاتے تھے، عام پٹھان روزانہ چار مہیناں دے جایا کرتا تھا بیکری کا سامان جب وہ دارکیت سے لایا تو آیت نے اس سے کہا نرس کے پھلوں کا کچھ بنالاد۔ آیت نے سامنے رکھے فلور واز میں اسے سیٹ کر دیا تھا جو نرس سے کارڈز میں رکھا ہوا تھا۔ شاور لینے کے بعد خود کو فریش کرنے کی تھی اب وہ ہاں میں برش کر رہی تھی اس وقت وہ سک کی ڈھیلی ڈھالی شرت پر بلیک چوڑی دار پا جامہ پہنے تھی۔ شرت بیچنگ میں دو پندھنا۔ دو دھابو میں سیاہ

چٹل اچھی لگ رہی تھی۔ گاڑی کی آواز سن کر آیت اپنے کمرے سے باہر نکلی اس سے اماں دروازے تک پہنچ چکی تھیں۔ زنبیل اور اس کی اماں دروازے پر موقوف تھیں وہ آیت کے لیے چند گفٹ اور مٹائی لائی تھیں۔ ”جنا مبارک ہو صوبہ بھر میں تاپ کرنے پر۔“ ”تھیک ہو آئی وہ لوگ بیٹھ چکی ہیں“ ”آیت تم نے تو ہم سب کا نام روشن کر دیا ہے۔“ ”زنبیل اسے وہ بارود کھلے لگا کر بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔“ ”بھت ہے آپ سب کی۔“ ”ابو بھی کہہ رہے تھے اس بچی نے پورے میانوالی کا ماحول گرد پایا ہے۔“ ”یہ سب اللہ نے کر دیا ہے ورنہ میں کس جاہل۔“ ”زنبیل کی والدہ و رخصانہ اماں سے بار بار اس کی تعریف کر رہی تھیں اللہ ایسے لائق بچے سب کو دے جائے کہ دوران ادھر اھر کی باتیں ہوتی رہیں آیت تمہارے کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں ان خواتین کو باتیں کرنے دو۔“ ”زنبیل نے مسنی خیزی سے انجی ماں کی طرف دیکھا۔“ ”ہاں جی! آگے کیا پروگرام ہے۔“ ”انگینڈہ جاری ہوں۔“ ”راٹ رٹکلی۔“ ”زنبیل کی آواز پر شوق تھی۔“ ”میں اسکا رٹپ ہے۔“ ”واؤ بھلے مبارک کب جاری ہو؟“ ”دیڑہ آنے کی دیر ہے۔“ ”آیت یار تمہارے فوخرے ہیں۔ وہاں کتنا متنا مزہ کرو گی۔“ ”زنبیل کی باچھیں جابری میں۔“ ”زنبیل بی بی میں وہاں انجائے کرنے نہیں چڑھتے جاری ہوں۔“ ”وہی ناں؟“ ”ہاں ہاں زنبیل سنو اماں سے ڈر نہیں کرنا انہیں میں نے ابھی نہیں بتایا میں انہیں اچانک

سرا ہوا نڈو گی۔“ ”آیت تمہیں ایک سر پر انڑھیں بھی دینا ہے۔“ ”بھی دو کیا؟“ ”بتادو؟“ ”زنبیل شرارت سے اسے دیکھ رہی تھی۔“ ”ہاں بتادو۔“ آیت نے کچھ نہ سمجھے ہوئے زنبیل کو مگھورا۔ ”واقعی تم نہیں جانتیں؟ آیت یار جان بوجھ کر کیوں انجان بن رہی ہو۔“ ”زنبیل میں کیسے جان پاؤں گی جب تک تم مجھے بتاؤ گی نہیں۔“ ”چلو ہمارا پنس قسم کرتی ہوں۔ ہم دو مل بھائی کے لیے نہیں پرو پوز کرنے آئے ہیں۔“ ”کیا؟“ ”وہ شاکلہ رہ گئی جیسے پھو نے اسے ڈبک مار دیا ہو۔“ ”ہاں بھئی میں اور امی بڑی امیدیں لے کر آئے ہیں۔ دو مل بھائی نے جب سے نہیں دیکھا ہے تو مانے ہو گئے ہیں تمہارے کب سے امی کی خوشامد کر رہے تھے کو آپ پر اپروپوزل لے کر جائیں۔“ آیت ساکت تھی۔ زنبیل نے اس کا کندھا چھوا۔ ”آیت کو یوں حیران و پریشان دیکھ کر زنبیل گھبرا گئی۔“ ”آیت پائیز کچھ بولوا بی بی پالم؟“ ”کرسکمانے کی کوکشی کی۔“ ”آیت تمہیں خوش نہیں ہوئی؟“ ”زنبیل امی کو بتائی نہیں۔“ ”پھر تم خاموش کیوں ہو؟“ ”بھئی جو فیصلہ کرنا ہے اماں نے کرنا ہے۔“ ”تمہاری کوئی بھی رائے ہو کی کیا تم نہیں اور ایلر سٹو؟“ ”نہیں زنبیل ایسا کچھ نہیں ہے۔“

”پھر تم نے کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا؟“ اب کی بار آیت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ”آیت تم اس بات کو لے کر ڈسٹر ہو کہ تمہیں باہر پڑھنے کے لیے جانا ہے۔ تم ضرور جاؤ دو مل بھائی بھی چڑھ رہے ہیں نا انجی اسٹڈی سیلٹ کرو اس بات پہی ہو جائے جب تک تم واپس آؤ گی جب تک دو مل بھائی کی جاب وغیرہ بھی ہو جائے گی وہ اپنا نوچے بنائیں جب ہی شادی ہوئی ناں۔“ ”زنبیل میں تمہیں بتا رہی ہوں نا آخری فیصلہ اماں نے ہی کرنا ہے۔“ آیت اس ٹاپ سے کترا رہی تھی۔ رخصانہ کے بلانے پر جب وہ دونوں لاؤنچ میں آئیں تو ان کا چہرہ آیت نے مطمئن پایا شاید اس نے انہیں خوش کر دی تھی۔ ”چاہے چاہے اے گھر میں اتار پڑے نہیں اور کیا چاہے۔“ آیت کا ہاتھ جوڑتے ہوئے رخصانہ خان گویا ہوئیں۔ اماں زمر لب مسکرائیں اماں کی مسکراہٹ نے آیت کے چہرے کی تنجید کی تھانؤ بھر دیا تھا۔ ”مٹھی امید کرتی ہوں آپ میں مایوس نہیں کریں گی، خدا کرے یہ ہیرا مارا سے قدر میں ہو۔“ ان لوگوں کے جانے کے بعد آیت اپنے کمرے میں آگئی تھی، اس کا وضو تھا وہ مشاکی نماز پڑھنے لگی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر لاؤنچ میں آئی تو اماں لب تاپ پر آنے والی چند امی۔ کل چپک کر رہی تھیں۔ ”آیت نماز پڑھ لی۔“ اماں کے کمرے میں تازگی تھی۔ ”جی بڑھ لی۔“ وہ ڈسٹر بگھی اس کی آواز پر جھلکی۔ ”ابھی میں جھکان آ رہی تھی۔“ وہ بے میں۔ ”وہ بیٹھے ہوئے بی بی دی دیکھنے لگی۔ بلاجہ پٹیل سرخ کر رہی تھی کہیں بھی اسے دیکھی محسوس نہ ہوئی۔ اماں چندر منٹ بعد لب تاپ بند کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔ آیت تم نے کھول کر دیکھے نہیں زنبیل کے لئے گفٹ؟“ مضائقہ تو میں نے فرنگ میں رکھ دی ہے

ذرا اصرار تو لاؤ دیکھیں تو سمجھیں۔" اماں خاصی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

اس نے تمام گفٹ اماں کی جانب سرکا دیے۔

بہترین کوٹائی کے عین جوڑے تھے۔

"اماں آپ نے انہیں منع نہیں کیا؟ اس کا تکلف کی کیا ضرورت تھی۔" بیٹی میں نے کہا تھا اب واپس تو نہیں کر سکتے تھے اس آتی محبت سے وہ لاپرواہ تھیں۔

"آیت۔"

"جی؟" خداوند سمونوں کے ساتھ رہتا ہے۔ یہ ارشاد باری قرآن میں ہے۔

آیت نے پوچھا آپ یہ تجویز کیوں بنا رہی ہیں

"آیت نے زینب زخماں لوگ ہیں انہیں بھی کتنی سے بلوگے کہتے ہیں۔ وہ ریل خان سے میں مل چکی ہوں ڈشنگ پرستان کی مالک سے بچا ملا کر ہے۔"

"اماں آپ کو کیسے پتا چلا ملا کر ہے وہ؟"

"میں اس سے ملی ہوں۔"

"اماں ایک بار کسی سے مل لینے سے اس کے بارے میں پتہ چھوڑ دیا لگ جاتا ہے۔"

"بیٹا مجھے بھی طرح چھان بین کے بعد ہی کوئی فیصلہ کریں گے۔"

"اماں بیٹا وہ اچھا ہوگا لیکن میرے لیے پڑھائی سب سے زیادہ اہم ہے مجھے ابھی بہت پڑھنا ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا میرا خواب ہے۔"

"بیٹا میں ابھی تمہاری شادی ہو چکی تو تم کوئی دو سال میں تمہارا ایم ایل مل جاتا ہے۔" وہ بھی تو وہ بھی پڑھ رہا ہے۔"

"اماں مجھے ابھی شادی نہیں کرنی آپ ان لوگوں کو منع کر دیں۔"

"آیت کیا کہہ رہی ہو بیٹا اچھے رشتے بار بار نہیں آتے۔"

"اماں آپ خود کہتی ہیں اللہ کے فیصلے بہترین

ہوتے ہیں۔ ہر کام وقت مقررہ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے۔" ہاں میں سمجھتی ہوں یہی مناسب وقت ہے اور ممکن ہے اسی میں ہماری بہتری ہو اس لیے تو اتنی جلدی تمہارا ارشاد نہ کیا۔"

"اماں مجھے ابھی پڑھنا ہے اور اللہ پاک کو بھی میں نے عرض ڈالی ہوئی ہے کہ مجھے علم کی بہت ساری دولت عطا فرمائیں کہ میں وہ دولت آگے اللہ کی عطا کی طرف دوں سکوں۔ اماں پلیز آپ مجھے کسی قسم کی لینین نہ دیں۔ میں تمام فوس صرف اپنی اسٹڈی پر رکھنا چاہتی ہوں پلیز اماں۔" عظمیٰ خان گہری سنجیدگی سے بات کر رہی تھیں۔

"میری اچھی اماں۔" اس نے بیشک کی طرح ان کے ہاتھ چوم کر انھوں سے لگا کر اور ان کے گلے میں اپنی سر دیا۔ انہوں نے آیت کی پیشانی کا اوسرا لیا لیکن مسکرا نہیں پھر بھی نہیں۔

"اچھا اماں میں بھیکے بانی ہوں پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں۔" اس وقت عظمیٰ خان گہری سوچوں میں غلطاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ بچن میں مٹی تو تھیں صاف ستر ملا۔ شام کو استعمال ہونے والے تمام برتن اماں نے دھو کر سیٹ دیے تھے۔

"اماں آپ کمال کہتی ہیں میں جو ملتی برتن ایسے ہی صحت مند رہتی ہیں آپ نہ کیا کریں بچن کا کام۔" وہ فریج سے آٹا نکالتے ہوئے کھنسل بول رہی تھیں جیسے کہ باؤل جس میں بال کو گشت کا سامن تھا یا ٹیکر دو میں رکھا اور پھینکے جانے لگی۔ پھینکے جاتے ہوئے سوچ رہی تھی پروڈیوسر تیار ہر ڈائی نے اماں سے بات نہیں کی ہوئی ورنہ وہ مجھ سے ذکر ضرور کرتیں۔ چاہئے اماں کا کیا رد عمل ہوگا اس بات کی اسے تشویش تھی۔ میں اماں کو ضرور سناؤں گی۔ بریڈ فورڈ نے یونٹی کے انیم فلی کے پہلے سسٹمز شروع ہونے میں ابھی دو ماہ تھے تاہم بہت کم تھا اس کے پاس، اگرچہ پندرہ بیس دن تک

پڑوہ کی کیلنڈر ہوگی تو اسے فوراً مانا ہوگا آیت پر عجیب کی گھبراہٹ طاری تھی، ردی تو ہے ہر ڈالنے کے بعد اس نے پروڈیوسر تیار ہو کر کھینچ لیا۔" سر پلیز آپ پروڈیوسر کی خان سے جلدی بات کریں۔" خودی دیر بعد ان کا جواب آیا تھا۔ کل ان سے بات کروں گا اس نے فکر ادا کیا دل کو قدر سے سکون ملا۔ اماں کافی دیر سے سوچوں کی تھام گہرائیوں میں گم تھیں۔ اس نے اماں کی طرف دیکھا خودی غمگین ہو جانا نہیں گی، اس نے شانے اچکائے آگے ڈھکک آئے والی قیص کو دوبارہ ڈال کر یمنوں کی بچنے کو کھانچا نہیں اور سنک میں ہاتھ موڑنے لگی۔ خودی نے شادی کا لاوکل گلے میں نہیں ڈال سکتی تھیں۔ اللہ کی آپ سے تو میری بات ہو چکی ہے تاہم ہر وقت وہ اللہ کا ہے مشورہ کرتی رہتی تھی۔ تنہائی میں وہ صرف بائیں اپنے رب دو چھاپی سے کرتی تھی، اپنا ہر مسئلہ اس کے سامنے رکھتی تھی اس انداز سے پکارتی جیسے اللہ اس کے پاس موجود ہے۔ اسے پتہ بھی نہ چلا وہ اس کی شکرگاہ سے بھی نزدیک ترین ہو گیا۔ وہ دھوس کرتی تھی اسے یقین کامل تھا اللہ پاک اس کی شکرگاہ سے بھی قریب تر آ چکا ہے۔ اس کے جسم نے یہ ابھی خودی تو اسے عطا کی تھی۔ اس کی زندگی اس کی عبادت و معادلت ہے دل کی گہرائیوں سے اس کی وحدانیت کا اعتراف وہ دھوس کرتی تھی اس کا دل کیسے بدل دیا تھا، خدا تعالیٰ نے اسے مجبور تھا اپنے پیدا کرنے والے پر کراس مالک یوم الدین کا ایک دن میرے لیے علم آئے گا قرآن اتر آ جب میرے اندر باہر کی نیکیوں کی بازائیں برپا ہو جائیں گی کیونکہ جب وہ کن فرماتا ہے تو ہمارے پاس نہیں ہو جاتا ہے۔ اس پر کل نے اسے اپنی طرف رجوع کر لیا ورنہ وہ کھانے میں چلی جاتی تھیں کی نزدیک۔ اس نے کریم کر دیا میرے جیسی بے نمازی پر مجھے ہدایت

دے دی۔ اس کا دل چاہتا تھا جیج کر کے کوئی ہے اسے چھائی سے پکارنے والا۔ وہ دور نہیں ہے ہمارے روم روم میں میرا جانا ہے، میں اسے تلاش کر لو جو تمہاری شکرگاہ سے بھی قریب ہے، وہ اللہ ہے اسے اللہ کی مخلوق سمجھنا چاہو۔ اب تمہارے پاس وقت اور موقع ہے پھر یہ دونوں چیزیں تمہاری زندگی سے ناپید ہو جائیں گی اس وقت کوئی تمہارا مددگار نہیں بنے گا۔ سنا رہی تھیں ہوگا، اس رب عرش سے معافی مانگ لو، وہ اپنے بندوں کو معاف کر دے گا صرف ایک اللہ اور اس کے رسول کے سامنے والے بن جاؤ اس کا دل چاہتا ہے آواز دینا کے تمام جن و انس اس میں تمام چاندیاں ہیں اللہ اور وہ اس رب کی تسبیح شروع کر دیں پیلے دل میں رب کا ذکر کرتے رہو کہ لے لا لا لا لا اللہ محمد الرسول اللہ۔ اللہ جب بندے کے اندر کی گہرائیوں میں روم روم میں سرایت کر جاتا ہے پھر بندے کے اندر ہا ہر اللہ ہی اللہ بولتا ہے پھر خود بخود اس رب کے عطا کردہ خود کی طرف مہمپن چلا آتا ہے، مومن وہ جس نے اللہ کو صوبہ۔ یا سید محبوب رات کے اندر مجھوں میں ہماری دنیاوی ضروریات تو دن کی روشنی کی کھانچ ہیں لیکن اللہ کو پاتے ہیں جیسے تار سیاہی آئینہ رات کے جھیلنے پھروں میں۔ باجی نمازی امت مسلمہ پر فرض ہوئیں کیا ہم باجی نمازی میں غافل نہیں ہوتے تھے۔ آیت خود سے لڑی۔ میں غافل تھی میرے منہ تو نے مجھے ہدایت دے دی، میں تیری اس عبادت مند ہوں، مجھے بھی تیرے گروہوں میں شامل کر لے۔ اب عظمیٰ خان کو کہنا نہیں پڑا تھا کہ آیت اللہ سے اپنے لیے ہدایت مانگا کر دے۔ وہ اپنے رب سے اپنے لیے ہدایت مانگ رہی تھی۔" میرے رب مجھے ہدایت پانے والوں میں شمار کر لے۔ مجھے مومنین کے گروہ کا حصہ بنادے میں ہدایت پانے والوں میں ہو جاؤں۔" وہ اکثر باری تعالیٰ سے

اجتہاد کرتی تھی مجھے تجھ پر گزراؤ لوگوں کی فہرست میں شمار کر لے۔

اس دن پروفیسر تبور بریانی نے میڈم عظمیٰ کو بینک روم میں بلا لیا تھا اس وقت عظمیٰ خان ان کے سامنے براہِ جان تھیں۔ پروفیسر عظمیٰ خان آپ کے لیے گڈ نیڈو تھے۔ عظمیٰ خان نے سوالیہ لگا ہوں گے انہیں دیکھا۔ آپ کی بیٹی آیت خانہ کو اس کا سر لپٹ کر آفری ہے۔ وہ فدر سے حیران ہوئیں یہ بات تو ان کے لیے نئی ہوئیں تھی۔ آیت فرستائیں اسیر سے اس کا سر لپٹ لے رہی تھی۔ بریڈ فورڈ شازر یونیورسٹی میں آیت خان کا نام اوکے ہو گیا ہے۔ بریڈ فورڈ شازر یونیورسٹی..... عظمیٰ خان کو یقین نہیں آ رہا تھا "جی چار پنچل سے سلیکٹ ہوئے ہیں۔" وہ دل میں سوچ رہی تھی آیت نے مجھ سے ذکر نہیں کیا تھا۔ انہیں خاموش دیکھ کر وہ گویا ہوئے آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟ پروفیسر تبور مجھے بہت خوش ہوئی ہے پروفیسر عظمیٰ خان آپ کو مبارکبادوں کا آپ کی بیٹی بہت لائق ہے وہ انشا اللہ پاکستان کا نام روشن کرے گی۔ انشا اللہ۔

"ابھی دہشتہ ہیں وہاں ایڈمیشن ہونے میں۔ آپ پاسپورٹ وغیرہ، ڈوائس، ریزہ ٹکٹ وغیرہ انگلینڈ کی ایئر لائنیں ارج کرے گی۔ باقی ڈبیل ٹکٹ کے ڈیزینٹر ملک نے چاروں اسٹوڈنٹس کو دے دی ہیں، ہر تین تین میں سے ہیں گے۔"

"تھینکس پروفیسر تبور،" عظمیٰ خان زیادہ نہیں بول رہی تھیں وہ داخلہ دکھائی دے رہی تھیں۔ کیا وہ خوش تھیں وہ خوش جان پاری تھیں۔ ماں والی نگر انہیں لاتی تھی، اکیلی کیسے رہے گی غیروں کی سرزمین پر، جاتی تھیں ان کی بیٹی میں مگر پورا اعتماد ہے، یہ بھی سمجھ رہی تھیں اسٹوڈنٹ کی وجہ سے ہی اتنے بہترین پروفیشنل کو اس نے تشکیل کیا ہے۔ اکثر باتوں

باتوں میں وہ آیت سے کہا کرتی تھی "اماں میرے لیے دعا کریں مجھے اس کا سر لپٹ مل جائے باہر جانے کے لیے۔" وہ جواب دیتیں "جیسا پاکستان میں معیار تعلیم بھی بیسٹ ہے یہاں رہ کر تم ہی پوزیشن ہو فدر رہی ہوں۔" اماں باہر کی ڈگری کی دیکھنا زیادہ ہے، ان کا معیار ہم سے بہت بہتر ہے آپ میرے لیے دعا کریں گی ناں۔" وہ ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر بلاتی عظمیٰ خان مسکرا کر انہماک میں سر ہلائے اماں۔

کوتھے دم تھے، شاید وہ اپنی تھالی اپنے اکیلے پن کی بات تمام دوسوے دل میں لیے بیٹھی تھیں، اماں کی زندگی کے باقاعدہ ہونے کی وجہ صرف آیت کی گردن ان کی لائف تو ایک پھوٹ کا شکار ہو چکی ہوئی کیا تھی۔ آیت سے دو سال کی دوری برداشت کر لوں گی، وہاں سسٹروں بہت طویل ہوتے ہیں۔ آیت اس وقت اماں کے کالج سے لوٹنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے آج کڑھی چاول بنائے تھے

"السلام علیکم اماں۔" دروازہ کھولتے ہوئے اس نے پرتپاک انداز میں انہیں سلام کیا۔ "علیکم سلام۔" انہوں نے مسکرا کر آیت کی طرف دیکھا۔ وہ لاڈ لائی میں صوفے پر بیٹھ گئی تو آیت جلدی سے ان کے لیے پانی لے کر آئی۔ "بھیر میرے پاس۔" وہ ان کے پاس بیٹھ گئی۔ "آیت تم نے آتی ہوئی گڈ نیڈو مجھ سے چھائی۔" انہوں نے اس کا ہاتھ جوڑا "اماں میں آپ کو سر پر ہانڈ دینا چاہتی تھی آپ خوش ہیں ناں۔"

"جس کی اتنی لائق بیٹی ہو، اللہ بھلا کبھی خوش نہیں ہوگی۔" اماں محبت پاش لگا ہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ کچھ ٹکڑا بھی جوڑ تھے، ان کے چہرے پر "اماں کوئی پریشانی ہے؟"

"میں میری جان بھلا پریشانی کیوں ہوگی۔" آیت اس قدر خوش تھی مگر وہ اپنی منگر مری اس پر

ظاہر کیوں کرتیں۔ وہ خوش تھیں کہ ان کی محنت رنگ لائی ہے انہیں خوش حال لڑکی پر جس کو انہوں نے جنم نہیں دیا تھا لیکن وہ انہیں اولاد سے بڑھ کر پیاری تھی۔ "اماں میں نے کڑھی چاول بنائے ہیں؟ جہاں فریض ہو جائیں میں کھانا لگاتی ہوں۔" عظمیٰ خان کو بھوک نہیں تھی۔ آیت انگلیڈ جا رہی ہے یہ سن کر اب کیسے انہیں بھوک لگ سکتی تھی۔ وہ ڈسٹرپ نہیں لیکن آیت کے سامنے کپورڈ دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ آیت کے لیے ڈسٹرپ تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ اس کی پرکھن چاہی تھی کہ وہ ایک عورت کے علاوہ ایک ماں بھی تھیں۔ ہزاروں میل دور فیر کے دیس میں تنہا، وہ تو آج تک ایک رات بھی ان سے الگ نہیں رہی تھی۔ سوچتی اس آواز داخل ہوئی کہ آیت پر کچھ حسرت کرے گی۔ وہ اکیسا بندھن نہیں لیکن آیت پر ظاہر نہیں ہونے دے رہی تھیں۔ "ہاں میں سچج کے آتی ہوں۔" عظمیٰ خان باہر مسکرائیں۔ اس وقت بھی ان کے لہجے میں گداز تھا لیکن آج اس گداز پن میں غرور مندی کی جھلک بھی شامل تھی۔ فی الفور تو انہیں اس کی خوشی تسلیم کر لی، آیت جس قدر خوش نظر آ رہی تھی اس کا خواب تھا اپنی زندگی کو نہایت اہم نگاہ سے کامیاب بنانا باپ بھائی کا تحفظ نہ ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے بیروں پر کھڑا ہو سکے، یہ بھی تھی۔ وہ دن بہت قریب تھا جب آیت خان ایک کامیاب شخصیت کے طور پر ان کے سامنے آنے والی تھی۔ خوشدلی کے جہاں اب اس کی زندگی سے خارج ہو چکے تھے۔ جس دن سے اس نے اللہ تعالیٰ سے کچھ کچھ سے کرنے چھوڑے تھے اس کی ذہنت کھل ہوئی تھی۔ بچپن میں اس نے اسپائیڈر مین کے کارٹون بہت دیکھے تھے، دیوالی تو وہ سنڈر بلا کے کارٹون کی بھی جی جس میں سنڈر بلا کی سوتیلی ماں اس پر بہت ظلم کرتی تھی مگر اس کی زندگی میں ایک

شہزادہ آیا جس نے سنڈر بلا کی تمام تکلیف دور کر دی تھیں لیکن آیت کی زندگی میں عظمیٰ خان ایسا شہزادہ نہیں تھا اسے تو کس پر بھی خطرہ نہ تھا۔ اگلی تعلیم حاصل کرنا ہے اس کی نیلی آنکھوں کی پتلیوں میں ہر بل امیدوں کے جگنو روشن رہتے جنہیں ہر صورت اس نے روشن ہی رکھنا تھا اگر وہ اپنی سوچوں کو کبھی جامد نہ پہنچا کی تو وہ ایک دم سے خود کو محذور دکھاتا کہ وہ اسیا بے ثبات کوئی رہا اپنے نزدیک نہیں آنے دینا چاہتی تھی وہ دن میں انکسٹ بارخور کو پریشانڈ کرائی۔ اس روز لاؤنج میں بیٹھے ہوئے عظمیٰ خان آیت سے کہہ رہی تھیں اپنے ابا کو بتا دو کہ تم نے ٹاپ کیا ہے۔ اماں انہیں اچھی تک پتہ نہیں چلا، چاک۔ نیف پر سب کچھ آ جاتا ہے۔ یقیناً وہ جان چکے ہوں گے۔ انہیں بھٹکون کرنا چاہیے تھا اگر انہیں میری پروا نہیں ہے تو مجھے بھی اب ان کی پروا نہیں ہے آیت کو بتائیں بات نہیں تم انہیں فون کرلو۔ "نہیں اماں۔"

"اچھا میں انہیں فون کر کے بتا دوں گی۔" اس دن شام کو خود ہی اویس خان کا فون آ گیا تھا آیت کے سیل نمبر۔

"آیت کسی ہو میری جان۔" ان کی آواز کی پور پر میں عظمیٰ خوش چمک رہی تھی۔

"الحمد بہت اچھی ہوں۔" جب سے آیت نے اللہ پاک کو اپنے بچہ زور دیکھ محسوس کیا تھا تب سے اس کا غصہ ختم ہو گیا تھا کیونکہ غصہ جانتی نہیں ہے مگر اس نے تو اللہ کا حکم ہر صورت مانا تھا۔

"ابا ہم دوشہرا م کیسے ہیں، ان کی اکی کا کیا حال ہے؟" اویس خان شاکر رو گئے۔ آئی ڈونٹ بلو اٹ وہ آہستہ سے بڑبڑاتے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے۔ آج ان کی بیٹی نے ان کے ساتھ حضور بن کا

اظہار نہیں کیا اپنی ہزاری تاپند یہ کی نہیں جتائی۔
”تمہارے بھائی نے فیثرت تمہارے بارے میں
جانتا ہے۔ میں بہت خوش ہوں چنانچہ میری خوشی کا
اندازہ نہیں کر سکتی۔“

”میں اندازہ ہے آپ کی آواز آپ کی خوشی
محسوس کر رہی تھی۔ وہ دھن سے تاحات بھرے لہجے
میں گویا ہوئی تھی۔“

”اب آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“
”اسکارلشپ پر انگلیڈن جا رہی ہوں بریڈ فورڈ
شارٹز پیئریٹی میں۔“

”گڈ میری بیٹی نے میرا نام روشن کر دیا۔“ وہ
ملاں سے مسکرائی دل تو چاہا کہ دوسرے آپ کا بیٹا آپ
کا نام روشن کرے گا مجھے تو پورا ایش کے وقت سے ہی
منہوں کے لقب سے تو ازاد کیا تھا اسے قرآن پاک
کی ایک سورۃ یاد آئی اللہ مبر کرنے والوں اور مبر
کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اور اس کا ایش
اجماصلہ ہے گا۔ وہ باپ سے بدلہ بھی نہیں کرنا چاہتی
تھی اوئیں خان کا دل چاہ رہا تھا پھر جس کسی بات
نے نہیں یوں بدل دیا وہ بد نہ سمجھ سکے کہ دلوں کو
بدلے والا اللہ ہے جب وہ کہہتا ہے تو سب نامکین
ممکن ہو جاتا ہے۔ آیت وہاں تمہارے ذاتی
اخراجات بھی تو ہوں گے۔“

”جی ہوں گے پیئریٹی صرف تعلیمی اخراجات
اٹھائے گی۔“

”اچھا“ وہ کچھ سوچنے لگے تھے ”ابا آپ فکر نہ
کریں میں خود انشاء اللہ کچھ نہ کچھ کر لوں گی۔ بھلا
میں نے کیا کرنا ہے؟“ کرنے والی ذات تو عوامی شانہ
کی ہے اس نے اچھی سے گال بھجایا۔ اس کے ہر سنبھلے
میں بلیٹن وجر دیر تھا۔

”چنگ آیت تم دروست کہہ رہی ہو میں تمہارا
ذاتی خرچہ اٹھاؤں گا تم لکریں کرو۔“

”ابا جب سے مجھے اللہ ملا ہے میں نے فکر کرنی
چھوڑ دی ہے۔ آپ تکلیف نہ کریں میں خود کچھ نہ
کچھ کر لوں گی میں اور اماں اپنا بوجھ اٹھائے ہیں۔“
”کتنی پاکستان میں اچلی رہے گی؟“

”اماں میرے ساتھ جائیں گی۔“
”اچھا لیکن وہ کیسے جاسکتی ہے؟“
”جیسے سب لوگ باہر جاتے ہیں۔“ وہ مختصراً

جواب دے کر بات میں اوئیں خان کو لا جواب
کر رہی تھی۔

”اچھا ٹھیک ہے۔“ وہ پرسوج آواز میں بولے۔
”اماں کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم ہے کہ وہ
با آسانی جاسکتی ہیں۔“
”اب مجھے ملی رہے گی اگر تم اکیلا جاتیں تو
مجھے بہت فکر دیتی۔“

”اماں تو تیس سال سے ایسے ہی رہ رہی
ہوں۔“ آیت کی اس بات پر وہ خرمندہ ہو گئے
تھے۔ آیت نے تلے حلوں میں بات کر رہی تھی۔
باپ بھائی والے رشتے ہمیشہ بزدلی زندگی سے
کھید رہے۔ لیکن میری ماں سے جس نے اپنی
سانسوں کی گری سے مجھے پروان چڑھائی جب تک
میری اس کے چہرے میرے لیے دعا کے لیے اٹھے
رہیں گے مجھے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“

”چنانچہ تمہیں کبھی نہ ہو۔ تمہارا زیادہ آگیا؟“
”آئے نہ والا ہے۔ اماں کے ویزے کے لیے

بھی پرطانیہ میں ریگنیٹ دی ہے ان کے تمام
ڈاکومنٹس کے ساتھ امید ہے جلد وہاں کی حکومت
اماں کا زیادہ جاری کر دے گی آج زندگی میں پہلی بار
آیت نے اوئیں خان سے اتنی پھسل بات کی تھی
ابھی تک آیت نے اماں سے بات نہیں کی تھی کہ
آپ کو میرے ساتھ چلا ہے اس کا ارادہ تھا آج
رات اماں سے ضرورت بات کرے گی انہیں مٹا اس

کے لیے مشکل لگ رہا تھا مگر نامکین نہیں۔ اپنے ہی
سوال کا اس نے خود جواب دیا تھا باپ سے بات
کر کے آیت کو اچھا لگا تھا۔ ہمیشہ وہ اسے ہماری
ماؤنٹ بھجواتے رہے تھے اسے بھی سمجھ کرتے ہوں
گے آخروہ ان کی اولاد تھی ان کی محبوب بیوی کی
نشانی۔ بعض اوقات مصلحتوں کے رنگ زندگی کے
کیوں پر مجبور یا خود فرسی میں جھکا ہونے کے لیے
جھانے پڑتے تھے شاید ابا کی بھی مجبوریاں ہوں گی۔

ایک بار اسی اس کے ذہن نے اسے یاد کرنا ہو کر زور
کرنے والوں کا بڑا اجر و ثواب ہے اللہ کی بارگاہ
میں۔ لیکن ہے ابا کی بیوی مجھے اپنے ساتھ رکھنے پر
آراہ نہ ہوئی تھی تو ابانے مجھے اپنے ساتھ
امریکہ لے جانے کی بات بھی نہیں کی۔ ابایشیا میری
طرف سے مطمئن ہوں گے کہ اماں کی ماں سے بڑھ
کر مجھ سے محبت کرتی ہیں۔ پہلے وہ صرف اپنے
پارے میں سوچا کرتی تھی خود کو حق بجانب تصور کرتی
تھی دوسروں کی زندگیوں میں کیا مصلحتاں ہیں اس
نے مجھے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اب وہ ابا کے پاس
میں بھی سونے لگی تھی۔ رات کو عشا کی نماز اور پھر
کھانے سے فارغ ہو کر وہ اور اماں اپنے کمرے کے
سانے بے لایں میں داک کر رہی تھیں۔ اس نے
فون آف کر رکھا تھا۔ رکی چند باتوں کے بعد وہ اصل
مدد کی طرف آئی تھی۔ ”اماں۔“ ”ہوں۔“

”میں سوچتی ہوں کہ وہاں میں آپ کے بغیر
کیسے رہ سکوں گی؟“
”بھئی بات تو بڑے چاند سالوں کی تو بات ہے۔“
”عقلمندی خان کا دل نہیں مان رہا تھا کہ آیت
انگنڈن خانے کی کا خیال تھا کہ اسے ملک میں رہ کر
بھی تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے لیکن آیت کی خوشی
دیکھتے ہوئے وہ خاموش تھیں تمام دوسرے دل سے
نکل کر اسے اللہ کے ہر دکر دیا تھا۔ چنانچہ تم حائی

میں معصوف ہو جاؤ گی تو پھر تمہیں فرمت ہی نہیں
ملے گی میرے لیے او اس ہونے کی۔“
”اماں میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔“
وہ ٹھٹھک کر کہتے ہوئے بولی تھی۔

”ہاں میں جانتی ہوں۔“ اب وہ اپنے دائیں
بازو پر بائیں ہاتھ کی میلی سرسراہٹ تھی وہ اس وقت
قد سے گنہگار اور اس دکھائی دے رہی تھی اس کی
نئی آنکھوں میں دھندلے کس بھگورے لے رہے
تھے اور اس کی ناک میں ڈاسٹ کی نمی سی نوچن
دک رہی تھی جو اس کے دہیز سرائے کو چار چاند لگا
رہی تھی۔ اماں نے رکتے ہوئے شکر اس کی
طرف دیکھا۔ ”ہر روز انہیں بک پر ہاتھیں کھریں
گے۔ میں جیسے فون بھی کیا کروں گی۔“
”فون تو آپ بھی بھاری کریں گی اب میں تو
آپ کے لیے او اس رہوں گی ناں اماں ایک مل ہے
میرے پاس۔“

”اچھا۔“ وہ دونوں ایک ننگی بیٹھ چکی تھیں۔
ان سے قدرے فاصلے پر ہوٹل کی چند لڑکیاں بھی
واک کرتی خوش گیموں میں مصروف تھیں۔
”آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔“ آیت نے
چپے دھما کر دیا۔
”وٹا۔“ انہوں نے اپنا پورا رخ آیت کی
طرف موڑ لیا تھا۔

”آیت۔“ اماں نے آواز کو سمجھ کر اسے پکارا
تھا اس نے اماں کی جانب مسکرا کر دیکھا۔ ”تم سٹوڈنٹ
ویزے پر پڑھنے جا رہی ہو میں کیسے تمہارے ساتھ
جاسکتی ہوں؟“
”کھلی نہیں جاسکتیں آپ پہلے میری بات تو
سنیں۔“ ”عقلمندی خان کی توجہ اس کی جانب تھی۔
”آپ اپنے خرچے پر جائیں گی۔“
”آیت فضول بات نہیں کرو۔“

”اے اگر آپ بکٹ وغیرہ انور نہیں کر سکتیں تو میرے اکاونٹ میں غامی رقم ہے۔“

”جیتا تو پڑھا لی کے لیے جاری ہو میں وہاں کیا کروں گی؟“

”آپ وہاں جا کر رہیں۔“

”اور یہاں بڑھتی بیچ جاب ہے میری؟“

”یہاں سے لی اگال ایک سال کی چھٹی لے لیں۔“

”جی ہاں! اتنا سامان نہیں ہے جتنا بچھ رہی ہو۔ تم ابھی بچی ہو۔“ اماں بندہ بہت کر کے تو کچھ مانگن نہیں ہے یہ وہو اللہ پاک کرتا ہے۔ وہ بغور اماں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے عظمیٰ خان کا کاندھا نری سے دبائ رہی تھی۔ ”آیت مجھے مزید امتحان و انجوس میں مت ڈالو۔“

ان کے دھچکے سب سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ یہاں سے جانے والی نہیں ہیں۔ ”اماں اللہ پاک سب اچھا کرے گا اور کوئی پرانہ نہیں ہوگی بس آپ کو میرے ساتھ جا ہوا گا۔ اب وہ ہمدی کی بیٹی کی طرح ان کا کاندھا جلا رہی تھی۔ کیمباؤ اس کی ٹیلی آکھوں میں ادا سیاں اٹھنے لگی تھیں۔ ”یہاں میری جاب ہے پورا سیٹ اپ ہے۔“ آپ ایک سال کی چھٹی پڑو جاسکتی ہیں۔“ آیت میں یہاں آرام سے ہوں خوش ہوں۔ ”مکین ہیں اس سے زیادہ کہ مجھے طلب نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے پھر میں بھی نہیں جاؤں گی۔ ابھی تک تو میں آپ کی اگلی کپڑا چلتی ہوں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔“

”جیائے خدہ نہیں کرو اللہ پاک تمہیں کا سیاب کرے۔“

”کبہ یا تو بس کہہ دیا۔“ آیت رو ہوا نہ ہوگی۔

”آؤ دندہ رہی تھی اس سے پہلے کہ آنسو اس کی

آنکھوں سے ٹوٹ کر گالوں پر پھیل آتے اس نے چہرہ دوسری طرف کر لیا اماں کم روشی میں بھی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو چکی تھیں۔

”وہ آج اماں کی خاطر روئی تھی جبکہ اماں نے بھی اسے روئے کا موقع نہیں دیا تھا اس وقت صرف ان کی وجہ سے ان کی بیٹی روئی تھی۔ آخر وہ کیسے یہاں سے جاسکتی تھیں جی جگہ سے لوگ الگ ٹکڑے۔“

”اماں سو رہی آپ کی اجازت کے بغیر میں نے آپ کے دیر سے کے لیے برطانیہ کی کسی اسلام آباد ایلائی کیا تھا ٹھیک ہے میں انہیں منع کر دوں گی۔“

”آیت“ عظمیٰ خان اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھیں ان کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے یہ اس قدر شدت پسند لڑکی ہے۔ وہ ہول اٹھیں اچلی جگہ سے مل نہ پائیں۔

ایک اسلام آباد پر تیر رہی میں آپ کی جاب اور بیج جانے کی سرچ کرنے کے دوران وہاں کی دو لڑکیوں سے میری میل میبک شپ چلتی ہے۔ آیت کی تمام تر چیز اماں کی طرف تھی وہ بغور اس کی باتیں سن رہی تھیں اماں کے ہاتھ میں بھی شیش کے ایک شیکے پر بدستوران کی اگلی بھی ہوئی تھی۔

”ایک لڑکی ایلائی ہے دوسری ترکی سے ہے وہاں مسلمہ کبوتری نے آخر کار اسلام کے نام سے ایک پر تیر رہی قائم کی ہے آپ کی سی دی میں نے انہیں ایسی میل کر دی ہے وہ بہت خوش ہیں بقول ان کے پورے رپا بستوں میں ایسے ی لوگوں کی آمد کی ضرورت ہے۔“

”جیڑ میری ماں۔ آیت کی آواز میں بے حد درد اور افسانہ میں تھیں۔ اس کی ٹیلی آنکھیں گلابی ڈوروں سے بھر رہی تھیں۔ بیٹھے ہوئے ہونٹوں پر مہلہ کے احکام باندھ رکھے تھے تب بھی ان پر لڑش غلامی تھی۔ آیت نے اماں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ اماں میں بچ کہہ رہی ہوں اگر آپ

میرے ساتھ نہیں چلیں گی تو میں بھی اپنا پروگرام کنسل کر دوں گی۔ عظمیٰ خان اپنی ٹیکہ پر سناٹ کر رہ گئیں وہ آیت کی ضد سے بخوبی واقف تھیں۔ آیت میں نے خود کو تمام عمر میں لڑکی جادو میں لینے رکھا اب تم اصرار کر رہی ہو کہ میں انگریزوں کے ملک میں تنہا رہے ساتھ چلوں، بیٹا میں نے اپنی تعلیم حاصل کی ہے لیکن اپنی روایات ان کی ولید کو بھی فراموش نہیں کر سکتی۔“ اماں کون کہتا ہے آپ انہیں ہمیں

آپ وہاں بھی ایسی طرح پر دے میں رہ سکتی ہیں۔ وہاں بھی مسلم قوانین عطا جاتے ہیں جاب لیتی ہیں۔ آیت یہ آیت اٹھا آسان نہیں ہے۔ جتنا کچھ دی ہو تم پہلی جاؤ، مجھے نہیں رہنے دو، یہاں میرا بیٹا

سیٹ اپ ہے۔“ میں وہاں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی اب مجھے جاب بھی کرنی ہے۔“

”پہلے پڑھا لی تو مکمل کر لو، عظمیٰ خان نے کافی دیر سے اس کے جڑے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے۔ اب وہ اس کے ہاتھ آہستہ آہستہ رہی تھیں اماں میں آپ کو یقین دلاتی ہوں وہاں آپ کو کسی قسم کی پرال نہیں نہیں کرنی پڑے گی جب آپ میرے پاس ہوں گی تو مجھے ملے گا۔“

وہ بے تحاشہ ذالی خرچے کے لیے بڑا ہوا نہ بھگواتے رہیں گے ٹھیک ہے ماں اماں آپ چلیں گی ماں میرے ساتھ اپنی بیٹی کے ساتھ۔ واقعی اماں میں آپ کے بغیر کچھ نہیں کر سکتی۔ آپ

میری دھار س میری امید پر ایتھین ہیں جب آپ میرے ساتھ ہوں گی تو میرا اعتماد بحال رہے گا۔“ اس نے ان کے ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیے تھے عظمیٰ خان نے اثبات میں آنکھوں کو نبھائی دی آیت کے سامنے اس کی کچھ نہیں چلتی تھی وہ بے بس ہو جاتا

اس کے سامنے نہیں صرف اتنا معلوم تھا کہ اگر وہ آیت سے تو وہ ہیں۔ ”میری ابھی اماں!“ اس نے

ان کے گلے گلے ہوئے زور سے اُنہیں بھیجتا تھا اور اب وہ مسلسل ان کے گالوں کے با آواز دے لیے جاری تھی ”بس کرو لڑکی کوئی دیکھے گا تو کیا سوچے گا۔“

”میں کہے گا کہ اپنی ماں کو چوم رہی ہے عبت و عقیدت سے۔“ جب بھی آیت انہیں اماں کے بھانے ہاں کہتی ان کے دل میں کہیں دور تک ٹھنڈ پڑ جاتی۔ ”ہم کل ہی جاتیں گے آپ کا پاسپورٹ بنوانے۔ آپ اپنی تیار ایسی سے شروع کر دیں اور ہاں ان بد نہیں رو کہ تانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”کوکو، عظمیٰ خان نہ سمجھے ہوئے گویا وہیں آپ کے کپڑے مساحان کی یا جوج جارج کو کم کر۔“

”ہری ہات آیت“ اماں مسکرائیں ”اماں میں جو بات کہوں اے اسے مان لیا کریں آپ نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔“ میں نے ابا کو بتا دیا ہے آپ بھی میرے ساتھ جا میں گی۔ یہ سن کر وہ مطمئن معلوم ہو رہے تھے۔ اماں خاموش تھیں شاید اپنی اگلی کو پیچھے دھکیل رہی تھیں ”اماں مسکرائیں“ آیت ان کے مزید قریب کھسک آئی ”اچھا اب جہاز ہوتو وہ ہو چکی ہے عظمیٰ خان اٹھتے ہوئے بولیں تو وہ بھی اٹھ گئی۔ آیت بہت خوش تھی اس نے اماں کو منایا تھا دوند اندر سے نکلی ہوئی تھی اگر اماں نہ مائیں اماں میں خدہ نہیں تھیں وہ جاتی تھیں کہ اماں ضرور مان جائیں گی اب آیت کا دل چاہا کہ وہاں زور زور سے تھپتھپے لگائے ساری دنیا کو بتائے دیکھو میں اپنی ماں کو اپنے ساتھ لے کر انگلینڈ جاری ہوں۔ وہ رات کو بہت گھبرائی اور پر سکون نہ سوئی تھی۔ آج ایک کافر سٹ درنگ ڈھے تھا۔ عظمیٰ خان تو کانچ چلی گئیں آیت نو پیچھے کھٹک تھی وہ غامی فریض دکھائی دے رہی تھی ناشدہ کرنے کے بعد وہ لپٹا پ کھل کر بیٹھ گئی

49

دوسرے

اسے ترکی کی رقبہ کل ادر ایران کی صوفی الاسد سے بات کرنی تھی۔ عظمیٰ خان کی وی ان تک پہنچ گئی تھی۔ وہ خوش ہو رہی تھیں۔ رقبہ کہہ رہی تھی مذہبی اسکا کہہ رہی تھی۔ ”ہاں۔“ آیت مسکرائی تھی۔ وہ کہہ رہی تھیں آیت سے یہ ہماری خوش نصیبی ہوگی اگر عظمیٰ خان افراسلام یونیورسٹی میں اسے علم کی روشنی پھیلا دیں گی۔ آیت نے ان سے رہائش کی بات پر چھٹا ”نور عالم یہاں پر سیکرٹری بنے، ہاشمی ابراہیم بھی ہیں یہ شمار ابراہیم ملت نظر ہیں۔“ رقبہ میں رہا، ہاشمی ایک جگہ رکھنا چاہتی ہوں جہاں سے اس کی ادھیری یونیورسٹی نزدیک ہوں۔“ تم آتو جاؤ کہ رقبہ کو انتظام بھی ہو جائے گا مناسب ریسنٹ پر رہائش مل جاتی ہے، وہ تاریخی تھیں آج کل یہاں کا نمبر بچ کر قدرے گرم ہے، اگر تمہیں ایک مہینہ بعد آنا ہے تو فحیرک دیکھو کے کپڑے ساتھ لا، وینٹریزن کے لیے تمہیں یہیں ایکٹل ڈرمس دستاویز سکتے ہیں، یہاں طلال ٹوڈز با آسانی مل جاتا ہے، بریل ٹوڈز میں مسلم گریڈیٹ خاصیت تعداد میں سے یہاں پر کئی اسلامی سینٹر ہیں جن میں مسلم ممالک کے دینی اسکالرز آتے رہتے ہیں۔ یہاں ستاری برطانوی امت مسلمہ کے خلاف بھی ہیں، بس یہ سوچنا اچھے برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ آیت کو بریل ٹوڈز کے بارے میں کافی معلومات مل چکی تھیں۔ زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ عظمیٰ خان اس کے ساتھ ہیں ہم کی لیکن عظمیٰ خان دل سے خوش نہیں تھیں۔ آیت کی ضد کے سامنے انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔ وہ اپنے ملک میں رہنا چاہتی تھیں۔ انہوں نے بھی مگر وہی خواہشات ایجاب نہیں کی تھیں۔ عظمیٰ خان شیشے جیسے سراپے کی میدے اور گلابوں میں کندہ رکت دانی خانوں میں۔ انہوں نے ہمیشہ اللہ کی رضا کو اپنی رضا بنانے کی کوشش کی تھی۔ انہیں سیر و سیاحت کا

اتری تھی۔ روہیل خان اسے براہین لگتا خوش قسمت ہوگی وہ لڑکی جس کے اس کے ایکھاؤں میں وہ لکھا جا چکا ہے۔ اس سرگرمی سراپے والے روہیل خان ٹرسٹ قائم دیکھ کر وہ بھی دم بخود ہوئی تھی۔ ہاشمی لڑکی اس کی گلابی پتیلیوں پر اتری تھی۔ روہیل خان کی حنا پتیلی سنہری آنکھوں کے کمر بھرے نگوں نے اسے جکڑ لیا تھا، کتنے لمبے وہ اس کمر کے ریلوں میں بیٹھی رہی تھی۔ لیکن وہ وجہ یہ تھی اس کے لمبی بات میں نہیں تھا، اگر وہ اس کی قسمت کی لکیروں میں ہوتا تو وہ بلا جھجک اس کے حق میں فیصلہ دے دیتی۔ جیسا وہ کون بھی فیصلہ کرنے والی، فیصلے تو انہوں کی دستوں میں براہین رب کا نکتہ بنے کرنے ہوتے ہیں اس کے اللہ کا محفوظ تو وہ کبھی روہیل خان سے انکار ہی نہ ہوتی جب اس کے رب کا حکم نہیں تھا تو انکار خود اس کی زبان پر آیا تھا۔ ”پلیز آیت کچھ تو بولیں مجھے جواب دیں۔“

”روہیل خان میں اسٹڈی کے لیے انگلینڈ جا رہی ہوں وہاں جاسے مجھے کتنے سال گئیں وقت کا پتہ نہیں چلا وہاں پل بھر میں اپنی پریشانیوں سے بھر جاتا ہے۔ آپ سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتی جو پورا نہ ہو سکے اور توں جاسے آپ کی قابلیت پر کسی شک نہیں ہے لیکن کچھ فیصلے ہمارے اختیار میں نہیں ہوتے۔“

”تو تمس کے اختیار میں ہوتے ہیں؟“ روہیل خان کی امیدیں دم توڑنے لگیں۔ ”اللہ کے اختیار میں۔“ وہ بولی ”آیت اگر اللہ ہم دونوں کا کلاپ چاہے تو؟“ روہیل خان کے لیے کے روم روم سے رنجیدگی لپک رہی تھی۔ آیت شدید اذیت ناک درد سے تھکائی ”روہیل صاحب تب مجھے اچھا لگتا ہے اپنی خوش قسمتی مجھوں کی۔“

”تو پھر آپ مان کیوں نہیں جاتیں۔ آپ یہ پروپوزل ایکسپت کر لیں جب آپ کی اسٹڈی مکمل

ہو جائے گی تب ہم دونوں اس مقدس رشتے میں بندھ جا سکیں گے، مجھے بھی ابھی ایک کیریر بنانا ہے۔“

”میں کل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتی۔ روہیل صاحب اگر آپ کو اپنے جذبوں پر اتنا ہی یقین ہے تو اللہ پر چھوڑ دیں۔“

”ہاں آیت میں اللہ کی ذات سے اپنی قسطیں نہیں ہوں۔“

”اگر آپ مایوس نہیں ہیں تو پھر کمر کس بات کی؟“ وہ پر اعتماد لہجے میں بولی ”پلیز آیت آپ جانے سے پہلے میرے حق میں فیصلہ دیں۔“

”روہیل صاحب خدا کی ذات پر ہر دوسرے رکھنے والے بندوں میں مثال ہونے کی کوشش کریں۔“

اس کے ایسے جواب پر روہیل خان افسردہ تھا۔ آنکھوں کی چھین میں اٹھانہ ہوتا تھا۔ جھانک ہو کر چلنے لگتا تھا۔ ”یہ کسی کا انتشار بھرا دیا اسے بہانے لے جا رہا تھا۔ اس لڑکی کے قاتلانہ جملوں پر اس کے اندر شام غریبان کے مظاہر آنے لگے تھے۔ روہیل خان خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ کسی کی پرانا نہ کرنے والے روہیل خان کا دل اس شدت سے اس لڑکی پر آیا کیسے۔ اس چھمڑی آیت خان کا سراپا بار بار اس کے اندر لٹک رہا تھا۔ لیکن آیت کے دماغ میں اپنی بڑھائی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اس کا ذوق تھا اپنے گریز کو براہ راست بنانا۔ عظمیٰ خان نے ہمیشہ اسے سراپا خان کی بات سے بدھائی تھی۔ اسٹرگل کے بنا زندگی کا سبب نہیں بنائی جاسکتی۔ عظمیٰ خان کی باتیں اس نے ایسے ذہن میں محفوظ کر لیں کہ اب مزید پڑھنے کے علاوہ اسے کچھ سوچنا نہیں تھا۔ اب اس نے خود کو غیر محفوظ محسوس نہیں کیا تھا کیونکہ اسے خود پر پھر پر اعتماد تھا۔ آیت کا رویہ آچکا تھا اب کٹ کنفرم ہوتا تھا۔ عظمیٰ خان کا دوزخ ویزہ اب بھی نہیں آیا تھا۔ آیت فکر

مندرجہ ذیل اس نے (بھئی) سے رابطہ کیا جواب آیا
عقرب بن ابی کا ویزہ آ جائے گا۔ اس دوران اویس
خان مسئلہ ان کے رابطے میں رہے۔ انہوں نے
بتایا تھا آیت تم پر یہ فوراً چھیننے ہی اپنا اکانٹ
کھلا دینا۔ میں فوراً تمہارے اکانٹ میں المانٹ
ٹرانسفر کروں گا پھر ضرورت پڑنے پر کسی بھی اسے
ٹی ایم سے تم کو نکلا سکتی ہو۔

☆ ☆

”جیکس اب!“

بریل فورڈ شہر کے نام پر اس پر نیورٹی کا نام بریل
فورڈ شارٹر نیورٹی شام کے نام سے وہاں جانے والے
چاروں نیچے آخر شاہ، اقرب، جیلانی، سنا ملک اور
آیت خان کی ۱۲ اگست کو لندن جانے والی فلائٹ
لی آئی اسے میں سیٹ کنفرم ہو چکی تھی۔ ابھی ان کے
جانے میں ایک ہفتہ تھا۔ آیت کی تمام تاری مکمل
ہو چکی تھی۔ ان کے ویزہ کے لیے دو مگر مندرجہ
تمام ڈاکومنٹس کلیئر ہو چکے تھے۔ وہ حد درجہ خوش
کلیبت میں تھے۔ وہ سوچیں کہیں ان اپنا ارادہ نہ
بدل دیں۔ وہ سوچ رہی تھی وہاں ان کے بغیر کیسے
رہوں گی خوشی کے اس موقع پر اس کا دل بھجا ہوا تھا۔
”علم الطبع ما اسے تسلیم نہیں۔ وہ اس سے بہتر
آیت تم کیوں گرفتار ہوئی ہو میں نے اس سے وعدہ
کر لیا ہے تو میں ضرور تمہارے پاس آؤں گی۔“ وہ
ان کے ساتھ بیٹھتی ہوئی کسی عظمیٰ خان اس کے کتلی
بال سہلا رہی تھیں۔ عظمیٰ خان کی باتیں سنتے ہوئے
وہ بلاوجہ آنکھیں کھلی کر رہی۔ چاری کی ناک
بھی آگے سے دیکھ رہی تھی۔ نیلا آنکھوں میں سفید
آنسوؤں کا جل جل تھا۔ وہ عظمیٰ خان کو بار
کرا رہی تھی۔ ”ماں جلیز آ جا نا۔“ اچانک
ملتی نہ لیجے ہو گیا تھا اس کا۔ انہوں نے آیت کے
چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا لیا تھا ایک اچھی

نگاہ اس پر ڈالے دو مسکرائیں۔ عظمیٰ خان جب بھی
مسکرائیں مزیخ خوبصورت دکھائی دیے۔ نکلیں۔ اپاں
کی ایسی مسکراہٹ پر وہ جی جان سے ندرتھی۔ عظمیٰ
خان کا ہر برس آیت کے دل پر نقش تھا۔ اس دن
اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب انگلینڈ (بھئی) نے
اسلام آباد سے اسے اطلاع دی ویزہ دو کے ہونے
کی۔ آیت کے جانے میں دو دن باقی رہ گئے تھے۔
”جی ماں اب آپ ایک سال کی بھٹی کی درخواست
دیں اور تیار کی کریں۔“

”ہوں آیت تم وہاں پانچ سو پندرہ دنوں تک
میں بھی آ جاؤں گی تب تک تم رہائش کا انتظام بھی
کر لو گی۔“
”جی ماں میں آپ سے رابطے میں رہوں
گی۔“ آیت کو خوشی اس بات کی تھی کہ وہاں پر بھی وہ
اپنی پیاری ماں کے ساتھ رہے گی۔ ”آیت آج
شام پیش کھانی کے ہاں چائیں کے لئے۔“
”جی اچھا ماں۔“ عظمیٰ خان سوچ رہی تھیں
اصولاً تو انہیں آنا چاہیے تھا۔ عظمیٰ خان نے انہیں فون
کر کے بتایا بھی کہ میں اور آیت انگلینڈ جا رہے ہیں
تھی وہاں سے کوئی نہیں آیا تھا۔ کرنز کے پار کی
باری فون آئی تھی۔ ”شہلا آئی کہہ رہی تھیں۔“ آیت
تم بہت لگی ہو مبارک ہو!“ شکر یہ شہلا آئی۔“ اب
آیت نے دل میں کدورتیں رکھی تھیں چودہویں میں جس
نے جو کیا اس کا مکمل۔ میں جو کر دوں گی وہ میرا مکمل
ہوگا دوسروں کی خاطر میں کیوں اپنے کھاتے میں
بیاں ڈالوں۔ اگر میں کسی کو اچھا نہیں کہہ سکتی تو برا
کہنے کا بھی مجھے کوئی حق نہیں ہے شہلا نے فوراً ہنسنے
بلا۔ ”اب بھی وہاں تو تم خوب انجوائے کر رہی ہو جگہ
ہی ایسی ہے دنیاوی فحشیت تو وہیں پر آ جاؤ ہیں۔“ شہلا
اپنی بار خود ہی طنز سے انداز میں زور سے ہنسی تھی۔
وہاں پر خوب مہمان پرست سیر کرنا عیش ہی عیش

بھی نہیں تھا رہے تو۔“

”شہلا آئی میں وہاں انجوائے کرنے نہیں جا رہی
چڑھنے جا رہی ہوں میرا ہارافوس اسٹری پر ہوگا۔“
”آیت تم بھی ٹھیک کہہ رہی ہو دیکھ ایڈیو تو
دوستوں کے ساتھ تفریح کے لیے جا سکتی ہو ماں، سنا
ہے وہاں ڈسکو کلب، بار، کینے ٹیشن کے طور پر
انجوائے کیے جاتے ہیں۔“

”شہلا آئی اسٹوڈ آپ نے یہ سب باتیں
کرنے کے لیے مجھے فون کیا ہے بہتر تھا اگر آپ یہ
نوازش مجھ پر نہ کرتیں۔ اچھا اللہ حافظ مجھے ابھی
اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔“
جی خان نے اسلام آباد انٹیر پورٹ پر کسٹم
میں تعینات اپنے ایک اسٹوڈنٹ کو بینک ڈرافٹ
بجھوا دیا تھا کہ میری سیٹ کنفرم کر دو۔ آیت اب
آ کر تھکے ہوئی تھی کہ ماں اب کوئی بھانہ
نہیں بنا سکیں گی۔ عظمیٰ خان کا بھانہ چاہتی تھیں
لیکن اپنی بیٹی کو رونا یا اس بھی نہیں دیکھ سکتی تھیں، یہ
بھی وہ جانتی تھیں کہ وہ آیت کے بغیر زیادہ دن نہیں
رہ سکیں گی۔ وہ تو ان کی زندگی تھی وہ آیت سے بہت
محبت کرتی تھیں۔ وہ خود پر خود ہی حیران ہوتیں
میرے دل کے دوسروں میں اس کے لیے ایسی بے
پایاں قیادت میرے سب سے آئی۔ اس کے غرض بے ہوش
فتیشیں تو اللہ ہی اپنے بندوں کے دلوں میں ڈالتا
ہے۔

آج صبح سات بجے ان جا رہا تھا کہ جس کے ساتھ
پروفیسر نیا الدین تھے۔ مکمل کی کیریئر پر اسلام
آباد کے لیے روانہ ہوا تھا۔ شام چھ بجے ان کی لندن
کی فلائٹ تھی۔ مکمل ٹینٹ میں قول برف
انتقال کیے گئے تھے۔ ان بچوں کی ذمہ داری مکمل
انتظام ہی کی تھی۔ آگے بھر بریل فورڈ شارٹر نیورٹی
کی ذمہ داری تھی۔ فیرلک اسٹوڈنٹس صرف تعلیمی

انتظامیہ۔ وہاں کے ریکٹر فلائٹ کا از حد ضروری تھا
ورنہ مکمل کے ساتھ کیا گیا بریل فورڈ شارٹر نیورٹی کا
معاہدہ کر دیا ہوا تھا۔ جس میں فوری طور پر یہاں
سے نکال دیے جانے کے جائز سو فیصد تھے جانے
سے پہلے مکمل پر نیورٹی میں ان طلباء کے چارٹیشن
ہوئے تھے جن میں ایک ایک پوائنٹ پر اسٹیشن ہوئی
تھی۔ آپ سب کو یہ بات ذہن نشین کر کے وہاں
رہنا ہے آ کر کھائی ہے جیسے گڑھا، اور آپ ایک
ایٹک کی دیوار پر چل دیے ہیں۔ تو ان آپ نے
اپنی سوچ سے خود پر قرار رکھا ہے چھوٹی سے چھوٹی
جہول کی ایک پٹری، آپ نے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے
وہاں کی یونین، آپکشی یا غیر نصابی سرگرمیوں کا حصہ
ہرگز نہیں بنیں گے۔ ہیمنز میں اگر حصہ لینا چاہیں تو
لے سکتے ہیں وہاں پوری دنیا کے اسٹوڈنٹس آتے
ہیں۔ بعض امریکا کے طلباء بہت شے والے ہوتے
ہیں، خاص طور پر افغانستان، اٹلیا، براہ، آسٹریلیا،
اٹریڈیشیا اور جنوبی افریقہ کے لوگ بہت پیسے ہوتے
ہیں۔ خصوصی طور پر ایسے اسٹوڈنٹس سے آپ کو کچھ کر
رہا ہوگا۔ ہر وقت داغ حاضر رکھیں کہ آپ یہاں
پڑھنے آئے ہیں جب تک آپ لوگ اپنی رہائش کا
انتظام نہیں کر لیتے آپ کو ساتھ ساتھ رہنا ہے۔
”سر ہم پر اذیال رکھیں۔“

”آپ کو لندن انٹیر پورٹ پر لینڈ کرنا ہوگا وہاں
سے میٹرو سٹریٹ پر ایکس میں بریل فورڈ جانا ہوگا ٹرین
آپ کو ڈھکڑھانے میں پہنچا دے گی وہاں پر نیورٹی
کے نزدیک ہوئی میں رہائش رکھیں گے۔ دوسری میں
آپ کو دفتر پیش لینا آپ لوگ سیدھے لندن جائیں
گے۔ ٹی آئی اے کی انٹرنیشنل رواز سے۔ یہاں
سے اسلام آباد پہنچنے میں آپ کو ٹرین جاسات گئے
گیں گے۔ رخصت ہوتے ہوئے وہاں بار عظمیٰ
خان کے محلے رہی تھی۔“ آیت انشا اللہ اگلے

لیے ہیں ناں۔“

”ہاں، ابھی ہم خامے ذے سے وار ہیں۔“ نساء
عموماً سر پر دوپٹہ نہیں لیتی تھی لیکن یہاں آخر خود بخود
اس نے سر پر دوپٹہ لے لیا تھا۔ انہیں اپنے ملک کا
نام و تقدس یہاں بڑھا تھا تاکہ کسی کو موقع نہ ملے
پاکستانی اسٹوڈنٹس پر تنقید کرنے کا۔ آخر وہ اسلامی
جمہوریہ پاکستان سے تعلق رکھتے تھے۔ آیت نے
اس وقت سفید چوڑی دار باجامہ، سفید اور آتش
پھولوں والی کوز شرت پہنی ہوئی تھی۔ بیچنگ دوپٹہ
ویدہ زیب انداز میں سر پر لپیٹ رکھا تھا۔ نیلی
آنکھوں پر ابھی ہوئی ناک اس کے بیضی چہرے پر
بہت بختی تھی۔ طویل ہایٹ پر کوٹ شوز اس کے
سراپے میں مزید روش بخش رہے تھے۔ واکس پر پہل
سے دن کے بارہ بجے میٹنگ تھی وہ وقت مقررہ پریسچ
گئے تھے اور پورے بارہ بجے انہیں آفس میں بلوا
”لایا گیا تھا۔ وہ چاروں حیران تھے یہاں کے ڈپلن
پر۔ چونکہ وہ چاروں پاکستانی اسٹوڈنٹس تھے اور محل
یونیورسٹی سے باقاعدہ طور پر پریذ فورڈ شائر یونیورسٹی
کا معاہدہ طے پایا تھا سو انہیں کہیں بھی پراٹلم نہیں
ہوئی تھی۔ وہاں کی کلیرنس کے بعد انہیں دو جگہ اور
بھیجا گیا۔ اقرب جیلانی اور احمر شاہ کا بار ایٹ لائیں
ایڈیشن ہوا تھا ان دونوں کا ایک ہی ڈیپارٹمنٹ تھا
جبکہ نساء ملک اور آیت خان کے الگ الگ
ڈیپارٹمنٹ تھے۔ بار ایٹ لائیں انہوں نے اسٹپ
بالی اسٹپ ڈگریاں لینی تھیں۔ کل سے انہوں نے
کلاسز انیڈ کرنی تھیں۔ ادھر ادھر گھومنے اور چٹھیں
سلاش کرنے میں انہیں کافی وقت لگا تھا۔ انہیں ہمت
دھوٹے سے ہر مشکل دیکھن سر ملے سے گزرنا تھا۔
ان کے حوصلے بلند تھے۔
اس سلسلہ وار ناول کی پانچویں قسط آئندہ ماہ
ملاحظہ فرمائیں۔

سینٹر میں موبائل شاپ تھی جہاں سے اقرب اور احمر
نے کمپس خرید لی تھیں ایکٹیویشن وغیرہ کپیوٹر انڈی
دل میں ان دونوں نے یہاں کے کسٹم کو سراہا۔
پاکستان میں کوئی بھی کم ایکٹیوٹ کرانے میں خاصا
نام لگ جاتا ہے۔ اپنا پاسپورٹ اور آئی ڈی کارڈ
اور یہاں کی انٹری کی سلیپ دکھانے پر چاروں
موبائل چارج ہو گئے تھے۔ یہاں کی سروس کا پہلا
امپریشن ان پر اچھا پڑا تھا۔ نساء اور آیت کو موبائل
دینے کے بعد ان سے ناشتے کے لیے پوچھا تھا ان
دونوں نے ناشتے کے لیے منع کر دیا تھا۔ وہ چند گھنٹے
سوچا جاتی تھیں پھر انہیں انٹری پاس لینے یونیورسٹی
جانا تھا۔ رہائش بھی تلاش کرنی تھی۔ اقرب جیلانی کا
فون نساء کے نمبر پر آیا تھا ”تیار ہو کر نیچے آؤ ایک گھنٹہ
نیک ہمیں یونیورسٹی پہنچانا ہے۔ اپنے تمام ڈاکومنٹس
بھی ساتھ رکھ لیتا۔“

”او کے ہم تیار ہو کر آتے ہیں۔“ اس نے
قریب سنوئی ہوئی آیت کو اٹھایا اور خود اداش روم چلی
گئی۔ بیس منٹ میں وہ تیار ہو کر نیچے آ چکی تھیں۔
لابی میں وہ دونوں ان کے منتظر تھے۔ اس وقت
سائڈ سے نوجے تھے ناشتہ کرتے ہیں اور پھر یونیورسٹی
کے لیے نکلتے ہیں۔ وہ چاروں ایک بڑے سے ہال
میں داخل ہوئے وہ ایک جمبل کے گرد بیٹھ گئے۔ ”کیا
لوگ تم دونوں؟“ تھوڑا سا دقت ساتھ رہنے سے
احمر شاہ اور اقرب جیلانی ان سے فری ہو گئے تھے۔
”ہری اپ زیادہ نام نہیں ہے ہمارے پاس۔“ ویٹر
کو قریب آتے دیکھ کر بولا ”چائے کے ساتھ اسٹیک
منگو الو لیکن ہاں وینجیل یا بنر والے ہوں۔“ کچھ
سوچتے آیت نے براہ منہ بتایا ناک سکوزی۔ ویٹر ان
چاروں کی زبان نہ سمجھتے ہوئے پٹر پٹر دیکھ رہا تھا ویٹر
آرڈر لے کر جا چکا تھا یہاں سے یونیورسٹی پانچ منٹ
کے فاصلے پر تھی۔ ”تم سب نے اپنے ڈاکومنٹس رکھ

تنہائی کا زہر

آخری قسط

ایک ایسی مضبوط لڑکی کی داستان جو زندگی سے لڑ کر جیتنا چاہتی تھی۔

انجمنوں کو سکیموں میں تبدیل کرتی خوش رنگ تحریر

ایک ایسی مضبوط لڑکی کی داستان جو زندگی سے لڑ کر جیتنا چاہتی تھی۔

میں سوچ رہی ہوں کہ صفائی کے لیے الگ ماسی رکھلوں گا تاکہ جب دونوں میں سے کوئی ایک چھٹی کر لے تو دوسری سے کام کر دیا جائے۔“

یہ لوگ ایسے ہی کرتی ہیں پیسے ختم بھی دوگر کام بھی اپنی مرضی سے کرتا ہے اور اتوار کی چھٹی کے علاوہ بیٹے میں پانچ چھ فالتو چھٹیاں ان کا جائز حق بننا ہے شاید اس قدر کام چور اور خود غرض ہوتی ہیں یہ عورتیں، جانتی ہیں تاکہ ان کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا ہمارا اس لیے بلیک میل کرتی ہیں دنیا بھر کی اموات اور شادیاں ان کے گھروں میں ہوتی ہیں ویسے ہر وقت اپنی غریبی کے رونے روٹی دیتی ہیں مگر شادیوں میں یہ دھوم اڑھ کر کرتی ہیں ظاہر ہے ہر ایک سے تو جوئے سے جیسے سنا سنا کر بھی ہو رہی ہیں۔ مجبوری ہے ان کے فخر سے برداشت کرنے پڑتے ہیں اب

مجھے لگ رہا تھا کہ گئی ہے کپڑوں کا کیا ہے گا پورے بیٹے کے کندے کپڑے وہ بیگ میں بھر لائی ہے۔“ فیروزہ جلیل نے پریشانی سے کہا

”ایسا کرتی ہوں میں شہرہ کی دوست زرا کے گھر میں فون کر کے پتہ کرتی ہوں کہ ان کی ماسی اگر کل بھی آجائے تو اسے کچھ دیر کے لیے ہماری طرف بھیج دیں تاکہ ہم کپڑے دھو لیں اور صفائی وغیرہ کرالیں۔ چھٹی کا دن ہے کوئی سہان آئی جاتا ہے عروہ کے سرسرا لے والے بھی آج کل شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں اکثر ہی چکر لگاتے رہتے ہیں تجھے نہ کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا ”بھینو تجھ میں تنہا رہے لیے جائے بناؤں میں نے بھی نہیں لی ابھی دونوں بیٹیں لی کر لی گئی ہیں نور تو جانے کب جاتے۔“ فیروزہ جلیل نے بھی کھڑے ہوتے ہوئے

کہا، "میں شکر یہاں نہیں لے جائے ہوں گی کہ وہ ہے شکر کی وجہ سے تیری تو ذال نہیں تھی اور تھکی جا کے مر رہی نہیں آتا۔" مجھ نے سیرھیوں کا رخ کرتے ہوئے کہا

"اچھا پھر وہ اور ضرور کچھ دیکھ دے لیے میں نور کو بیدار کر رہی ہوں کچھ دیر بہنوں کے ساتھ کپ شپ لگنے کی تو فریض ہو جائے گی میں سوچ رہی ہوں آج ہم لوگ راستہ کا کھانا باہری کھا لیں کافی دن بھر گئے ہیں باہر نکلے ہوئے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟" فیروزہ ہلن کے تجربے پر چھوٹا ہوا اس نے سیرھیوں اترتے ہوئے پلٹ کر جواب دیا "جیسا آپ مناسب سمجھیں عروہ اور امروہ! میں تو ان سے اور دور سے مشورہ کر لیں یہاں یہ لڑکیاں جانے کو کہیں چلے جائیں گے اصل خوشی تو ان بچوں کی ہے کہ ہم بڑیوں کا کیا ہے۔" تجربہ کے لیے میں دیا بھر کی بابت ملکی ہوئی تھی۔

مجھ کے جانے کے بعد فیروزہ ہلن کمرے میں آئیں تو نور بیدار ہو کر اپنے پیپروں کے سامنے بیٹھی اور تیز تیز کچھ لکھ کر رہی تھی۔ "اٹھو میری بیٹی کیا ہو رہا ہے؟" فیروزہ جلیں نے پیار سے پوچھا

"کچھ خاص نہیں دوسرے میں نے فیس بک پر کچھ نئے فریڈز ایڈ کیے ہیں ان سے چٹ چٹ رہی تھی" نور نے قدرے گفتگو کیجے میں کہا "مگر اچھی بات ہے کچھ وقت دوسری سرگرمیوں کو بھی دینا چاہیے ہر وقت بڑھاتی کو ذہن پر سوار کرنے سے انسان ٹھہرا جاتا ہے۔ وہ عروہ اور امروہ آ رہی ہیں اور ان کے ساتھ کپ شپ لگاؤ پھر رات کے کھانے کے لیے ہر گز مٹاؤ کہ کہاں جانا ہے اور کیا کھانا ہے میں تم لوگوں کے جانے اور اسٹیکس وغیرہ بنا دوں۔"

"نہیں نہیں آپ تھک جائیں گی ہم لوگ خود چائے بنا لیں گے" نور نے کیپوٹر آف کرتے ہوئے کہا

"اوہو..... میں نے کیا تھکانا ہے۔ سارا دن تو فارغ رہتی ہوں کوئی مسئلہ نہیں ہے میرے لیے تم لوگ باہر تیس میں بیٹھو بڑا اچھا موسم ہو رہا ہے ہلکے ہلکے باد چھاتے ہوئے ہیں اور بڑی خوشگوار فضا ہے سامنے مڑھ کی پہاڑیاں صحت کی سرفی میں بڑی اچھی لگ رہی ہیں۔" فیروزہ ہلن نے منظر کی اس پھر چٹکی کی جانب چلی گئیں اور نور اپنا علیہ دست کرنے کے لیے کچھ دھڑکیاں بجا رہی تھی۔

سکندر علی جب نیویارک ایئر پورٹ پر اترتا تو اس کی اس قدر سخت جارحانہ ٹی ٹی جیسے رد و لڑنے سینئر کو تباہ کرنے والے دہشت گرد اس نے اپنے لباس میں چھپا کر کے ہوں یا پھر وہ خودی ان کا سامی ہو سکتی تھیں اگلے سیدھے اس قدر سوالات کیے گئے کہ وہ تو نہ ہو گیا مثلاً یہاں کیوں آئے ہو؟ "جی میں ایک ڈاکٹر ہوں اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئے ہوں۔" "تعلیم حاصل کر کے؟"

"کیا مطلب؟" "مطلب یہ کہ تمہیں اسپرکون کر کے گا؟" "میں نے کہا تھا کہ یہاں میرے والد برسوں سے مقیم ہیں وہ یہاں ایک کامیاب بزنس میں ہیں اور انہوں نے میرے تمام اخراجات پورے کرنے کی ضمانت دی ہے گاؤں کی فیر میرے پیچھے کے ساتھ منسلک ہے۔" اس سائبرنگ میں اس نے مائعات کی فاکس کو کھول کر گاؤں کی حقیقت نکالا اس کا بنور مطالعہ کیا اور مطمئن ہو کر بولا

"یہاں مستقل رہائش کا ارادہ تو نہیں؟" "کیا خیال تو نہیں؟"

"شادی تو نہیں کرو گے یہاں کی کسی سٹیشن سے؟" "مگر تو یہاں میں پوچھا گیا ہوں..... سوچا نہیں! اگلی۔"

"مطلب یہ کہ مستقبل میں ایسا کرنے کا ارادہ ہے؟"

نور ای اگلا سوال دیا گیا۔ "یہ میں نے کب کہا؟" "اگر ایک مین ڈن ہو بیٹ آف لک۔" ہلا کر وہ عروہ کے اسٹیشن اسٹریٹ اپنے کرفت چہرے پر ہلکی سی پیشہ ورانہ سکرابت زور ڈی

جھا کر لے کر کونڈرے نرم بناتے ہوئے کہا "اور سکندر علی دی ہی میں اللہ کا شکر ادا کروں کہ جس طرح وہ اس سے سوال جواب کر رہے تھے اور جس طرح اس کی صحت کی ٹی ٹی اسے اندیشہ دور ہوا تھا کہ شاید اسے ڈی پورٹ ہی نہ کر دیا جائے۔"

سکندر علی نے پورٹ کی عمارت سے باہر نکلا تو اس کے والد، موہنی والدہ، شبنم اور اس کے سوتیلے بہن بھائی اس کے منتظر تھے سب نے اس کا نہایت پر تپاک استقبال کیا۔

"نہر کس ہاں کی سن؟" والد نے پوچھا "مسز تو ہے حد اچھا رہا مگر یہاں کی چیکنگ نے تھکا کر رکھ دیا۔"

"ہاں 9/11 کے بعد سے انہوں نے ہر آنے والے کی چیکنگ بہت سخت کر دی ہے۔" "یہ امریکا بھی عجیب قوم ہے خود نام نہاد پر پار ہوئے کے زخم میں ساری دنیا کی ٹھیکیدار بنے پھرتے ہیں جس ملک میں چاہے اپنی فوجیں بھیج دی زوروں تلے کیے جاتے ہیں ہر اہم ملک کے گروان میں اپنے سب بجز کی بیڑ سے تعینات کر رکھے ہیں مگر

اپنے ملک میں آنے والوں کے ساتھ اس قدر برا برتاؤ کرتے ہیں کہتا ہوں کہ اگر کسی شخص میں ذرا بھی Self respect ہو تو وہ بھی یہاں کا رخ نہ کرے پھر تو یہاں صرف اپنی تعلیم کے لیے آتا پڑا ہے ورنہ میں کسی یہاں نہ آتا" سکندر علی نے رخ کیجے میں کہا۔

"اوکے۔ اوکے۔ ڈونٹ وری پینا" جب تم کچھ عرصہ یہاں رہو گے تو یہاں کے قانون قاعدے کیجے جاوے گی یہاں کی سہولتوں سے آشنا ہو جاؤ گے تو پھر یہ ملک کہیں جس سے کم نہیں لگے گا کیجے دیکھو یہاں کی ہاتھ یہاں آتا تھا اور آج ایک خوشحال کاروباری ہوں یہاں انسان کو اس کی محنت کا صلہ ملتا ہے اسی لیے تو دنیا کا ہر شخص یہاں آنے کے لیے ترستا ہے ایسے ہی تو اسے لینڈ آف پر چوٹی نہیں کہا جاتا۔"

سکندر گاؤں کی کھڑکی سے ٹریک کے اڑوہام کو دیکھتے ہوئے والد کی باتوں کو سہ دلی سے سن رہا تھا۔ اسے اپنے ملک، اپنی والدہ اور بھائی بہنوں کی یاد ستا رہی تھی۔ جنہیں وہ اپنے بہتر مستقبل کی خاطر ادا سبوں کے خالے کر آ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ کھڑکی سے گھر کیا تھا ایک خوبصورت ساحل تھا۔ اگرچہ وہ پورے پورے کے نواح میں تھا مگر یہ حد سبز علاقہ تھا۔ گھر کے ارد گرد وسیع سبزہ زار تھا۔ سکندر کی گھر کو دیکھ کر بید خوش ہوا اور اس ساری کوفت دور ہو گئی۔ شبنم نے ایک ادا ویز عروہ کے بگڑے ہوئے ملازم کو ہدایت کی کہ وہ سکندر کا سامان اس کے کمرے میں پہنچا دے۔

"سکندر بیٹا آپ بھی فریض ہو جاؤ، پھر سب مل کر کھانا کھا لیں گے۔" شبنم نے پیار بھرے لہجے میں سکندر سے کہا۔ "اوکے۔ ماما، جیکب یو۔" سکندر نے مودب

لیجے میں کہا اور ملازم کے پیچھے پیچھے بیڑیوں کی جانب بڑھا گیا۔ اس کا کہنا کہ وہ چند خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ "شاب اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ کال جن پش کر پیچھے گا میں حاضر ہوجاؤں گا۔" بیڑی ملازم نے بگڑے اور وہیں سکندر سے کہا "تو میں کس طرح لے جاؤں گا؟" "سکندر نے کہا۔ "یہ نادانیں طرف ذریعہ روم اور ماہیچہ ہاتھ ہے ناول اور سو پ وغیرہ ہاتھ ہی میں ہیں۔" ملازم سکندر کا سامان ذریعہ روم میں الماری کے قریب رکھتے ہوئے کہا سکندر نے اپنا پیکیجیں کھول کر ہلکا ہلکا طور پر دیکھا اور چہل نکالے اور پھر ہاتھ روم میں دھس گیا۔

جب وہ ہمارا اور لباس تبدیل کے اور بال وغیرہ دیکھ کر کے نیچے لیوگ روم میں آیا تو سامنے ہی واقعہ ڈانٹنگ ہال سے اشتباہ انگیز کھانوں کی ہنک آ رہی تھی سکندر نے گہری سانس لے کر اس خوشبو کو اپنے اندھا تار تو ہموک اور دھکی چکی تھی۔

"جلدی آؤ سکندر بیٹا تمہاری ماما اور دونوں بہنوں کے ہاتھوں کے ہوئے انتہائی حیران کھانے تمہارے انتظار میں ہیں۔" ارشدیال نے سکندر کو دیکھ کر کہا۔ اور سکندر سسکراتا ہوا بیڑی ڈانٹنگ ٹیبل کے ساتھ بڑی کرسی پر بیٹھ گیا اس کے سوتیلے بہن بھائی کا ٹیبل پر اور خدیجہ علی اور بھائی علی اور اختتام علی باقر تیب پندرہ تیرہ بارہ اور آٹھ سال کے تھے جبکہ ختم کے پستلے شوہر سے دو پیچے رشیدہ اور منیب الرحمن تھے رشیدہ کی شادی اس کی خالہ کے بیٹے عظیم سے ہو چکی تھی جبکہ منیب الرحمن دانشمن میں یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا اور وہ وہاں ہال میں رہتا تھا۔ بھی چھٹیوں میں آ جاتا تھا۔

اپنے حقیقی والد سے ملنے بگڑے میں چلا جاتا۔ ٹیبل پر پاکستانی اور بیگنی کھانے بیٹے ہوئے تھے تلی ہوئی چکنی، چھوٹا پلاؤ، گوشتے، شامی کباب، چکن قورمہ، منٹن کرمانی چھوٹے چھوٹے برائے۔ سمجھ بڑا، کسٹرو بیگنی رس گلے، سلا اور اور رائیجہ کی قسم کی چٹنیاں اور دونوں قسم کے پاکستانی اور بیگنی فروٹ۔ "اف ماما آپ نے اتنا کچھ کیسے تیار کیا؟" سکندر نے میز پر سجے انواع انقسام کے کھانوں کا بھر پور جائزہ دیکھ کر بولے کہا "کچھ اچھی تو میں نے تمہارے لیے برائی بھی بنائی تھی کیونکہ تمہارے پاپا نے بتایا تھا کہ تمہیں برائی بہت پسند ہے مگر پھر سوچا کہ پھر بھی کسی۔ اب تو تم نے نہیں رہنا ہے نا، جنہم نے جھجکا پلاؤ کی ڈش سکندر کو طرف بڑھا تے ہوئے کہا۔

"جھجک ہو..... ماما پلیز آپ بھی بیٹھ جائے جلیسا ہوگا میں خود ہی لے لوں گا۔" سکندر نے جنہم سے کہا تو وہ اس کے سامنے دانی کرسی پر بیٹھ گئی۔ بڑے خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا۔ سکندر کھانے کھاتے ہوئے ہر ڈش کی اور کھول کر تعریف کر رہا تھا۔ "ساکھیں ہی اپنے بھائیوں سے ان کی تعلیم اور دیگر سرگرمیوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ چاروں اپنے ڈاکٹر بھائی کے آنے پر عید خوش تھے اور وہ بڑی گرمجوشی سے اس کے ہر سوال کا جواب دے رہے تھے۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ دو لوگ اتنے عرصے بعد آپس میں مل رہے ہیں۔

کھانے کے بعد سب آکر لیوگ روم میں صوفوں پر بیٹھ گئے اور بی بی دیکھتے ہوئے اصرار اور کی باتیں کرنے لگے کاٹشہ اور خدیجہ چھوٹی چھوٹی بازو کی پیالیوں میں قہودے آئیں۔ ساتھ مختلف قسم کے ذرائی فروٹ بھی تھے۔ سکندر حیران تھا کہ امریکہ میں رہتے ہوئے بھی دونوں بہنوں میں انتہا

کی سادگی اور معمولیت تھی۔ سائولی سلونی رنگ کی ہانک سراپے والی یہ لڑکیاں لگتا تھا کہ اچھی اچھی لڑکیوں اور مہرنگیوں کی سرز میں بگڑے ہیں (جو کبھی پاکستان کا بازو تھا) سے آتی ہوں امریکی معاشرے اور تہذیب کا ان پر روز بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ مشرقی تہذیب میں رنگی یہ بیماری بیماری لڑکیاں اتنی ہی عمر میں گھر والی میں بھی ماہر ہو چکی تھیں اور یہ سب جنہم کی اچھی تعلیم و تربیت کا اثر تھا جس نے امریکہ کے بارہ پڑاؤ اور معاشرے میں رہتے ہوئے بھی اپنے بچوں کی تربیت اسلامی اور مشرقی روایات کے مطابق کی تھی۔

☆.....☆

زارہ کی محنت بے حد کر رہی تھی۔ مسلسل دھوکوں، بغلوں اور ذہنی خنشار نے اسے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا حالانکہ ابھی اس کی عمر صرف 54 سال تھی مگر وہ اپنی عمر سے دس سال بڑی لگتی تھی۔ بلڈ پریشر، شوگر اور دماغی مرض کی وجہ سے وہ لیسان کا شکار بھی ہو چکی تھی۔ کلاں میں میجر دیتے ہوئے وہ بھول جاتی تھی کسی کس نا پک کو ڈکس کر رہی ہے اپنے ہاتھ سے نوٹس اسے سمجھاتی تھی۔

پھر اس نے کتاب کھول کر اسٹوڈنٹ کو سمجھانا شروع کر دیا اس پر اسٹوڈنٹ نے پہل سے شکایت کرتے کہ "میں میجر ڈیوڈ کرنے کے بجائے بک ریڈنگ کرتی ہوں اور اسکیلین نہیں کرتیں اور ڈکس جیسا سبیکٹ نہیں سمجھ میں نہیں آتا۔" ظاہر ہے زارہ یہ بیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھی سینئر پروفیسر بھی پڑھیں اسے کچھ ڈاکٹر دیکھ دے میں تو نہیں کھینک میں البتہ سینگ میں ان ڈاکٹر کیلکی کہیں کہ کچھ میجر ڈکس میں بک ریڈنگ کرتی ہیں اور اسٹوڈنٹس کہلیٹ کرتی ہیں کہ انہیں کچھ سمجھ نہیں آتا اب زارہ یہ میٹنگ کے وقت بھی اپنے ہی سوچوں کے سامنے بانے رہتی تھی وہ

یہ سمجھ ہی نہیں سکتی تھی کہ اصل میں اس پر چوٹ کی جارہی ہے۔ شوگر کی وجہ سے اس کی ناگوں اور سارے جسم میں ہر وقت شدید جھک میں نہیں رہتی تھیں اس کے دو پریڈر ہوتے تھے اور دونوں کلاسز اوپر کی منزل پر تھیں بیماری بڑی مشکل سے رینک کو بکڑ کر رک رک کر سڑھیاں اچھتی تھیں۔ اگر اسٹوڈنٹس پاس سے گزریں تو بھی وہ ڈاکٹر اظہار ہمدردی اس کا جب رچھڑا اور کتابیں پکڑ لیں اور سہارا دے کر اوپر جانے میں مدد دیتیں وہ اکثر سڑھیاں چھڑے اور اترنے کی مشقت کی وجہ سے تھک کر کڑھال ہوجاتی سانس پھول جاتی اور کلاس میں جا کر بے دہی ہو کر کرسی پر بیٹھ جاتی اور جب زارا احسان بحال ہوتے تو پھر حانا شروع کرتی۔ اس کی اینج گروپ کی باقی پروفیسرز نے اپنی کلاسز میں غلوپائی میں کسی کھٹکوں کے دردی شکایت تو کسی کو ہار پر اہلو چونکہ وہ لوگ اسٹاف روم میں بیٹھتی تھیں یا ٹیچنگ سیٹ کرنے والی سمجھتے تھے ان کی ملک ملک میں کبھی اس طرح سے اپنے مسئلے بتا کر ان کا تھیل ٹیبل اور کلاسز اپنی سہولت کے مطابق کر دیاں تھیں مگر چونکہ زارہ کی کسی میجر کے ساتھ کوئی خاص ریشہ نہیں تھا۔ پھر وہ زیادہ تر لیب ہی میں رہتی تھی پھر اسے ویسے بھی اپنے مسائل دوسروں کے ساتھ شیئر کرنے کی عادت نہیں تھی اس لیے مشکل کے باوجود اس نے پڑھنے سے بھی کھانہ ہی کی اور سے اس کی کلاسز چھڑے دیکھ جائیں خود ہی مشکل ہی سے اپنی اکام کام خاتمی سے کرتی رہتی۔

زارہ اب زندگی سے انتہائی مایوس ہو چکی تھی۔ گھر کے حالات بھی خاصے اخرتے داخلہ کے دو در رہے ہوئے تھے ایک لاکھ اور ایک لاکھ کی وہ زیادہ تر اوپر اپنے پورشن میں رہتی تھی۔ دیک ایڈ

پر بچوں کو لے کر بیٹے چلی جاتی زاد پر اور عرش سے سلام دعا کر بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔ نہ بچوں کو پھر پھو کے پاس آنے دیتی اور گھر شور و غوغا دینے کے لیے بھی آگس جاتے ہوئے یاد دہانی پر چند لمحوں کیلئے زاد پر کے پاس رک کر اس کا حال چال پوچھنے لگتا تو راحیلہ کو ذرا خیر ہو جاتی اور وہ کسی نہ کسی بچے کو بھیج کر کسی بہانے سے شہر دوکار پر بلا لیتی۔ شہر ذرا بچہ کچھ راحیلہ کے انا سیدھا کھانا کھانے پھرنے اور کچھ اپنے گھر رادی کے کنبیزوں میں اچھے کر کاٹی حد تک بدل گیا تھا۔ بچوں اور بیوی اور سرپال والوں کے علاوہ اسے کسی اور کی کوئی پرواہ نہ تھی کسی انی گاڑی پر آفس چلا جاتا اور وہاں سے اکثر رات ہی کو وہاں آتا جبکہ زاد پر کی گاڑی راحیلہ کے قبضے میں تھی وہ اس پر بچوں کو اسکوٹل چھوڑنے اور لانے جاتی۔ شام کو بچوں کو لے کر کسی پارک میں چلی جاتی یا پھر شاپنگ کے بہانے مارکیٹوں میں گھومتی رہتی۔ اور زاد پر کو کھانے کو بھی نہ پہنچتی جب کسی عرش اپنی والدہ کی طرف بچہ کن کے لیے رہے بلی جاتی تو زاد پر باہر گلی میں بیٹھے چوکیدار پائیلے کے کسی بچے کو اپنا کھانا بازار سے منگوا کر کیونکہ بلٹ پر بیٹھ اور شکر کی وجہ سے وہ بچن میں کمزری ہو کر کھانا نہیں کھا سکتی تھی۔ پھر جب ایک دن چوکیدار نے شہر دوکار کو بتایا کہ باجی اکثر بھسے کھانا بازار سے منگواتی ہیں تو شہر دوکار بے حد غصہ آیا اور اس نے راحیلہ کو کھانا کیا کہ وہ باجی کو کھانا بنا کر بیچ دے یا کرے دراصل عرش نے ایک اسکول میں پڑھانا شروع کر دیا تھا اور شام کو ایک ایڈمیٹس میں انکشاف کا درس کر رہی تھی انہ اسے انکشاف پاس کرنے کے بعد بھی وہاں تک کسی ایسے کاغذ میں ملازمت حاصل نہیں کر سکتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی انکشاف سیکولر اتھن اچھی نہیں تھی اور انٹرویو ایڈریسٹ میں وہ جاتی اس لیے اس نے

اپنی انکشاف اپمہ رد کرنے کی غرض سے ایڈمیٹس جوائن کر لی تھی وہ ماہانہ وغیرہ تو رات ہی کو تیار کر دیتی تھی مگر زاد پر روٹی تازہ کھاتی تھی پھر آج تک عرش کی بہن اقرا کی شادی قریب تھی اور شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں شہرین نے زاد پر سے کہا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے عرش کو اس کے پاس بھجوا دے زاد پر نے اجازت تو دے دی مگر اس کے لیے مسئلہ ہو گیا تھا ناشتہ کھانا اور پھر کپڑے وغیرہ پر بس کرنا کام والی بھی اکثر بچہ کرتی جاتی تھی کیونکہ زاد پر وہ دھاتی بیچے گھر آتی تھی جبکہ کام والی منج آ کر اوپر راحیلہ کا کام کر کے چلی جاتی تھی۔

دوسری طرف عرش کی ماہ شہرین کو بھی اس کی بے حد گھڑی۔ عرش سے بڑی دونوں بہنوں کی مشکلیاں اس نے اپنی دونوں بہنوں کے بیٹوں سے کر دی تھیں اور اقرا کی شادی تو ہونے جارہی تھی اقرا کے بعد اسے شہر کی شادی کرنا بھی شہرین جانتی تھی کہ عرش اور شہر کی شادی ایک ساتھ کر دے تاکہ کچھ اخراجات کے سلسلے میں بچت ہو سکے مگر عرش اب بھی کوئی مناسب رشتہ ہی نہیں آیا تھا اس لیے بھی وہ اکثر عرش کو اپنے ہاں بلا لیتی تاکہ ملنے بٹنے والوں سے اس کے لیے مناسب رشتہ ضرور ہو سکے مگر عرش کے جانے کے بعد زاد پر بالکل ہی تنہا رہ جاتی تھی اور اکثر جب کسی شہر دوکار سے رات کو گھر آتا تو وہ بھی اس سو جاتی تھی جس سے اس کی دوا کی کا بھی ناغہ ہو جاتا تھا اور اس کی بیماری بڑھ جاتی تھی وہ اکثر رات کو تنہا کرے میں بھی لی دی دیکھتی رہتی تھی کوئی کتاب پڑھتی اور جب تنہائی سے بھر جاتی تو ماسی کو یاد کرنے لگتی ماں باپ کی یاد دہانی اپنی چند روزہ شادی شدہ زندگی کو یاد کرتی تو اس کی ذہنی درد بہک جاتی اور وہ بڑبڑانے لگی خود سے باتیں کرنے کی عادت تو اسے ماں کے انتقال کے فوراً بعد چھٹی تھی

البتہ ایسا بھی ہوتا تھا جب وہ بالکل اکیلی ہوتی تھی دوسروں کی موجودگی میں اس کی توجہ بھی رہتی تھی اس لیے ذہنی انتشار اس قدر بڑھ جاتا تھا کہ وہ اگر درگزر سے بچا نہ ہو کر اپنے تصورات کی دنیا میں گھو کر خیالی اور تصوراتی پہلوں سے ہم کلام ہونے لگتی۔

ایک دن زاد پر کاغذ سے آئی تو کچھ دیر بعد عرش اور شہرین بھی آ گئیں وہ دراصل اقرا کے لیے شاپنگ کر کے آئی تھیں۔ اور زاد پر کو کھانا چاہتی تھیں عرش اور پر جا کر راحیلہ کو بھی بلا لائی راحیلہ ان کے لیے کھانا بھی ایک فرسے میں رکھ کر لے آئی دراصل وہ شہرین کو یہ جتنا جانتی تھی کہ وہ حقیقی بہن تھی ہو کر زاد پر کے پاس نہیں رہتی نہ ہی اس کا خیال رکھتی ہے جبکہ وہ مجھ بولے بہانے کی بیوی ہو کر کسی کی خدمت اور اور دیکھ بھال میں کوئی کسر اٹھانے نہیں دیتی۔ وہ اکثر شہر دوکار اور زاد پر کو بھی یہ طعنہ دیتی رہتی تھی راحیلہ اور عرش نے مل کر کھانا ڈال دیا تھا لیکن بہنیں پر لگایا۔ راحیلہ نے پرانی قورمہ اور فروٹ برائٹل پٹا پٹا تھا دراصل رات ہی کو شہرین نے اسے فون کر کے بتایا تھا کہ وہ کل بیچ شاپنگ کے بعد آئیں گی اس لیے راحیلہ نے کھانا وغیرہ تیار کر رکھا تھا۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے وہ ایسے ہی بیٹھ زاد پر کو کھانا وغیرہ بنا کر دیتی ہے۔

ابھی وہ لوگ کھانا نکال ہی رہے تھیں کہ باہر بتلی ہوئی۔ عرش نے گیت گھولا تو کچھ چدری اپنی یونی بیچے عدیلہ کے ساتھ کھڑی تھیں جبکہ شہر دوکار پارک کر رہا تھا۔ گاڑی ایک سائینز پر پارک کر کے وہ بھی آ گیا۔

السلام علیکم اچھا عہد آتی عدیلہ باجی۔ کسی ہیں آپ لوگ عرش نے کہا "وعلیکم السلام کیا حال ہے میری بیٹی کا؟" عہد چدری نے عرش کو گلے لگا کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا "عشر یہ آتی

میں ٹھیک ہوں۔" عرش نے مودب بیٹے میں کہا پھر عدیلہ نے بھی اسے گلے لگا کر چپا کر کیا "علیکم السلام بیٹی ہو جی" سلم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شوق سے لکھتے میں کہا پھر عرش نے ان لوگوں کو ذرا رنگ دم میں بٹھایا۔ اور اندر جا کر زاد پر کو اطلاع دی کچھ دیر بعد زاد پر اور شہرین ذرا رنگ دم میں آ گئیں اور راحیلہ اور عرش مہمانوں کے لیے چائے وغیرہ بننے لگیں۔

"کیا بات ہے؟" زاد پر میری بہن تم اس قدر کمزور کیوں ہو گئیں؟ خیریت ہے نا؟" عہد چدری نے زاد پر سے گلے ہٹتے ہوئے شوقیٹیک لکھتے میں استفادہ کیا۔ "ٹھیک ہے بس کچھ کمزور سے طبیعت خراب تھی۔ زاد پر نے کچھ اور عدیلہ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کمزور لکھتے میں عہد چدری سے کہا کہ پھر شہرین سے گھٹل کر عہد چدری اور عدیلہ سونے پر بیٹھ گئیں اور اوپر دھری باجی شہر دوکار ہو گئیں۔ جبکہ سلم خاموشی سے نرم آ میز انداز میں زاد پر کی گرتی ہوئی صحت کا جائزہ لیتا رہا۔ آج وہ پورے دو ماہ بعد اس کے گھر آ تھا۔ اس کی والدہ کے انتقال کے بعد وہ قورمہ کے لیے آیا تھا پھر آتا ہی نہ ہو سکا۔ البتہ بھی کھار فون پر زاد پر کی خبریت دریافت کر لیتا تھا ایک آدھ بار وہ زاری کے ہمارا کاغذ بھی مہیا تھا مگر زاد پر سے ملاقات نہ ہو سکی تھی جبکہ واسن دو سال کے لیے ایک بڑس کیوں کے ہو گیا۔ سلم نے امریکہ میں باوا تھا اس لیے سلم نے بھی سوچا تھا کہ وہ اس کی دوا بھی پر ہی اس کی شادی کے سلسلے میں زاد پر سے بات کرے گا اسے یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں عرش کا رشتہ نہیں اور طے نہ ہو جائے اس لیے وہ زاد پر سے فون پر رابطہ کرے ہوئے تھا۔ تاکہ اسے سن سکی رہے کہ کہیں عرش کا رشتہ تو لے نہیں کر دیا اس لیے ہر بار جب بھی وہ فون کرتا تھا زاد پر

سے عرش کے بارے میں بطور خاص پوچھا تھا۔
 کچھ دیر بعد عرش اور راحیلہ چائے اور دیگر
 لوازمات لڑائی میں سجا کر لے آئیں عرش نے
 نہایت سلیقے سے سب کو چائے اور لوازمات پیش کیے
 بڑے خوشگوار ماحول میں چائے پی گئی چائے کے بعد
 عرش نے برتن وغیرہ سینے میل کو صاف کیا اور برتن
 لے کر گئی ہیں چائے کی خوش عبادہ چودری نے کہا: ”سنو
 زادیہ آج ہم ایک خاص مقصد کے لیے بلکہ ایک
 درخواست کے لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔“
 ”میں کبھی نہیں؟“ زادیہ نے حیرت سے
 پوچھا
 ”اور اصل ہم عرش بنی کو اپنی بیٹی بنانا چاہتے
 ہیں۔“ اب کے تسلیم نہ کیا
 ”عرش آپ ہی کی بیٹی ہے“ زادیہ نے
 یونہی بے خیالی سے کہہ دیا
 ”اس ٹھیک ہے مگر بہا بہا، ہم اسے اضافہ
 طور پر اپنے گھر لے جا کر گھر کی رونق میں اضافہ کرنا
 چاہتے ہیں۔“ عبادہ چودری گویا ہوئیں اس پر
 شرمین اور راحیلہ اور زادیہ ایک لمبے کے لیے خاموشی
 رہ گئیں۔
 ”کیا بات ہے زادیہ آئی۔“ آپ سب
 خاموش کیوں ہو گئے۔ کیا آپ لوگوں کو اچھا نہیں لگا
 ہمارا بیاں آ اور عرش کا رشہ طلب کرنا۔“ عدیلہ نے
 صاف الفاظ میں مکمل کراہت اختیار کیا
 ”نہیں..... عدیلہ ایسی کوئی بات نہیں
 آپ..... لوگوں نے ہماری بچی کے لیے.....
 اس طرح کی خواہش کا اظہار کر کے ہماری عزت
 افزائی کی ہے مگر دیکھیے نا شادی بیاہ اور رشتوں
 طاہوں کا معاملہ بے حد نزاکت ہوتا ہے۔ اس میں کئی
 طرح کی سوچ تیار اور صلاح مشورہ کرنا پڑے گا پھر
 ہی کوئی مناسب فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔“ زادیہ نے

نہایت محنت سے جواب دیا۔

”پاکل، پاکل..... آپ لوگ جب تک
 چاہیں سوچ سمجھ لیں۔ اچھی طرح صلاح مشورہ
 کریں۔“ بنی کی مرضی بھی پوچھ لیں بنی کی جلدی
 نہیں ہے میرے بچے نے ایم پی اے کے بعد دو
 سال تک امریکہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے اور حال
 میں ہی وہ واپس آیا اور آج کل سارے کاروبار کو
 وہی دیکھ رہا ہے۔ نہایت سختی سلجھا ہوا اور شریف لڑکا
 ہے اس کی شرافت کا اس سے بڑا کیا جوت ہوگا کہ
 جیسا امریکہ گیا تھا وہی اسی واپس آ گیا ہے“ تسلیم نے
 مسکرا کر خوشگوار لہجے میں کہا۔

”دوسرا ٹھیک ہے مگر پھر بھی ہمیں اس مسئلہ
 میں کچھ مچھتا ہے۔“ بنی کا باپ بھی سر پر نہیں
 ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ نانا دیکھیں میں ہم سے
 کوئی ایسا وید فیصلہ نہ ہو جائے کہ کل کو بنی کی زندگی
 مشکل ہو جائے۔“ شرمین نے سنجیدگی سے بولے انداز میں
 کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، بہن۔“ بنی کا معاملہ
 ہے سوچ بچار تو کر لی پڑتی ہے۔ مگر یقین ہے کہ آپ
 لوگوں کا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ ہمارے بچے کے حق میں
 ہوگا۔“ عبادہ چودری نے مسکرا کر کہا
 ”جی جوست میں ہوا“ راحیلہ نے کہا۔

”اس طرح کی باتوں میں کچھ وقت گزار کر وہ
 لوگ چلے گئے تو وہ سب لاؤنچ میں آ گئیں جہاں
 عرش کھانا گرم کر کے دوبارہ منجیل پر لگا رہی تھی۔
 کچھ دیر تک خاموشی سے کھانا کھا رہا تھا پھر
 شرمین بولی ”پھر آپ کیا خیال ہے آپ کا اس رشتے
 کے مسئلے میں؟“

”میں کیا کہوں۔“ تہماں ہوتی بہتر فیصلہ کر سکتی
 ہو۔“ زادیہ نے آہستگی سے کہا
 ”ایسا نہیں آپا میں نے عرش کو ختم ضرور دیا

ہے مگر اصل بات تو آپ ہیں اس کی جس نے اسے
 پالا پوسا پڑھایا لکھایا..... یہ سب آپ کی ہی ہمت
 اور حوصلہ ہے ورنہ میری کہاں بساط تھی کہ میں اس
 لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلا سکتی۔ بلکہ اقراء اور محنتی کے
 تعلیمی اخراجات بھی آپ نے ہی پورے کیے بھی
 آج دونوں نہیں اپنے بیٹوں پر کھڑی ہیں۔ اور
 باعزت روزگار کماتی ہیں میری بہنوں نے
 اپنے بڑے چھٹے بھائی سرور روزگار بیٹوں کے ساتھ ملے
 کیے ہیں میری سیم۔ اور بے آسرا بیٹیوں کے رشتے ملے
 کیونکہ ان زمانہ نہتے نالٹے بھی مادہ پرستی کی بنیاد پر
 ہوتے ہیں شرمین نے گلوکیر لہجے میں کہا

اس پر کچھ دیر کے لیے کمرے میں محسوس نانا
 چھپا۔ پھر زادیہ بولی ”انہوں نے ہمیں سوچنے
 چھینے کا وقت دیا ہے ضرور آجائے اس سے بھی
 پوچھنا ہوگا کیونکہ اب تو وہی ہمارا سر پرست ہے اس
 کی مرضی کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔“ پھر سب
 سے اہم عرش کی مرضی ہے وہ پرمی بھی سمجھدار بچی
 ہے ہمارا زمانہ تو نہیں نا کہ ماں باپ نے جس کے
 بچے پالا دیا لڑکی چپ چاپ اس کے ساتھ
 رخصت ہوگئی خواہ ساری زندگی اس کی سولی پر ہی
 لگی رہے۔“

”ابو ایک بات تو آپ لوگ نظر انداز
 کر رہے ہیں مسلم صاحب وہی شخص ہیں جنہوں نے
 زادیہ آپ کی زندگی برباد کی۔“ راحیلہ نے کہا۔
 ”ہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کیا پتہ چنا
 بھی باپ جیسا ہی ہو۔“ شرمین نے بھی لاشعاری
 کی۔

”میں جو بھی فیصلہ کر رہا ہے سارے پہلوؤں کو
 مد نظر رکھ کر ہی کر رہا ہے۔“ زادیہ نے عرش کو لاؤنچ
 میں آتے دیکھ کر بات سمیٹی۔

خدا خدا کر کے نور اپنے قافلہ گیر کے امتحان

سے فارغ ہوئی تو فیروزہ جلیس نے سکون اور اطمینان
 کی گہری سانس لی اور بعد میں جلالا نہیں کہ وہ نور کو
 ڈاکٹر بنانے کے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئی تو
 گزشتہ تین سال سے جب سے سکندر امریکہ گیا تھا
 نور کی ذہنی حالت انتہائی دگرگوز رہی تھی۔

نور کے امتحان کے فوراً بعد ہی عروہی شادی
 کی تیاریاں شروع کر چکی تھیں اور نور بھی عروہ کے
 ساتھ مل کر عرش کی تیاریاں کر رہے تھے مگر اس نے
 بڑے اہتمام سے اپنے لیے سارے فکشن میں پہننے
 کے لیے بہترین سوٹ سلوائے تھے۔

چونکہ گھر میں بڑی بنی کی شادی تھی اور اتنے
 عرس بعد خوش کامیاب آجائے اس لیے گھر کا ہر فرد
 خوش تھا۔ گھر میں نیک نیک نہوں کا راجا جا رہا تھا۔ گھر
 کا فرنیچر۔ پردے اور سینگ بھی تہذیب کی باری
 تھی۔ راز شاہی اور اس کی بیوی شہم اور چادوں بچے
 بھی آرہے تھے۔ کویت سے عطف اور سعودی
 عرب میں مقیم بھائی آ رہا تھا۔ اتنے مہمانوں کو
 ٹھہرانے کے لیے صفات والا پورن بھی خالی کر
 گیا تھا۔

جوں جوں شادی کے دن قریب آرہے تھے
 نور غیر معمولی طور پر خوش رہنے لگی تھی کیونکہ اسے امید
 تھی کہ سکندر بھی ضرور آئے گا اور پورے تین سال
 بعد وہ اس کے لئے کی خوشی میں دل میں دل میں نہال
 ہو رہی تھی اور اس کے ایک ایک سے اس کی خوشی کا
 اظہار ہو رہا تھا، پھر روز رفتہ مہمان آئے شروع
 ہو گئے، مہمانوں کی خاطر عداوت کے لیے لکلی نئے
 ملازم رکھے گئے تھے، امین اور دو لک اور دو دیرے
 تھے اس کے علاوہ کئی غور میں مستقل طور پر بھیجیں جو
 صفائی کپڑے دھوئے اور گھر کی بھانپ بچھاؤ اور دیگر
 چھوٹے موٹے کام کر کے کی نہ ڈاؤن گئیں۔ فریڈیک
 ہر کام اعلیٰ بنانے پر زور رہا تھا۔

ایک دن سکندر و یک ایڈر اپنے باہل کے کمرے میں پوئی نیٹ سرچنگ کر رہا تھا۔ اس نے فیس بک پر اپنا کانٹنارٹ ہارکھا تھا اور کبھی کبھار ہفتے میں ایک آدھ مرتبہ جب پر حالی سے اسکا جاتا تو پاکستان اور دنیا بھر میں موجود اپنے فیس گروپ فرینڈز سے گروپ چیٹنگ کر لیتا تھا۔ اس نے ایک ڈاکٹر کا گروپ بھی جوائن کیا ہوا تھا اور اس وقت بھی وہ پوئی نیٹ گروپ میں مختلف بیماریوں کی طرف سے شیئر کی گئی پوئیں دیکھ رہا تھا کہ اس کی نظر ایک پوسٹ پر پڑی تو شیئر کرنے والے یا دوائی کی ڈی لی بلوگ فلاور کے نام سے کسی اور پلائی کی جگہ ایک زورور کے گلاب کا پھول دیا ہوا تھا۔ پوسٹ بحد میٹک خلل تھی۔ سکندر نے بے اعتدال اس پوسٹ کو نہ صرف لایک کیا بلکہ اس پر بھر پور کمنٹ بھی دیا۔ دوسرے ہی لمحے بلوگ فلاور نے اس کے کمنٹ کو لایک کر لیا۔ سکندر نے رانی کی کرتے ہوئے ٹھیک پر لکھا تو جواب میں دیکھ لکھا کیا اور پھر مسلسل چل پڑا اور سکندر جو پہلے بھی کبھی فیس بک پر آن لائن ہوتا تھا اب اکثر یہی جب موقع ملتا فیس بک کو بلا کر پھر ڈاکٹر ڈولڈز نامی گروپ اوپن کرتا تو وہاں بلوگ فلاور کو دیکھتا پوئیں ہوشیار ہو کر لایک کر لیا۔ بلوگ فلاور کی طرف سے فوراً اس کے کمنٹس کو لایک کر لیا جاتا۔ رفتہ رفتہ سکندر نے بھی کچھ اچھی پوئیں گروپ میں شیئر کرنی شروع کر دیں دوسرے

لوگوں کے علاوہ ہولنگ فلاور کی جانب سے ان پیش کو یہ صرف پسند کیا جاتا بلکہ ان پر سختی مکن بھی ہوے جاتے۔ پھر سکندرنے ہولنگ فلاور فریئر ریجنٹ سینٹر کی اور دوسرے ہی لمحے ریجنٹ ایکسپٹ کرنٹی اور یوں گروپ کی بجائے اب ان باکس اور واس پر باقاعدہ چنگ شروع ہوئی۔ سکندرنے تو اپنا اصل نام اور اس کی تصویر دی ہوئی تھی اس لیے اسے اپنا زادہ فعلی تعارف کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی البتہ اس نے یہ ضرور بتایا کہ وہ شکاگو کی ایک پوری تھی یہ پہل ڈیپارٹمنٹ میں ایم ڈی رہا ہے دوسری طرف ہے ہولنگ فلاور نے بتایا کہ وہ اسلام آباد رہتی ہے اس کا تعلق ایک متوسط فیملی سے اور یہ کہ وہ میڈیکل کالج کے فائل انٹرن میں ہے اور چند ماہ تک وہ فائل امتحان سے فارغ ہوا ہے گی۔ سکندر کے بعد اصرار کے باوجود اس نے اپنا اصل نام پتہ اور تصویر نہیں دی پھر سکندر نے بھی کچھ پوچھا دیا۔ وہ دونوں رات گئے تک آپس میں مختلف موضوعات پر بات چیت کرتے رہے سکندر اسے امریکی زندگی کے شب و روز اور پوری زندگی کی سرگرمیوں کے بارے میں بتاتا جبکہ ہولنگ فلاور اسے اپنے کالج فریئر اور دیگر انٹرنیو سے آگاہ کرتی البتہ اپنی ذاتی زندگی کو بہت کم موضوع بحث بناتا اور وہ کبھی کراے اپنی ذات کے بارے میں بات کرنا نہیں پسند اس سکندر ان کے مجبور نہ کرنا کہ سکندر کی یہ پیمائش ہے ہی پسند یہ بھی راسی تھی کہ کتنی لوگوں سے دوستیاں کرنا پسند ہے پھر بھی اس کی دنیا بھر سے فریئر انھیں گراہی ہو گی کی طرف اسٹڈی کی وجہ سے اب وہ ان سے کم بات چیت کرتا تھا۔ البتہ ہولنگ فلاور کی لیے وہ رے رے کی عادت اور اپنی ذات کے کئی گوشے خفیہ رکھنے کی وجہ سے سکندر کو اس میں

[illegible]

”اے مسز واٹ آر یو لکٹک ایٹ؟“ اس
ساحرہ نے دوبارہ اپنی آواز کا ترنم بکھیرا تو سکندر
ایک دم سے جوش کی دنیا میں واہس آ گیا اور قدرے
شرمندگی سے سر جھکا کر بولا ”لو کمین سنٹ ڈرا اور پو

لائیہ۔ ”جو تمہیں“ کہہ کر وہ کرسی چھوٹ کر بیٹھ گئی۔
اس نے مختصر سا لباس پہن رکھا تھا۔ چومو سا نائیت
سرخ رنگ کا پلاؤ زیادہ شادت اسکرٹ۔ وہ یہ سوچ
کر حیران ہو رہا تھا کہ اتنی شدید سردی میں خود کو
کھانے کی یہ کیسی خواہش ہے کہ موسم کی غیروں کی بھی
اسے پروا نہیں رہی حالانکہ اس کا سر روتھ ہے حد
مذہب اور ایمان کے یہ خفا ہوا جسم تو پورے لباس
میں گھسائی ہوئی ہے۔ وہ دیر تک اس کو تاروا دیکھ کر
کی دنگش کی وجہ سے اسے تو حیرانیت کا سہارا لینے کی
ضرورت ہی نہ تھی۔

سکندر نے قندوز شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس نے اپنا نازک سا لگا بی ہاتھ سکندر کی جانب بڑھاتے ہوئے دیکھ کر حیرتوں جیسے خوبصورت دانتوں کی صفیں کی۔ سکندر ملی۔ فرام پاکستان۔“

”کیسا؟..... یوٹین - Terrorist“

پیشاپس اپ... اور دوسرے یونانک اباؤٹ
 اپنی کٹری ان دس دسے؟ سکندر نے کھڑے
 ہوتے ہوئے منے سے لال پیٹے چہرے کے ساتھ
 منہ کو کھولتے ہوئے جی کر کہا۔ تو اور کرویشے
 ایلوؤٹس چونک کر اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔
 سکندر نے اپنی کانیں اٹھائیں اور منے سے بڑبڑاتا
 ہوا لائبریرے سے نکل گیا اور نینا اسے حیرت سے
 دیکھتی رہی۔

”پچھو..... وہ اس دن عابدہ آنی اور سلیم نکل کس لیے آئے تھے؟“ حشر نے زاریہ کے سر کو اپنے نرم ہاتھوں سے دباتے ہوئے پوچھا۔ حشر کی بڑی بہن اقرار کی شادی کی تقریبات سے فارغ ہو کر

زارہ اور عرش آج تقریباً ایک ہفتے بعد اپنے گھر واپس آئی کہیں چونکہ مہمانوں کا آنا جانا بھی لگا رہتا تھا پھر اور سے شمار کھینچے تھے۔ اس لیے شادی سے تین دن پہلے ہی زارہ اور عرش شرمین سے گھر ہی میں رہنے کے لیے چلی گئی تھیں چونکہ کاغذ سے بھی ایک ہفتے کی چھٹیاں تھیں اس لیے زارہ نے اور عرش نے گھر پر طرے سے شادی کی تیاریوں میں شرمین کا ہاتھ بنایا راجہ بھی سارا دن اصرہ رہتی تھی البتہ رات کو شہر ہزارے اور بچوں کو گھر لے آتا تھا۔

شادی کی تمام تقریبات کافی حد تک خوش اسلوبی سے طے پا گئیں۔ شہر زارہ اور زارہ نے ہی زیادہ تر اخراجات برداشت کیے تھے اور ان شرمین باعزت طریقے سے اپنی بڑی بیٹی کو رخصت کر رکھی اور اس کے لیے اس کی زبان ان دونوں کا شکر یہ ادا کرتے نہیں تھکی تھی۔

شادی کے چنگاموں کی وجہ سے زارہ کی نیند کافی متاثر ہوئی تھی پھر کئی روز انہوں کا بھی ناغہ ہو جاتا تھا اور مصروفیات کی وجہ سے کچان بھی محسوس ہوتی تھی

زارہ نے اپنی طبیعت کی طرف زیادہ دھیان نہ دیا مگر جب گھر واپس آئی تو شوگر اور بلڈ پریشر شوٹ کر چکے تھے۔ سر میں بھی شدید درد تھا جس پر عرش نے اسے ڈانٹا تھا کہ وہ اپنی صحت کو نظر انداز کر کے اپنی حالت خود ہی خراب کر رہی ہے اور اس کی پیاد بھری ڈانٹ سن کر زارہ یہ مسکراتے چارے بھی اس پر عرش کو اس پر اور بھی لا ڈر آتا تھا اور اس طرح چوکی سر دباتے دباتے اسے کچھ دن قبل عابدہ چودری اور سلمیٰ کی آمد کا واقعہ یاد آ گیا تو وہ زارہ سے استفسار کر رہی تھی۔

”کچھ..... کچھ نہیں۔ ویسے ہی عابدہ آپ کا کہہ رہی تھیں کہ وہ بہت دنوں سے اس کا ملنے کا موزہ ہو رہا تھا۔“ زارہ یہ نے بظاہر لاپرواہی سے کہا۔

”پچھو..... ایک بات بتاؤں آپ کو۔ جھوٹ بولنے ہوئے آپ ذرا بھی انہیں بھی لگائیں۔“ عرش نے زارہ کے بستر کی سطحوں پر دست کرتے ہوئے کہا۔

”جھوٹ..... کیسا جھوٹ؟.....؟“ یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں نے تم سے جھوٹ بولا؟“ زارہ یہ نے دک دک کر استفسار کیا۔

”مجھے سب پتہ ہے..... کہ وہ لوگ کس مقصد سے لیے آئے تھے مجھے راجہ آج ہی سب کچھ بتا دیا ہے۔“ عرش نے گواہی دیا۔

”یہ راجہ بھی نا پید کی بہت لمبی ہے کوئی بات اپنے تنگ نہیں رکھ سکتی۔“ خیر پھر وہ اس بات کو جس گھر میں بیری ہوئی ہے وہاں پھر آتی ہی رہتے ہیں۔ اب میری چاندی شہزادی کو اگر مسلم اپنے بیٹے کے لیے پسند کر لیا ہے تو اس میں کیا قحاح ہے میری چندا ہے ہی اتنی خوبصورت ہے۔“ زارہ یہ سے عرش کی رد میں پیشانی پر پیار کرتے ہوئے کہا۔

”قحاح ہے؟..... انکل مسلم کون ہوتے ہیں مجھے اپنے بیٹے کے لیے پسند کرنے والے۔ اپنا کردار بھول گئے ہیں میری پچھو کی زندگی برباد کر کے اب بڑے بڑے بھالے بن کر یوں بیٹے کا رشتہ لینے آ گئے ہیں جیسے کہا نہیں نے پوچھا کیا نہ ہو آپ..... آپ صاف صاف انکار کر دیجئے گا پچھو مجھے نہیں کرنی اس خود غرض اور ظالم شخص کے بیٹے سے شادی وادی۔“ عرش نے غصے سے کھولتے ہوئے کہا۔

”جب میں نے شہر زارہ سے ذکر کیا تو اس کا بھی میں رد عمل تھا مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم دونوں بچا بیٹی آخر مسلم کی ہاشی کی غلطی کوئے کراس قدر کیوں تیار ہوا جاتے ہو یا پانی تو اس نے میرے ساتھ کی

تھی جب میں نے اسے صاف کر دیا تو تم لوگ بھی اب اس طرح قصے کو بھول جاؤ وہ شخص اپنے کپے پر اس قدر شرمسار ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کی پیدائش کے فوراً بعد ہی اس کا رشتہ اپنے طور پر ہی تم سے کر دیا تھا حالانکہ تم اس سے تقریباً دو سال بڑی ہو اور اس نے اپنی بیوی اور بچوں کو بھی یہ بات بتادی تھی تو اس نے براجموت اس کے اخلاص کا کیا ہو سکتا ہے۔“ زارہ یہ نے رساں سے کہا۔

”جیسا باپ دیا بیٹا آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے آپ نے کسی طرح برداشت کر لیا کہ آپ کا بچہ اس کا خاندان تھا، ماں باپ تھے اور بھائی تھے۔ اگر اس شخص کے بیٹے نے بھی مجھے کس حیثیت کے دریاں کر چھوڑ دیا تو میں کہاں جاؤں گی؟ یہ بھی سوچا ہے کہ بھی آپ نے۔“ عرش نے بے تحاشا روتے ہوئے استفسار کیا۔

”اوہ میری جان..... میری پیاری بیٹی اگر تم نہیں چاہتی ہو تو ہرگز ایسا نہیں ہوگا زندگی تم نے گزاری ہے۔ میں نے باشر میں سے نہیں جہاں اللہ نے اقرار اور اس سے چھوڑی کے اتنے اچھے رشتے عطا کیے ہیں وہاں تمہارا بھی کوئی نہ کوئی رشتہ لیا ہی جائے گا۔ اللہ بڑا سبب الاسباب ہے۔ مجھے تو تمہاری درست ٹیل کا بھائی جہاں زیب بھی بہت پسند تھا کہ وہ لوگ تو یہاں سے چلے ہی گئے ہیں شاید ٹیل کا تو تم سے کوئی رابطہ بھی نہیں رہا ہے اب زارہ نے اپنی انگلیوں کی پودوں سے عرش کے آنسو صاف کرتے ہوئے پیار سے کہا۔

نیلا اور جہاں زیب کے ذکر کے ساتھ ہی عرش نے قصور میں واقف کی صورت رد آئی۔ دو سال سے اس کا دل نہیں دیکھا ہی نہیں تھا۔ اگر چاہاں نے اسے اپنا سبیل بنو دیا تھا مگر فطر غریب عرش کی بھی حسرت ہی نہ ہوئی تھی اس سے رابطہ کرنے کی۔

☆.....☆

”آپا..... آپ نے نور کے رشتے کے سلسلے میں کچھ سوچا ہے خیر سے ڈاکٹر ذہن ہی کی ہے اب سبھی عمر ہوئی ہے لڑکیوں کے رشتے طے کرنے کی۔“ نجمہ نے فیرہ روز بھلی سے پوچھا۔ دو دنوں لان میں بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھیں۔ آج موسم کافی خوشگوار تھا۔ کئی روز کی شدید گرمی کے بعد دو پہر میں بھلی بارش ہو گئی تھی جس سے گرمی کی شدت میں کافی حد تک کمی آگئی تھی۔

گھر میں بھرا دروازہ چلیں ہی تھیں نور ابھی تک لاہور سے نہیں لوٹی تھی۔ عروہ شادی کے بعد پھڑی میں اپنے سرسراں میں مقیم تھی۔ شرمہ آج کل اپنی کچھ دوستوں کے ساتھ سوات، کاکان وغیرہ کی سیاحت کے لیے نکلی ہوئی تھی۔

فیرہ روز چھیل بھی نور کے لاہور جانے کی وجہ سے خود کو اکیلا محسوس کر رہی تھیں۔ مجھے والے پوٹوں میں تو وہ دونوں عروہ کی شادی کے بعد ہی سے متصل ہو گئی تھیں۔

میں نے تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا ہے کہ اس نے اپنی بڑھاپا عمل کر لی ہے اب روزگت کے بعد ہاؤس چاہ کر کے میرا اس کا ارادہ کا ٹھکانا جیٹسٹٹ بننے کا ہے خیر وہ تو بھری کا تین ہیں لیکن انحال تو میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ کسی طرح کوئی مناسب رشتہ مل جائے تو اس کو اپنے گھر کا کر دوں۔

میر کی کتنی ہی خواہش تھی کہ سکندر اور نور کی شادی ہو جائے دونوں بچوں میں بھی خوبصورت تھی پھر ڈاکٹر بھی، چاند سورج کی جھڑی ہوئی مگر سکندر کے تو ارادے میں ہی اور خیر خیر اللہ دونوں کے لیے جو مناسب اور بہتر ہو ہی کرے گا۔

ہاں یہ تو میری بھی دلی تمنا تھی کہ سکندر کا رشتہ نور کے ساتھ ہو جائے میں نے تو کئی بار سکندر سے

اس خواہش کا اظہار بھی کیا تھا مگر وہ یہی کہتا ہے کہ اس کا بھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔
آبادہ عارف کا دوست ہے فاجر..... آپ تو ملی ہیں اس سے "بید مہذب" اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سیکھا ہوا لڑکا ہے۔ خاندان بھی اچھا ہے۔
فاجر نے عروہ کی شادی میں نور کو دیکھا تھا تو اسے بہت پسند آئی تھی۔ اس نے اس سلسلے میں عارف سے بات کی تھی کہ اپنے والدین کو رشتے کی غرض سے لاتا جاتا ہے پھر نور لاہور چلی گئی اور عارف نے کویت جاتے ہوئے مجھے تاکید کی تھی کہ میں آپ سے بات کر لوں اور جیسے ہی نور لاہور واپس آئے فاجر کو بتا دوں تاکہ وہ اپنے والدین سے بات کر سکے۔

☆.....☆

سکندر یونیورسٹی کے لائن میں ایک بچہ پڑھتا تھا۔ کچھ دیر پہلے اس کا دوست دھیا احمد بھی اس کے پاس ہی بیٹھا تھا پھر اس کی کلاس کا وقت ہو گیا تو وہ کلاس اینڈ کرنے چلا گیا۔ سکندر بھی لاہوری جانے کا سوچ رہا تھا کہ کسی نے اس کے قریب آکر زور سے ہانپا تو اس کا دماغ چاک اور اوڑھ گئی تھی کہ سکندر یکدم چونک پڑا۔ اس نے سراٹھا کر دیکھا تو اس کے سامنے وہی لڑکی کھڑی تھی جس سے اس دن لاہوری میں اس کی ہلکی چٹکی جھڑپ ہوئی تھی۔ سکندر کے ذہن سے اس کا نام تو نکل گیا تھا کیونکہ اس بات کو وہ بھٹے ہو چکے تھے البتہ اس کا حسین چہرہ وہ بار بار کوشش کے فراموش نہیں کر سکتا تھا اور اکثر جب بھی وہ فارغ ہوتا تو اس کا تصور اسے ڈسٹرب کرنے لگتا۔
"کیوں آئی سٹ میر؟" اس نے کہا اور پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس کے بے حد قریب آجھائی بے تکلفی سے براجمان ہو گئی۔

Why you are always so
angry? اس نے سکندر کی بڑی بڑی پریشش براؤن آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا
You disgraced my
country سکندر نے جملے کے لہجے میں کہا۔
I said sorry & I am sorry "
again. اس نے اپنی انتہائی حسین بلوریں آنکھیں سکندر کے پرکشش چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے اپنے یاتوٹی لبوں پر ایک دلکش سمرگات سمیر کر انتہائی مصممیت سے کہا۔
Its ok but pliz be careful "
next time "یہ کہہ کر سکندر نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے اپنا رخا رخا دیا۔ آئی ایم سڈر علی۔
اسٹونڈنٹ آف فائل انٹر ایم ڈی۔ فرام پاکستان

ایڈوہاٹ اباڈٹ یو؟" سکندر نے بھی چہرے سے نکلی کے تاثرات دور کر کے قدرے بے ہوش لہجے میں کہا۔
"I am lina I am jew اس نے مسکرا کر سکندر کا ہاتھ چمکتے ہوئے کہا۔
"اوہ تو تم یہودی ہو" اور غیٹا نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی سر ہلادیا
Very trational family
I have a 2 brothers and I am
erdest.

غیٹا نے ایک گہری سانس لے کر اپنی بات مکمل کی اور پھر اپنے شاندر پہ لٹکے ہوئے کیٹس بیک سے ایک چیز کو کا پیکٹ نکالا ایک گٹائی رنگ کی چھوٹی سی چیز جو نکال کر اسے منہ میں رکھ لی اور دوسری سکندر کی جانب بڑھا دی۔ پھر اپنی کٹائی پر بندھی نازک سی رسٹ وایج پر نظر پڑی تو ہولکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور بہت دیر ہو گئی ہے۔ میری جاب کا نام ہو گیا ہے ادا کے بائے پھر ملیں گے۔"
یہ کہہ کر وہ اپنی کتابیں کیٹس بیک میں غوصی ہوئی تیز تیز قدموں سے یہودی گیٹ کی جانب چل پڑی۔ اور سکندر بہت سا ہوا کر اسے لہراتے ہوئے سنہری روشنی بالوں کو اس وقت تک دیکھا تا جب تک کہ وہ دنگا ہوں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔
اور پھر مزید ایسی ہی دو چار اٹھائی لگا قاتوں کے بعد ان دونوں میں گہری دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا اور پھر ہر دو یک اینڈ اٹکنے کی نہ کسی ریسٹوران یا تفریحی مقام پر گزارا دونوں نے یہی لازمی چیز تھا اب پڑھائی کے علاوہ سکندر کی دوسری مصروفیت میں نیت پر بلونگ ٹلاڈ سے چینگ اور غیٹا سے ملاقاتیں۔

☆.....☆

"وہ عابدہ چوہدری کا فون آیا تھا آج وہ پھر پوچھ رہی تھی کہ ہم نے عرض کے رشتے کے سلسلے میں کیا سوچا ہے کب تک انہیں جواب ملے گا۔" زارہ یہ نہ جانے کا آخری سب کے آخر کا پیکٹ نہیں پر پڑے نرے پر کھٹے ہوئے کہا۔
"سوچنا کیا ہے۔ صاحب جواب دے دیں میں نے کوئی نہیں اس خود عرض فیصل کے بیٹے سے شادی کرنی جس نے میری بھاری پیچیدگی کو اس قدر دکھ دے اور زندگی بھر انہیں تنہا کی تلخ زہر پینے کے لیے چھوڑ دیا۔" عرض نے بے حد غصیلے لہجے میں کہا۔
"لیکن بیٹا تم نے کہیں نہ نہیں تو شادی کرنی ہی ہے ساری زندگی تو یہاں نہیں بیٹھے رہنا۔ پھر جو لوگ اس قدر چاہت سے کہیں اپنا جانتے ہیں وہی کیوں؟"
"ویسے باقی عرض تمہیک کہتی ہے۔ مجھے تو خود وہ شخص زہر لگتا ہے آپ کی زندگی برا دوا کر کے اب

عرش کو اپنی خود مرضی کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔" شہزاد نے مسکرت کھاتے ہوئے جھجکی سے کہا۔
"وقت وقت کی بات ہے۔ تب اس کے حالات ایسے نہیں تھے اور پھر عابدہ آپا نے اس کی مرضی کے خلاف اسے مجھوتے سے خواب دکھا کر مجھ سے اس کی شادی کر دئی تھی جبکہ وہ اپنی اعلیٰ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اور ہر جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا خواہش مند تھا اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا وہ غصے اور جھجکاہٹ میں کیا تھا شاید میرے مقدر ہی میں یہ دکھ لگتا تھا۔ مگر ایک شوہر کے علاوہ اللہ نے مجھے ہر نعمت سے نوازا تھا شادان ملازمت، والدین بھائی ہر پھر عرض۔ اور اپنی ان مصروفیات میں کھوکھ بیٹھے نہ وقت گزرنے کا احساس ہوا اور نہ ہی کبھی اپنی کسی عروہی کا۔ اگر میں شادی شدہ زندگی گزار رہی ہوتی تو تب بھی یہی کرتا تھا جو اب کر رہی ہوں دو چار بیٹے ہوئے اور ان کی ذمہ داریاں تو یہاں بھی عرض اور فم دونوں اور عرض کی تھیں بیٹیں تو پھر تمہارے بیٹے بھی تو میری آنکھوں کے تارے ہوئے نا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مصلحت کی وجہ سے ہم سے کوئی چیز چھین جاتی ہے تو وہ اس سے بہتر خدایا عطا فرمادیتا ہے۔ اور یوں عابدہ وہ بار بار ہامی کی طرف دیکھنے اور مستقبل کے بارے میں سوچنے کے بجائے اپنے آج کو بہتر اور بھرپور طریقے سے گزارنا چاہیے۔
اللہ تعالیٰ سب الاسباب سے اس پر بھروسہ کرنا چاہیے اس قدر کہ اسے اور بہتری کی توقع کر کے جو مناسب ہو وہ کام کر لینا چاہیے۔" زارہ نے رساں سے کہا۔
شہزاد اور زارہ نے فیصلہ کیا کہ اگلے اتوار کو وہ لوگ لڑکے کو دیکھنے کے لیے سلیم کے گھر جائیں گے۔ زارہ نے عابدہ چوہدری کو فون کر کے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا تو وہ خوش ہو گئی۔ زارہ یہ نہ شرمین

کو بھی کر دیا تھا اور اس نے بھی اس فیصلے کو سراہا۔
☆.....☆

ہفتے کی شام کو یٹا نے سکندر کو اس کے ہاسٹل سے پک کیا۔ آج ان کا پروگرام، راکشمن کے مصافحات میں ایک مشہور ریٹینوٹار میں ڈزکر نے کیا تھا۔ یٹا آج بے حد خوش تھی۔ اس نے بیوہ جینر اور بیوی ناپ جینر کی بھی چونکے سر دی کا موم تھا۔ اس لیے کھجوروں پر پلٹ کر دونوں شال ڈال رکھا تھا۔ سر پر بھی موٹی اولی ٹوپی بھی پھر رہی اس کا چہرہ اور ناک سر دی کی شدت سے سرخ ہو رہی تھی۔ اور اس طرح اس کا حسن مزید دو آنہ ہو چکا تھا۔ سکندر دیکھو گے سے اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی کو قدرت نے فرمت میں اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے اور دنیا بھر کی حسین ترین لڑکیوں کے سارے اعضا اس میں یکجا کر دیے ہیں۔

سکندر کی سب سے اچھی بات یٹا کو یہی محسوس ہوتی تھی کہ اس نے اب بھی اسے آزادی کا وہ اس کے ہاسٹل میں آکر اس کے پاس ویک اینڈ گزارے نہ دی اس نے یٹا کے پارٹمنٹ میں بھی جا کر رات رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حالانکہ وہ ہوتی اتوار کی رات وہ اپنے پارٹمنٹ میں آگئی ہوتی تھی۔ اس کی دونوں فریڈز کو ویک اینڈ اپنے اپنے ہوائے فریڈز کے ساتھ گزارا دی تھیں بھی یٹا میران ہو کر سکندر پر بے رحمی کر دے اس کا ملازم سے دوسرے لڑکوں سے کیوں مختلف ہے کہ اس نے کسی بھی اس کے ساتھ غلط قسم کے تعلقات قائم کرنے کی کوشش نہیں کی حالانکہ ان کی دونوں نکاح سال سے زیادہ ہو رہا تھا کہ اس پر سکندر نہایت تنبیہ کی ہے جواب دیتا کہ ایک تو اس کے مذہب میں شادی کے بغیر اس قسم کے تعلقات حرام ہیں دوسرے اس کی گھریلو تربیت بھی ایسی ہے کہ وہ ناجائز تعلقات کو پسند نہیں کرتا۔

اگرچہ لڑکیوں کے ساتھ دوستیاں کرنا گھوٹا پھر باور ہوٹلنگ کرنا بھی میزب اور ناپسندیدہ فعل تھا۔ مگر پاکستان میں اپنے کچھ دوستوں کی چٹنی کی وجہ سے اس لڑکی میں چلتا ہو گیا تھا مگر وہ لڑکیوں کو انسان ہی سمجھتا تھا اور ان کے ساتھ ایسے ہی دوستیاں کرتا تھا جیسے کر لڑکوں کے ساتھ۔ ان کی عزت کرتا تھا ان کے ساتھ احرام اور دار سے چٹن آتا تھا وہ بھی بھی انہیں کسی قسم کی غلط فہم نہیں کی تھی۔ نہ ہی ان کے ساتھ اس حد تک انوالو ہو جاتا کہ وہ اسے شادی کرنے کے لیے دیکھنے لگتیں۔ بس وہ ہفتے میں ایک آدھ بار ان کے ساتھ خوشگوار ماحول میں چند گھنٹے گزارتا تھا یا پھر فون اور انٹرنیٹ پر چٹنگ کر لیتا تھا۔ مگر فون اور انٹرنیٹ پر بھی وہ مہذب اور ملکی باتیں ہی کرتا تھا۔ اس لیے غلط قسم کی لڑکیاں اس کی ان باتوں کی وجہ سے اس کی طرف دوڑتی کا ہاتھ ہی نہیں پڑھاتی تھیں اور اسے غلط آصوبی اور مولوی کہہ کر پکارتی تھیں کیونکہ وہ انچوں وقت نماز کا پابند تھا۔

چونکہ یٹا کی بہت سی عادتیں سکندر کے ساتھ ملتی جلتی تھیں اس لیے اس کی اس کے ساتھ دوستی اتنے عرصے سے برقرار تھی۔ اور دونوں میں تنبیہ کی ہے یٹا نے اسے ایک دوسرے کے نالغہ پائرنڈ بننے کا سوچ رہے تھے۔ اگرچہ ایسا اظہار تو ایک دوسرے سے بھی نہیں کیا تھا۔ البتہ دل ہی دل میں یہ ارادہ کیے ہوئے تھا۔

☆.....☆

زارہ نے اپنی گرتی ہوئی محنت سے بے حد پریزننگ بھی اسے نہیں آئی تھی کہ آخرا سے ہوتا کیا جا رہا ہے۔ اب تو ہر وقت سکندر کی کیفیت عادی رہتی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ ہر وقت بس ستر پر بیڑی رہے اور سوچوں کے تانے بانے بنائے اس کا چھٹا تھا قریب کی باتیں بھولنے لگی تھیں۔ جبکہ نامی کی ایک

ایک بات اپنی جزیات سمیت ذہن میں موجود تھی۔ وہ لڑکیاں جس جگہ ہوتی جاتی تھی۔

ایک دن زارہ نے شہروز اور شرمین کے مشورے سے عایدہ چوہدری کو فون کر دیا کہ وہ لوگ لڑکے کو دیکھنے کے لیے آنا چاہتے ہیں تو عایدہ نے دوسرے دن تسلیم سے بات کر کے انہیں اگلے روز شام کو پانچ بجے بلایا چونکہ ہفتے کا دن تھا اور شہروز باقی بچے بھی گھر پر تھے اس لیے طرح ان کی ساری باتیں سے ملاقات ہو جاتی۔ چونکہ آج کل کو بھی لاہور کی ہوئی تھی اس لیے عایدہ چوہدری کو دھپیر ہی کو اسے لے کر تسلیم کے گھر پہنچ گئی تاکہ کہاںوں کے لیے شام کی چائے کا اہتمام کر دیا جائے۔

نور زارہ اور وائق بار بار وائق کو چھیڑ رہے تھے۔

شام کو ٹھیک ساڑھے پانچ بجے تک زارہ شرمین اور شہروز پہنچ گئے اور کیران میں جیسے ہی شہروز نے گاڑی پارک کی اور وہ لوگ گاڑی سے اترے تو تسلیم اور عایدہ چوہدری نے آگے بڑھ کر نہایت تنگ سے ان کا استقبال کیا اور پھر برآمدے کے دو دروازوں طرف واقع دروازے کے دو رخسار میں رہنمائی ساز دو تانے سے بے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے ڈرائنگ روم میں نہایت پیش قیمت وال نو وال کارپٹ بچھا ہوا تھا۔ صوفے نہایت اعلیٰ ڈیزائن کے سینٹرئل کی شے کی سج سے فانوس کی روشنیوں منکس ہو کر خوبصورت لگ رہی تھیں۔ دیواروں پر انتہائی خوبصورت پینٹنگز کیسوں کے باڈون ہونے کی مظہر، سامنے دیوار گیر الماری میں انواع و اقسام کے اپورٹڈ و کیرٹین تھیں سجے ہوئے، ڈرائنگ روم کی لکڑی کی میز پر بے حد مندرجی کارپٹ پر دونوں اور فریج کے درگوں میں بے حد ناستا اور نیم آرائشی غریبہ ڈرائنگ روم کی چابوت سے ہی ظاہر ہوا تھا

کہ یہ ایک انتہائی دولت مند طبقے ہوئے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ باڈون لوگوں کا گھر ہے۔

زارہ پر شرمین اور شہروز نے دل ہی دل میں تسلیم کی الماری سے مروجہ ہو رہے تھے اور انہیں اپنی کئی کئی کاری طرح احساس ہو رہا تھا کہ ان کی سات مسرے کا کام سا فریج سے آراستہ گھر چھوٹی سی گاڑی اور کہاں یہ دو کمال کا پوش ایریا میں واقع محل نما گھر شرمین دل ہی دل میں جہاں اپنی بیٹی کی خوش قسمتی پر ناز کر رہی تھی۔ وہیں ذہن کے کسی گوشے میں یہ گھر بھی تھی کہ اس کی بیٹی اس قدر دولت مند گھر میں ایڈجسٹ بھی کر پائے گی یا نہیں۔

کچھ دیر بعد چائے اور دیگر لوازمات سے لہری ہوئی فرانی ملازمہ دھکیلی ہوئی لے کر آئی پھر کچھ دیر بعد عایدہ چوہدری کے ہمراہ نور اور زارہ بھی آئیں اور دونوں نے نہایت پر جوش طریقے سے مہمانوں کو اور خصوصی طور پر زارہ کو سلام کیا۔ زارہ نے کھڑے ہو کر دونوں لڑکیوں کو گلے سے لگا کر پیار کیا وہ لوگ اپنے ہمراہ مٹھائی، لٹک اور فروٹ لے کر آئے تھے جو ملازمہ اٹھا کر گھر کے اندر چلی گئی۔

نہایت خوشگوار ماحول میں جائے لی گئی۔ زارہ اور نور نے مہمانوں کو چائے بنا کر پیش کی تسلیم اور عایدہ بھی انہیں ایک ایک چیز لینے پر اصرار کر رہے تھے زیادہ تر اشیاء گھر ہی پر تیار کی گئی تھیں اس لیے انتہائی لذیذ اور تازہ تھیں۔

چائے کے بعد اصرار اور کی باتوں کا دور چلا۔ پھر عایدہ چوہدری نے مہمانوں کو گھر دکھانے کی پیش کش کی۔

عایدہ مہمانوں کے ہمراہ جب لاؤنج میں داخل ہوئیں تو وائق اور وائق باقی بیٹھے دی دیکھ رہے تھے۔

واقعہ نے جیسے ہی شہر زد کو دیکھا وہ چونک سا پڑا۔ اگرچہ کافی عرصے پہلے وہ اس سے محرش کے والد کی وفات پر ملا تھا۔ پھر ایک دوسرا دو تینلوہ کے گھر میں جب وہ محرش کو یکے کرنے آیا تھا تو سرسری سی ملاقات ہوئی تھی مگر پھر بھی اس کا چہرہ واقع کے ذہن میں ایسے ہی محفوظ تھا۔ جیسے محرش کی یاد اور اس کی سن مڑنی صورت۔

”ہم..... ہم..... شاید پہلے کہیں مل چکے ہیں؟“

واقعہ نے بے تماشاً دھڑکنے والی دل کی آہٹ چٹھل چے قابو پانے کی سعی کرتے ہوئے خوشی سے پھر پورے لمحے میں استنساہ کیا۔ شہر زد نے ایک لمحے کے لیے واقع کے چہرے کو بغور دیکھا اور پھر بلا ”اے ہاں یاد آیا آپ غالباً جہاں ذہب کے دوست ہیں اور اس کے ساتھ ڈیٹاٹن بھائی کی شہادت پر قنوت یہ کرنے آئے تھے۔ پھر وہ ایک بار جہاں ذہب کے گھر میں بھی آپ سے ملاقات ہوئی تھی بڑا عجیب اتفاق ہے یہ بھی۔“ شہر زد نے واقع کو پیار سے نگے لگایا۔ وہ واقعی کا دل خوشی سے مغموم تھا۔ اس نے تو آج تک کسی کو اپنا راز داں بھی نہیں بتایا تھا۔ مگر اب اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ساری دنیا کو یہ خوشخبری سنائے کہ اس کی پسندیدہ لڑکی وہی ہے جسے بچپن ہی سے اس کے والد نے اس کے لیے منتخب کر رکھا تھا۔

کہاں تو اس کا انداز بجا تھا۔ شہر زد اور وہی دلی سے گھر والوں کے ساتھ لڑکائی مستقبل میں ہونے والی بیوی کے اہل خانہ کا منتظر تھا۔ اور اب اس کا چہرہ خوشی سے پھول کی مانند گل اٹھا تھا اور وہ مہمانوں کے ساتھ مسکرا مسکرا کر نہایت خوشگوار لہجے میں باتیں کر رہا تھا اور پھر کچھ دن بعد جب مہمان رخصت ہو گئے اور وہ سب لوگ آ کر لاؤنج میں بیٹھ کر خوش گپیاں کرنے لگے کہ اچانک واقع بولا ”چلو فریڈ

آگس کریم کھانے چلتے ہیں۔“

”بل کون ہے کرے گا؟“

مابودا! ”واقعہ نے قدر سے اسے سر کوخم دے کر سینے پر ہاتھ باندھ کر شہا پنا انداز میں مسکرائیں بغیر سے ہوئے کہا۔

”خوش تھی؟“ ”نور نے پوچھا۔

”اے نور! تو ابی۔ یہ بھی کوئی پچھنے والی بات ہے۔ آخر واقع بھائی کی شادی ہوئے جارہی ہے اس سے بڑی خوشی کیا ہوگی بھلا! واقع نے شرم لہجے میں کہا۔

”ارے بھئی باتوں میں وقت ضائع مت کرو واقع بھائی جب شادی پے آمادہ ہیں تو جلدی چلاویا نہ ہو کہ ارادہ بدل جائے اور یہ کسی بہانے گھر سے ٹھک جائیں۔“ زارعی نے جلدی سے کہا۔

عابدہ چوہدری اور سلیم نے معذرت کر لی اور نو جوانوں کی ٹولی واقع کی گاڑی میں لد کر قریبی آگس کریم پارکس جا ب رہا وہ بھی۔

☆ ☆ ☆

نیٹا جنینوں پر اسے گھر بھی تھی وہاں جا کر بھی اس نے سکندر سے کوئی رابطہ نہیں کیا اور وہیں بھی نہیں آئی تھی۔ جب کی ماہ بعد بھی نیٹا لوٹ کر نہیں آئی اور نہ ہی اس نے کوئی رابطہ قائم کیا تو سکندر انتہائی بائوس اور گھبرائے ہوا وہ اپنے آپ کو آرام سے نہ صرف قادر ہو چکا تھا بلکہ اس کا وزٹ بھی آچکا تھا اور اس نے اسپیشلائزیشن کے لیے ایک میڈیکل یونیورسٹی میں ایڈمیشن بھی لے لیا تھا چونکہ اگلی کلاسز شروع ہونے میں کچھ وقت باقی تھا۔ اس لیے اس نے پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ارادہ تو اس کا یقیناً بڑا تھا کہ اسے کچھ دن بعد جب مہمان رخصت ہو گئے اور وہ سب لوگ آ کر لاؤنج میں بیٹھ کر خوش گپیاں کرنے لگے کہ اچانک واقع بولا ”چلو فریڈ

جہاں برسوں سے اس کی دیکر بیٹا یاں خوشی سے نہال ہوئی وہیں نور کو تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اسے چیمبر جھاڑ کر دلت لٹی ہو۔ وہ اپنے ہاؤس جا ب سے فارغ ہو چکی تھی اور آج کل ایک پرائیوٹ ہسپتال میں جا ب کر رہی تھی اور ساتھ ہی اپنے ایف بی بی ایس کے امتحان کی تیاری بھی کر رہی تھی اس امتحان میں کامیابی کے بعد اسے کی بھی بیکاری ہسپتال میں بہتر ملازمت مل سکتی تھی مگر عابدہ چوہدری اور فریڈ وڈ ٹیل نے یہ چاہتی تھیں کہ وہ مزید پڑھنے اور ملازمت کے پکر میں پڑنے کے بہانے بنجیدگی سے شادی کے بارے سوچے۔

فریڈ وڈ ٹیل آئے روز رش کرانے والے اداروں اور خٹنے بٹنے والوں کے ذریعے مختلف لوگوں کو گھر میں بلواتی رہتی تھیں نور کی اچھی شکل صورت اور میڈیکل کی ڈگری کی وجہ سے ہر کوئی اسے پسند کر لیتا تھا مگر نور اپنی پڑھائی اور بہتر جا ب کے حصول کا بہانہ کر کے انکار کر دیتی تھی۔ اور فریڈ وڈ ٹیل اس سے زنجی آج بھی نہیں کیونکہ اس کی عمر تیس سال کے لگ بھگ ہو چکی تھی اور وہ جانتی تھیں کہ مزید چند سال اور گزر گئے تو پھر رشتے آنے کا سلسلہ تقریباً رک جائے گا مگر نور ان کی بات پر کان ہی نہیں دھرتی تھی تنگ آ کر ایک دن فریڈ وڈ ٹیل نے اس سے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ دوسری طرف عابدہ چوہدری نے بھی فون کر کے کہیں تنگ کر رکھا تھا کہ انہوں نے نور کے رشتے کے سلسلے میں کیا کیا ہے؟

نور ہسپتال سے آ کر اسے گھر سے بیٹھی لپٹا پ کر پریٹ سر چنگ کر رہی تھی کہ فریڈ وڈ ٹیل اس کے گھر سے واکل ہوئیں۔ انہوں نے فرے میں دوپٹ چائے اور سکٹ نکھوڑ کر رکھے۔

”نور بیٹی! چلو آ پہلے چائے پیلو۔ یہ کیا

برہت لپٹ ٹاپ پر بھی رہتی ہو۔“ فریڈ وڈ ٹیل نے ایک ٹیبل پر ٹرے رکھ کر خود سو سوٹے پر بیٹھے ہوئے کہا۔

”ارے ماما آپ نے کیوں زحمت کی مجھے بلایا ہوتا۔ میں جائے بائیس۔“ نور نے لپٹ ٹاپ کا سوچ آف کر کے اسٹری ٹیبل پر رکھ کر فریڈ وڈ ٹیل کے پاس بیٹھنے پر بیٹھے ہوئے کہا۔

”جب سے ہسپتال سے آئی تو جب سے کمرے میں ہی بند ہو۔ کیا کر رہی ہو لپٹ ٹاپ پر پڑھائی کا سلسلہ قطع ہو چکا ہے۔ اب تو سکون کا سانس لو۔“ فریڈ وڈ ٹیل نے رمان سے کہا۔

”پڑھائی کا تو پچھ نہیں ہے لی الحال..... وہ ہولے سے لڑی۔

”اے مطلب۔ فی الحال..... میں اب ختم پڑھائی وغیرہ۔ ایم بی بی ایس کر لیا بہت ہے مزید سر کھانے کی ضرورت نہیں ہے میں بہت جلد تھمارا رشتہ تلاش کر کے تمہیں رخصت کرنے کا سوچ رہی ہوں۔“ فریڈ وڈ ٹیل نے نور کی بات کاٹ کر قدرے سخت لہجے میں کہا۔

”ماما جانی..... آپ بہت سہیل ہیں خالی ایم بی بی ایس کی آج کل کوئی وقعت نہیں ہے جب تک کہ کیفی بی ایس ہی نہ لیا جائے آپ کو پتہ ہے مجھے یہ ملازمت بھی کنڈیشنل ہے۔ جب تک میں ایف بی ایس کی پارٹ میں نہیں کر لیتی۔ میری ملازمت مستقبل نہیں ہو سکے گی۔ رہی بات شادی کی تو میں نے اس بارے میں بھی سوچا ہی نہیں۔“ نور نے لا پر ادائی سے کہا۔

”بیٹے! ماما جانی! آپ کے میری شادی کی عمر تو تقریباً گزر چکی ہے تو پھر کیا ضرورت ہے ان کنبھڑوں میں پڑنے کی میں اسپیشلائزیشن کر کے اپنا ہسپتال بنائوں اور یوں دیکھی انسانیت کی خدمت میں

دقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔“ نور نے پر عزم لہجے میں کہا۔

”یہ سب کہنے کی باتیں ہوتی ہیں۔ میری چندا تنہائی کا عذاب بہت اذیت ناک ہوتا ہے سارا دن معروف رہ کر جب رات کو سلاخ پینے کر کھانا کھاؤ گی یا کیلے کمرے میں رہو گی تو مجھ نہیں احساس ہوگا کہ تم نے شادی نہ کر کے تنہی بڑی غلط کی ہے۔“ فیروزہ طیل نے دھرجے سے ہانسی کے جھروکوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”مگر ماما تمہا کیوں ہوں گی آپ ہیں،
 ٹھہرائی ہیں۔ عابدہ امی ہیں۔ مگر ماشاء اللہ میرے
 اسنے بھائی بہنیں اور کزنز ہیں میں ان سب کے
 ساتھ جیسے اب تک راضی آئی ہوں ویسے ہی آئندہ
 بھی رہوں گی نور نے قدرے شوخ لہجے میں کہا۔ اور
 فیروزہ طبل اس کی بات پر چانس پر پھٹ کر وہ کہیں۔

☆.....☆

سلیم کے گھر سے داپہنی پہنچو اور وزارت سے
شرمین کو اس کے گھر ڈراپ کرو یا پھر وزارت سے گھر
لوٹ آئے جب راجہ اور شیرو بجوں سمیت اوپر
اپنے پورشن میں چلے گئے تو زاریہ اور محرش داؤد
میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔ کچھ دیر
باتیں کرنے کے بعد زاریہ نے دی آف ایک اور
محرش سے کہا۔

”تم نے پوچھا نہیں کہ وہ لڑکا کیسے؟ جس کو آج تم تمہارے لیے دیکھنے گئے تھے۔“

”اگر آپ اُنکی اور شہزادہ جانو سے اسے پسند کر لیا ہے تو پھر مجھے بھی پروا نہیں ظاہر ہے میرے اسنے پیار سے پیار سے جانے والوں کی پسند کوئی ایسی دیکھ تو نہیں ہوئی تھی۔“ عرش نے تھکامل عارفانہ سے کام لے کر کہا۔

”جیہیں..... واقعی کوئی پروا نہیں کہ ہم تمہارا

دوشنبه

دشمن کسی سے ملے کرنے جا رہے ہیں اور امام حسینؑ سادی لڑائیوں کی طرح تم ہمارے پسند کو اپنی پسند بنا لوگی؟“ زبیر نے عرض کیے کہ تاہر چہرے کو بغور دیکھئے ہوئے استغفار کیا؟“ آخر یہ صوبہ کیا جانتا جانتی ہیں؟“ عرض کیے کہ تھوڑے جگہ سے ریوٹ کو سامنے بڑے صوفے پر بیٹھ کر تھوڑے فاصلے سے بیچ کر کہا کہ ابھر تیز تیز قدموں سے کمرے میں آگئی۔ زبیر نے کچھ دیر تو خاموش بھی عرض کی اس وقت

[illegible]

”اس بات کو چھوڑ دو۔۔۔ میری بات کا جواب
سعرش نے ہٹکلا کر نہ چھما۔
”یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ آپ کو کہاں سے ملا؟“

”نن.....نن.....نیں تو“ عکرمش نے نکائیں
جھکا کر آہستگی سے کہا ”تم جھوٹ بولتی اچھی نہیں لگ
رہی ہو بلکہ یہ کہنا بہتر ہو گا کہ تمہیں جھوٹ بولنا آتا ہی
نہیں۔ کیونکہ میں نے کبھی جھوٹ بولنا سکھا یا ہی
نہیں۔“

”میں... میں کب جھوٹ بول رہی ہوں
آج بھی تاجس بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتی ہیں۔“
سحرؑ جھنجھلا کر روئی۔
”یہ تم مجھ سے کس لمحے میں بات کر رہی ہو

80

1997, 1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 26

اپنے ہوش میں تو ہو؟“ زار یہ نے سحرش کو کڑے تیوروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

کر کہا۔
آخر تم مان کیوں نہیں لیتیں کہ دائق عیادہ
مفخص ہے جسے تم چاہتی ہو مگر تمہیں مجھ پر اتنا اعتماد ہی
نہیں کہ مجھے اتنا راز بتا سکو کیونکہ ہوں تو آج چھپو چھپی
..... کون ہی حقیقی مان ہوں۔“ زادیہ نے آٹھوڑوں
سے سمجھے میں کہا۔

”پلیز سمجھو..... ایسی دل دکھانے والی باتیں کیوں کر ہی سنی آج آپ..... ٹھیک ہے میں واقف کو پسند کر لی اور کرنی ہوں مگر یہ سب ایک طرف ہے اور وہ بھی نہیں جانتا کہ میری کیا Feelings ہیں۔“

”ارے داد میری منی سی بچی اتنی بڑی
 ہوئی۔“ زار یہ نے مسکراتے ہوئے کھنکھناتے ہوئے
 پٹا لیا۔

☆.....☆,
 سکندر کیخونوں کے لیے پاکستان آج

بجای آنکه

[illegible]

مجھے کسی لڑکی سے شادی کرنی ہی پڑ گئی تو اس کی پہلی ترجیح جو بلومنگ ٹاور دی ہوگی اسی لئے وہ اس سے ملنا اسے دیکھنا اور اس کی ذات کے پر اسرار گوشوں سے واقف ہونا چاہتا تھا مگر وہ ملنے پر آمادہ ہی نہ ہوتی تھی اور سکندر عجیب مشکل اور کنکشن میں پڑا ہوا تھا اور کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس پر مہر کی لڑکی کیسے فیس بک کی فرسٹی دنیا سے حقیقہ دنیا میں رکھے۔

عزیزہ کو نور کے سکندر کے لیے احساسات کا علم تھا مگر چاہیے منہ سے تو اس کے سامنے اس بات کا بھی اظہار نہیں کیا تھا کہ نور کے سکندر کے سامنے آنے پر اس کی آنکھوں کی چمک کی سرخی اور کچھ خاصوش رہنے والی زبان کی کھلی طرح ہر چیز پر غلط فہمی کی عرودہ نور کا ڈال جاتی تھی اور خود ہی پچھلی سیلٹ پہ بندھ جاتی۔ اور اس کی سیلٹ نور کے لیے خالی چھوڑ دیتی۔ شاید گھبرائے ہوئے بھی اس کی کوشش کو رد کردہ دونوں ساتھ ساتھ ہر اس پروردے کی طرح خوش ہوئی مگر سکندر اپنے ہی دل کی دنیا کو کھینچا کھینچا ہواں ہوں میں اس کی بات کا جواب نہ دے سکی۔ گھبرا کر اٹھ کر کوشش کرتا۔ یہ نہیں کیا بات تھی کہ اتنی خوبصورت ڈھن اور ساتھ ہی بڑی لڑکی کو اس نے بھی کرن کے علاوہ کسی اور نظر سے نہیں دیکھا تھا شاید گھر کی سرخی وال برابر والی بات تھی۔ کردہ اور دھرتی راتا ہر چیز کا نور و ہزاروں خوبیوں والی نور سے نظر ہی نہیں آتی تھی شاید جن لوگوں کے ساتھ میں آج تک یہ گھر میں غریب سے رہتے سب سے آئے ہوئے ہیں ان میں بھی کوئی خاص کشش اور انفرادیت محسوس نہیں ہوتی اور جس طرح والدین بھیانی اور دیگر افراد ہماری زندگی کا حصہ ہوتے ہیں اسی طرح اگر کوئی کرن وغیرہ اگر اس میں مضمون کی زندگی کا حصہ بن جائے تو سب کے سب دیگر افراد غنائت ہی کی طرح سمجھیں ہیں۔

والی جس نو سکندر نے دایہ کی تیاری شروع کر دی اس دن وہ اپنے کمرے میں اپنا پانسان پیک کر رہا تھا کہ بجھ بجھ کھٹکھٹا انداز میں کمرے میں داخل ہوئی۔ آہی آہی کہی ہیں آپ؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟" سکندر نے نجمہ کے زور زور پر خمردہ چہرے کو دیکر تشویش سے پوچھا۔

"ہاں..... ہاں ٹھیک ہوں ویسے بھی اب تو عمر کے جس حصے میں ہوں وہاں کچھ ہونہ ہوتا ہی رہتا ہے اب تو بس چل چلاؤ ہی ہے۔" نجمہ نے پوچھ لکھے کہا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ انی امریکہ میں تو آپ کی عمر کی خواتین خود کو جواں اور زندگی سے بھر پور محبتی ہیں اس لیے زندگی کی ہر سرگرمی میں ہرے طور پر حصہ لیتی ہیں۔ اور آپ بھی سے یوں ہو رہی ہیں ابھی تو آپ نے اپنے بچوں کے بچوں کو بھی اپنے ہاتھ سے بچا ہوا ہے۔" سکندر نے پیار سے اس کے سر کا پکے کندھے سے لگا کر کہا۔

"میرے بیٹے میں بھول رہے ہو کہ تم میرے بڑے بیٹے ہو جب تک میں تمہارے سہمے سے کچھ بچوں ملنے نہ دیکھوں میں کہاں اپنی ذمہ داریوں سے سکندر ہو گئی ہوں۔" نجمہ نے کھوٹے کھوٹے لہجے میں کہا۔

"ارے ای مجھے چھوڑیں تو تمہارا آواز بچی اور سیلائی آدی۔ میں کہاں شادی شدہ زندگی کی ذمہ داریاں اٹھا سکتا ہوں مجھے تو بس ایسے ہی رہنے ہیں۔" سکندر نے شرعاً لہجے میں کہا۔

"میں تو اس ہاں نا۔ میں کیسے اپنے سب سے زیادہ لاڈ سے بچے کیوں سے نکل مرام دیکھ سکتی ہوں۔"

"میں سے نکل مرام کب ہوں۔ ای اتنا کامیاب ڈاکٹر ہوں۔ انشاء اللہ چار سالوں میں

ہارٹ اسپیشلسٹ بن کر آپ کے پاس آؤں گا۔"

"ہاں..... ہاں تب تک بوڑھے ہو چکے ہو گے ہاں سفید اور آنکھوں پر سونے سونے شیش کی عینک۔" بچی نے مجھے نہیں چاہیے ایسا ہارٹ اسپیشلسٹ میں بہت ہو گئی پر حاتی۔ اب میں نہیں کہیں میں جانے دوں گی اب تم یہاں ہو گے میرے پاس شادی کرو گے اور میں تمہارے بچوں کو کھلاؤں گی میری زندگی کی سبکی چھانے۔" نجمہ نے دھڑکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے تو آپ ان کیمیزوں میں نہ بی ڈالوے تو بہتر ہے۔" سکندر نے بیک کی زپ بند کرتے ہوئے سختی لہجے میں کہا۔

"سنو..... سکندر اگر آپ تیرے ہی چلے گئے تا تو پھر جب تم واپس آؤ گی تو اس کہیں یہاں نہیں ملے گی تم لوگ کوئی قیامت تک اس دنیا میں رہنے کے لیے نہیں آئے۔" تنقیدی زندگی ہے اور اس میں ہر کام اپنے وقت سے پا پھیل تک پہنچ جائے تو اچھا ہے۔ اب تو تم نے باہر کی ترنی پانڈو دیا کو بھی دیکھ لیا کہ ہر ایک بات یاد رکھنا کہ ابھی یاد آتا اور خدمت گزار بیری نہیں اپنے لگ میں ہی مل سکتے کی تم شادی کر لو۔ میرے شک ساری زندگی بڑھتا رہتا۔ بس پورے ماں کی ایک آخری خواہش بھی پوری کر دو۔" اور پھر اپنی بات پوری کرنے سے قبل ہی نجمہ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر سکندر کے سامنے بیٹھ گئی۔ اور آنکھوں سے مسلسل آنکھوں کی برسات ہونے لگی۔

"اف..... ای یہ..... یہ آپ کیا کر رہی ہیں پلیز اسے اس بچے کو گناہ گار نہ سمجھیے۔ تم لگ ہے جو آپ جانتی ہیں وہی ہوگا۔ میں آپ کو کل تک ایک لڑکی کے بارے میں بتاؤں گا اگر وہ ماں کی تو ٹھیک ہے ورنہ پھر جہاں مرض میری شادی کر دیجیے گا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ سکندر نے ماں کے دونوں

ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگا کر جذبات سے رندھی ہوئی آواز میں کہا تو نجمہ ایک روئے تو نے ہنسنے لگی یہی اور آنکھوں کا شکم اس قدر دکھائی تھا کہ سکندر بے اختیار اس سے لپٹ کر پار کرنے لگا۔

پھر درات کوسوئے سے نکل سکندر نے ٹیس بک پر بلونگ فلارو سے رابطہ کیا اور اسے اپنی شادی کے فیصلے سے آگاہ کر کے اسے اگلے روز شام کو کینسل پارک میں ملنے کے لیے کہا اور وہ ماں کی تو سکندر کا دل تھوڑے سے بے طرح دھڑکنے لگا۔

مگر دوسرے دن شام کو وہ ایک ٹھیکہ بند کینسل پارک کی پارکنگ میں اپنی گاڑی میں بیٹھی بلونگ فلارو کا انتظار کرتا رہا مگر وہ نہیں آئی اور نہ ہی اس نے کوئی رابطہ کیا بلکہ ٹیس بک پر بھی وہ آؤں لائن نہیں ہوئی اس کی اس حرکت پر سکندر بے چارہ ہوا اور وہ کھینچا کہ ٹیس بک کی lake انداز میں وہ بھی کوئی ایسی ہی سستی کی وہ اس پر سرت سچ کر کھر لوٹ آ اور اس سے کہہ دیا کہ وہ جہاں جا رہی اپنی مرضی سے اس کی شادی کر دیں اور اس نے بے اختیار بیٹھے کی پانچویں چٹائی پر چوم لی۔

☆.....☆

ایک مقامی ہوٹن میں شاعرانہ تقریب میں واقع اور محرش کے کلاچ کی دم اور کردی کی شریانی شریانی سرخ خوبصورت کام داٹے شیلون کے سوٹ میں جلوہ محرش دل میں اتر جانے کی حد تک ابھی لگ رہی تھی۔ نیوی بلیو فٹری جین سوٹ اور میران ڈان کی لگنے والی بھی کوئی شہزادی لگ رہا تھا چونکہ دونوں کے دل میں کوئی شہزادی تھی کیونکہ کن پسند چوں سا کی پالے۔ اس لیے دونوں سرت و انبساط کے محسوس ان کے چہروں کو بھی چمکا رہا تھا خوشی ان کے آگے آگے سے پھولتی پر رہی تھی انجانے ہی میں ایک دوسرے کی جاہت میں گرفتار

ہو جانے والوں کو امید ہی نہ تھی کہ کبھی وہ ایک دوسرے کو پا سکیں گے۔ بغیر کسی کوشش کے قدرت نے ان کا ملاپ کر دیا تھا اس پر وہ جتنا بھی بھی پروردگار عالم کا شکر ادا کرتے تھے۔

"لگن جی ہوتا انسان جو جاتا ہے وہ اسے مل ہی جاتا ہے نا؟" آج پھر محرش کے ساتھ بیٹھے واقع نے سرگرمی کی تو جواب میں محرش نے شرابا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اب تو مجھے کون فتنے میں کوئی قیادت نہیں ہوگی تاکہ اب ہم کلاچ کے شری بندھن میں بندھ چکے ہیں۔" واقع نے بچکے سے اپنا کلاچ محرش کے ہنہدی لگے خوبصورت ہاتھ میں دیتے ہوئے استفسار کیا تو محرش نے جلدی سے کارڈ ہاتھ میں پکڑے سے چھوٹے سے خوبصورت فٹنس ڈائج میں ایک فٹنس خزانے کی طرح چھپا لیا اور ایک خوبصورت مسکراہٹ ہونٹوں پر بجا کر چھپا لیا۔

"ارے مجھے ہی تم اس قدر شری کیوں لگتا ہی نہیں کہ محترمہ نے یونیورسٹی میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور اور انٹرنل لیج میں ماسٹر کیا ہے تمہاری زبان بھی ہے کہ نہیں میرا مطلب بولنا آتا ہے نا؟" واقع نے محرش کی جامد خاموشی سے اس کا پوچھا تو جواب میں محرش نے اپنی بڑی بڑی خوبصورت سحر انگیز آنکھوں سے عموماً واقع جلدی سے گھر کر بولا "اؤکے۔ اؤکے۔ سو رہی۔"

پھر جب تقریب اپنے اختتام کو پہنچی تو واقع نے دھکی دینے کے انداز میں کہا مگر بیٹھنے کے بعد آدھے گھنٹے تمہاری سبز کال کا انتظار کروں گا۔" سمجھیں۔"

"آج نہیں..... میں بہت تھک گئی ہوں سخت نیند آ رہی ہے کل سے؟" محرش نے سختی لہجے میں کہا تو جواب میں واقع نے کہا چلو ٹھیک ہے آج

مکلی مرتبہ جنہیں اس قدر خوبصورت لباس میں میک اپ میں دیکھا ہے وہ تو ہمیشہ سلیڈ پر غبار اور سادہ سے لباس میں نظر آتی تھیں بہت اچھی بہت پیاری لگ رہی ہو مگر..... اور یہ کہ کردہ جلدی سے اپنی کاڈی کی طرف کی جانب بڑھ گیا اور عرش خوش اور فخر کے احساس سے اس کے شاندار سرسارے کو یک تک دیکھتی رہی اور پھر زار بی کے ساتھ ٹھہر کر کاڈی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور مستقبل کے سین ہونے آگھوں میں بسائے رخصتی تک اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ رخصتی اگلے ماہ میں تاریخ کو ہونا طے پائی تھی تاکہ شادی کی بھر پور تیاریاں کی جائیں۔ مسلمہ کے گھر میں پہلی بار خوشی کی تقریب ہونے جارہی تھی۔ بڑے بچے کی شادی بھی اور وہ اسے بھر پور طریقے سے منعقد کرنا چاہتا تھا دوسری طرف زار بی کے پاس بھی کسی قسم کی تکیاں بھی نہ تھیں ہاں وہ سب سے بڑی لڑائی لڑ چکی تھی کوئی کچھ ہیرے کر رخصت کرنا چاہتی تھی چونکہ وہ بچیوں کو رخصت کرنا تھا اس لیے زار بی اور فرحین کی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں۔ دونوں تقریباً روز ہی عرش کے ساتھ بازاروں کے پتھر لگاتیں رات کو دیر تک داق عرش سے فون پر باتیں کرتا رہتا عرش نے اپنی کالج کی ملازمت چھوڑ دی تھی کیونکہ داق نہیں چاہتا تھا کہ وہ ملازمت کرے۔ عرش ویسے بھی معروف رہنے کے لیے ہی ملازمت کرتی تھی ورنہ اسے ملازمت کی ضرورت بھی نہ تھی زار بی اس کی تمام ضروریات بخوبی پوری کر رہی تھی۔

”سنو..... عرش شادی کے بعد ہمیں مون کے لیے لندن جا جائیں گے یہاں کا بچہ چھوٹا دکھاؤں گا جہاں ہم نے اپنی اس کے ساتھ چھوڑ گا خوبصورت اور بھر پور وقت گزارا۔ کاش آج آج زندہ ہوئی تو کتنی خوش ہوئی کہ جس لڑکی کو پاپائے

عروج پر تھیں اور پھر وہ دن بھی آئی گیا جب عرش ہمیشہ کے لیے داق کی دہن بن کر اس کے گھر آگئی۔

دو مہینے بعد نور اور سکندر کی شادی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ برات چونکہ اسلام آباد سے آئی تھی اس لیے صرف قریبی عزیز و اقارب ہی کو مدعو کیا گیا تھا تیس پینتیس افراد ہی آئے تھے۔ عابدہ چوہدری نے برات کو پرل کائی نیشل میں استقبالیہ کیا۔ نور خوبصورت عروسی جوڑے اور ایک بڑے معروف بیوٹی پارلر سے تیار ہو کر بے حد حسین لگ رہی تھی۔ سکندر بھی سنہری شیرانی و لکسم شاہی جوتوں اور سفید مچوڑی میں بے حد صبح رہا تھا۔ البتہ اس کے سنجیدہ چہرے پر خوشی کا کوئی پر تو نہیں تھا وہ عروسی ہو رہا تھا جیسے مجبوراً دلہا بن کر آگیا ہو اس کے دل کی خوشی اس میں شامل نہ ہو۔ چونکہ برات اسلام آباد سے آئی تھی اس لیے اس دن میں نکاح تھا۔ ایک بچے کی برات پہنچا تھی اور پھر برات کے استقبال اور نکاح کے فوراً بعد کھانا سرور کیا گیا اور مختصر سی رسوم کے بعد شاد کو چم بیٹے برات داپہن روانہ ہو گئی اور نور ایک مرتبہ بھر ماں کے گھر سے رخصت ہو گئی۔ فیروزہ جیل کی ڈاک ہیں تو نور کے چہرے کی بلامیں لکھی نہ تھک رہی تھیں۔ البتہ سکندر کا اکھڑا اکھڑا انداز اور اترا ہوا چہرہ انہیں توشیح میں جھلا کر رہا تھا اس کے چہرے کی کھیرتا نے تقریباً سب ہی کو احساس دلایا تھا کہ وہ اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ ایک مرتبہ بھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار نہیں ہوئی تھی اور جو بھی اسے مخاطب کرتا ہے تھے انداز میں جواب دے کر خاموش ہو جاتا۔ اس کے اس دورے نے عابدہ چوہدری اور سکندر کو بھی پریشان کر دیا تھا مگر کیا سوچیں تھا کہ سکندر سے کوئی شکایت کی جاتی تو کہ بھائیوں اور بہنوں

کے ساتھ بھی بڑی سرسری سے پیش آیا۔ داق نے بڑی کر بھونکی سے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تھا مگر اس نے بڑی دکھائی سے اس کے سلام کا جواب دیا کہ وہ بے چارہ اپنا سامان لے کر رہ گیا۔ عرش زار بی کے ساتھ شادی کی تیاری میں پیش پیش رہی تھی مگر سکندر نے اس سے بات کر بھی گوارا نہیں کی کہتے ہیں تاکہ اگر کلنل میں اس جائے تو اس کا کتا بھی اٹھ جائے۔ چونکہ نور اس کے دل میں جب نہیں بنایا تھی اس لیے اس کے رشتے دار بھی سکندر کو پسند نہیں آتے تھے۔ سکندر کے اس رویے پر بھرا اور فیروزہ جیل کو بڑی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی وہ سوچ رہی تھیں کہ اگر وہ نور سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا تو ان کے لیے ماں کیوں گیا تھا۔ رات گئے برات گھر پہنچی۔ رات کا کھانا کھیلے ہی آڈور کر دیا گیا تھا اس لیے کچھ دیر میں ٹیفرنگ والوں نے سرور کیا اور چونکہ ایک ہی دن میں آنے جانے کی وجہ سے کچھ تھک کر چود ہو گئے تھے اس لیے کھانا کھانے کے بعد فوراً کتا بھی اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

عروہ نور کو اور سکندر کے کمرے میں بیٹے کے چمکے انداز میں جلد عروسی کے طور پر سجایا گیا تھا لے کر آئی اور اسے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی نڈولی رسم ہوئی اور نہ ہی کوئی ہلکے لگا لگا ایسے رنگے پیکھا استقبال پر نور کو اپنی بے حد چمک محسوس ہوئی کہ وہ کیڑا کرکٹ بھی دل سو کر گرہ نہ دی بھی وہ بیڑ پر بھی کسی بھی سکندر کے کمرے میں داخل ہوا اور تھکے تھکے انداز میں بیڈ کے قریب بڑی کر سی پر بیٹھ کر بولا۔ ”اف یہ ہمارے ملک کی فضول شادی کی رسمیں تھکا دیتی ہیں پھر ایک ہی دن میں اس کی دور کا سفر..... خیر..... یہ تیار اور دہائی کا گھنٹہ، یہ سانی نے دیا ہے اب تم چیخ کر کے آرام کر میں بھی سوئے جا رہا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے

پاؤں میں چکڑی ہوئی ایک چھوٹی سی دنیا سائینڈیکل پر
رہی اور پھر کر کے سے نکلتا چلا گیا۔
اور نور حیرت سے اپنے دولہا کی پشت پر
نظریں جمائے ملحق کرتے انگلیوں کی پیر سے
غیر حال اپنی ناکھری پر کم ہی ہو کر رہی۔ تو یہی
اس کی سہاگ رات۔
"نور ہی تو اور دو ایک ہجر کے منہ سے عشق
اس طرح تو ہو رہا تھا۔۔۔ اس کے دل داغ نے اسے
ڈانٹا تو وہ بے دردی سے آنکھیں رگڑتے ہوئے
انگلیوں کی لالا پونے لگی۔ کہتے ہیں نیند تو سولی پر بھی
آ جاتی ہے اور وہ بھی تو یوں کر دوتے دوتے دل کے
درد سے غم خالی سی۔۔۔ جانے کب نیند کی آغوش
میں چلی گئی۔
صبح اس کی آنکھ چڑیوں کی مخصوص چپکار سے
کھلی تھی۔
آنکھ کھلتے ہی اس کی نظر اپنے عروسی جوڑے
پر مچی جو پہنچے پہنچے ہی وہ سوئی تھی۔۔۔ اپنے اسے قیمتی
ہرماں ایل ڈرکس کا مشرد کچھ کر دل سوس کر رہی۔
جلدی سے اٹھ کر ہاتھ روم میں گئی اور وہاں
لگے بیٹھے میں اپنا حلیہ دیکھ کر ایک بار پھر رو پیڑی بہت
زیادہ رو دنے سے سکارا آئی لاسر اور آئی شیڈو نے
پورے چہرے پر گنڈہ ہو کر مجب سے نقش و نگار بنا
دے تھے انتہائی نیکے پونی پار سے لہن نے سبک
اپ کر اور ہاتھ اور جس شخص کے لیے اس نے اتنا مہنگا
برائیل پڑا دیں اور اس قدر قیمتی سبک اپ کر دیا تھا
اس لیے خود خوں پسند اور مغرور بندے سے نظر بھر کر
اس دیکھنا بھی گوارا نہیں پارا حال و راصل وہ تھی
بہت سے مشکل پسند شخص اور ناممکن منزلوں کے
متلاشی کوئی آسانی سے برسوں سے بھی بھالی ملنے
والی دلوں کا انٹیکٹ کر سکتی تھی پہلے شینا کے لیے
وہاں نہ بنا پھر ہاتھ نہ مل سکی تو پھر نہیں بک کر چھوٹی

دنیا کی کمین بلومنگ فلاور کی شخص پائیں اور پوشیں
بڑھ کر اس کے خواب دیکھنے لگا اور وہ بھی نہ مل سکی تو
اسے عورت ذات سے ہی نفرت ہو گئی۔ اور اس کی
نظر کا کھار سبے چاروں کو گھبرا کر جو عمر ہی سے
اس کی چاہت میں گرفتار تھی اور اسے پائے کے
خواب دیکھتی پر وہاں چڑھی تھی اور وہ بلا بھی تو ایسا کہ
اس سے بہتر کچھ نہ ہی ملے، کم از کم اس کی غربت کا
بھرم تو رہ جاتا۔ یوں تو وہ اپنی ہی نظروں میں نہ
گرجانی۔
نور نے ہاتھ روم سے نکل کر اپنی الماری کھولی
تو اس میں بہت سے عام اور خاص پہننے والے بلوسا
ت استری شدہ تھکے ہوئے تھے اسے بے اختیار
فریوزہ طیل پر بیٹھا دیکھا۔ فاما آپ مجھے اس قدر
چاہتی ہیں مجھے ساری زندگی کا کچھ کی طرح سنیاں کر
رکھا میری ایک ایک ضرورت کا خیال رکھا اور آج
دیکھیں آپ کی کالچ کی گڑا کو ایک تنگ کمر کی طرح
سہاگ رات میں ٹھکرا کر کرچی کرچی کر کے بے ہوش
لانا میں بھی آپ کی بچی ہوں میں آج کے بعد بھی
اس شخص کے لیے آسو بہاؤں کی نہاس سے محبت کی
بھوک مانگوں کی اور نہ ہی اس کے آگے بھوک کی دوا کیا
مجھتا ہے میں کوئی کرچی کرچی ہے ہوں تھے ساری
دنیا کے سامنے اپنا کر یوں ٹھوکر مار کر چلا گیا اب وہ
بہری محبت کو تو سے گھر میں اسے ہمیشہ ٹھکراؤں کی
نور نے ایک عزم سے خود دکھائی کی۔ پھر ایک ہلکا ہلکا
کاٹن کا سوٹ الماری سے نکالا سارے زیورات اتار
کر الماری میں اپنے سینف میں محفوظ کیے سکدر کی
دلی گئی دنیا کو کھولے بغیر باقی زیورات کے ساتھ رکھ
دیا اور پھر ہاتھ روم میں جا کر اپنے تپتے ہوئے سر کو
خشنہ سے پانی سے دھو بیٹھیں کیا اور ٹریش ہو کر لباس
تبدیل کر کے میں آگئی اپنے عروسی لباس کی
سلوشن درست کر کے اسے الماری میں پنگ کر دیا۔

پھر اپنے رب کے حضور جھک گئی۔ نماز پڑھ
کر سکون اور اطمینان کی لادال دولت سے چھوٹی
بھر کر مومن پر بیٹھ کر حالات کا م سے اپنی روح کو
غیرا پہنچائی اور پھر دعا مانگ کر نہایت مسکون
طریقے سے بیڈ پر لیٹ گئی اور پھر بعد نیند کی نرم
دل دیوی نے اسے اپنی آغوش میں سیٹ لیا۔
نور جانے کب تک یوں ہی فرسوس رہی تھی کہ
فریوزہ طیل نے آ کر اسے چھوڑ کر چکا دیا۔
"اور میری شہزادی اس قدر گہری نیند میں
مدھوش ہے کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا
گیارہ بج رہے ہیں اور تم نے بار بار بھی جانا دے دیے
کاٹکشن دن کا ہے بھول گئیں کیا۔"
"اوہ ہوتا جانی۔۔۔ میں میں ابھی فریش ہو کر
آتی ہوں۔"
"اچھا جلدی سے تیار ہو کر بیچے آ جاؤ میں
نے ناشتہ منکولایا ہے سب کچھ تم دونوں کا انتظار کر
رہے ہیں۔ یہ کہہ کر فریوزہ طیل جلدی سے کمرے
سے نکل گئی تو فریوزہ طیل نے ہاتھ روم میں چلی گئی
اور ایک قدر سے منشی قسم کا لباس پہنا ایک سبک اپ کیا
اور بیچے چلی گئی۔ وہاں سب لوگ ہی لاؤنچ میں بیٹھے
تھے سکدر بھی سفید کافن کے کرتا شلوار میں دل میں
اتر جا بنے کی حد تک اچھا لگا ہاتھ دے سکر اسکرار کر
اپنی ماں اور بھائی بھینوں سے باتوں میں مصروف تھا
یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اور اس نے ایک معصوم
لاکے کی جذبات سہاگ رات کو اس بری طرح
پال نہ کیے ہوں۔"
"سر سکدر میں نے بھی تہجد ہی بے بہرہ ہے
والی مسکرا کر تھہارے کپوں سے توجہ ڈالی جو تو
میرا نام بھی نور نہیں۔" نور نے اسے نفرت سے دیکھ
کر دل میں کہا اور خود بھی اپنے جیسے کمرے میں
سکراہٹ سے روشن کر کے سب کی جانب بڑھی۔

کچھ بعد ہاتھ نہ بڑے سے ڈانٹنگ ٹیکل پر
لگ گیا اور وہ بھی اپنا ناشتہ لے کر کہاں جگہ کی بیٹھ کر
ناشتہ کرنے لگے سب کی کشش تھی کہ نور اور سکدر
دونوں اٹھنے بیٹھ کر ناشتہ کریں اس لیے اس کا ناشتہ
لاؤنچ میں ہی سینئر ٹیکل پر لا کر رکھ دیا گیا اور دونوں
بڑی خاموشی سے ناشتہ کرنے لگے۔ نہ سکدر نے نور
کی طرف دیکھا اور نہ ہی اسے مخاطب کیا اور بظاہر نور
نے بھی اسے نظر انداز ہی کیا۔
ناشتے سے فارغ ہو کر نور اپنا دایسے کا ڈریس
اور زیورات لے کر عروہ کے ہمراہ پار چلی گئی۔
گاڑی عروہ کا شوہر ذرا نیوکر رہا تھا۔ راستے میں بھی
نور سے پیچھے چھا کر رہے تھے اور وہ یوں شرم سے
چھوٹی سوئی بنے کی اچانک کمر ہی تھی جیسے اس کو کون
چاہی ہوئی کاروبار دیا گیا ہو۔
بعض اوقات انسان اس قدر بے بس اور
مجبور ہو جاتا ہے اور اپنے اندر کے دکھ اور درد کو چھپا
کر ہنسا سکرنا بھی پڑتا ہے اور ایک تنگ کمر کی پڑتی
ہے دل خون کے انگ بھار ہوتا ہے اور آنکھیں
اور بوٹ معنوی خوشی کا تاثر دے رہے ہوتے
ہیں۔
سرخ کام والی میکی خوبصورت ہم رنگ
زیورات اور نفاس سے گئے کیے سبک اپ میں نور
بے حد حسین لگ رہی تھی سکدر بھی سہاگ رات ہی
سوٹ پہنی اپنی تمام تر دیا جوں کے ساتھ نور کے
ساتھ اٹیچ پر ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں
قریب قریب بیٹھے ہونے کے باوجود ایک دوسرے
سے میلوں دور تھے۔ دونوں ہی تمام مہمانوں کی توجہ کا
مرکز بنے ہوئے تھے نور دوست احباب انہیں
تحائف پیش کر رہے تھے اور ان کے ساتھ ہاتھ دیر
داد کا عائد چھ پر چھری اپنے بیٹوں جی داد
بھائیوں ان کے بچوں اور دیگر عزیز و اقارب کے

اگر وہ مطالعہ اور فروغ کے نو کروں سے لدی
پسندیدہ آئی نہیں۔ واداد اپنی کے لیے یہی تحائف
ہی لے کر آئی تھیں بنی سے واپس نہ طور ملی تھیں
عروش اور واقعہ میں بہت اچھے لگ رہے تھے۔ سبھی
نے سکندر اور نو کو قیمتی تحائف پیش کیے تھے سکندر
مسکرا کر سب سے مل رہا تھا یوں جیسے اپنی تمام نہاد
شادی سے بے حد خوش ہو۔

”آپ بھی تو غائب تھے۔“
 ”آں..... ہاں میں۔ میں تو تم سے ناراض
 تھا اس لیے۔“
 ”کیوں ناراض تھے؟“
 ”تم اس دن آئی کیوں نہیں تھیں، میں پورا
 محنت بہار انتظار کرتا رہا تھا۔“
 ”مجھے جسی اچھا لگی اس لیے۔“
 ”مکمل؟“

استحقاق سوال کر کے اسے مارنا ضروری تھا۔
اس کے بعد اس نے معذرت کے کئی مسیج
ناب بھیجے تو تب کہیں جا کر وہ اپنا غصہ ختم کر پڑا
ہوا۔
پھر روز ہی رات کو دونوں دو تین گھنٹوں تک
چنگ کے کرتے رچے سکدے نے اسے بتایا تھا کہ اس
نے اسے شادی کی غرض سے بات کرنے کے لیے
بھیجا تھا۔

شادی کرنے کا نہیں سوچا تھا۔ وہ..... میں نے یہاں ایسی لڑکی زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی جس نے مجھے اس قدر متاثر کیا تھا کہ میں سیریلی اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ مگر جب پاکستان آیا تو ماں کے اصرار کے سامنے سر جھکا پڑا اس شادی میں میری پسند شامل نہیں۔ ”وہ بہت اچھا ہوا ہوا تھا۔“

”جی آپ نے کیا بات ہے؟“ نور نے لڑکھائی ہوئی آواز میں پوچھا۔
سکندر سر موڑ کر کڑے تیروں سے کچھ بڑبڑایا۔
”نیک اس کے حواساں چہرے کو گھومتا رہا۔ پھر نے تلے قدموں سے اس کے قریب آیا اور اس کے نازک کانوں پر اپنے ہمارے ہاتھ رکھ کر ایک ہاتھ سے اس کی پیشانی پر بے ترتیب زلزلوں کو کھینچنے ہوئے بولا ”تم نے مجھ سے یہ سب کیوں چھپایا کہ تم ہی بلوئنگ فلاور ہو؟“

”آپ نے پوچھا کہ کیا؟“
”تم نے خود بتا دیا تھا۔“
”میں کیوں بتاتی؟“
”مجھ سے نیٹ پر تو تھنوں کے حساب سے چیونٹیاں کرنے پر اعتراض نہیں تھا مگر اپنے ہی شوہر کو اصل بات بتاتے ہوئے.....“

اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔
”اوہ تو بڑی جلدی احساس ہو گیا آپ کو شوہر اور بیوی کے شے کا؟“ اس کا بھڑبھڑا ہوا چہرہ نظر آیا۔
”پچھلے..... مجھے تو احساس ہو گیا کہ تم نے جانتے بوجھتے مجھے لاعلمی کے اندھیروں میں ناک ٹوئیاں مارنے کے لیے چھوڑ دیا۔“ سکندر نے اپنی خوبصورت براؤن آنکھیں اس کے سینے چہرے پر مرکوز کر کے کھردرے لہجے میں کہا ”اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں آپ کو یہ بتا دیتی کہ میں ہی بلوئنگ

نظر محمد خان ظفر

دیس میں اُس کے نکلا چاند
دیکھ کے اُس کو چکا چاند
عکس تھا اُس کا چاند کے بچ
شب بھر نہیں نے دیکھا چاند
جاگ رہا ہے ساری رات
پیار میں اُس کے پگلا چاند
کب تک سہتا! جبر کا غم
پڑ گیا آخر پیلا چاند
مجھ کو تڑپا دیکھ کے ، دوست!
شب بھر خود بھی تڑپا چاند
جانے دل پڑ کیا مگر وہ
جبر کی شب اور تنہا چاند
پیاد سے ماں نے چھپکی دی
بچیلی رات ہے سو جا چاند
کب تک دیکھوں دور سے نہیں
گود میں میری آ جا چاند
ساتھ نظر کے چاند پہ چل
تیرا میرا سینا چاند

ہوتی رہتی ہوں کہ اب یہ نہیں کہ آپ سے آپا
سے اور دونوں بھائیوں سے ملنا ہو مجھے آپ سب
بہت یاد آئیں گے اور اپنی بات ختم کر کے وہ ماں
کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے گی۔ یوں دل
کی لگی آگ کو آنسوؤں سے بجھانے کی کوشش کرتی
اور عایدہ جو درمیانی میں اس کی بات کو بچھ کر خود اس
کے ساتھ رونے لگ جاتی۔ اگرچہ اسے انہوں سے
دور جانے کا دکھ تھا مگر سکندر کی بے انتہائی کادھ کر
جذبہ سے بڑھ کر تھا جس نے اسے اندر سے تو ذکر
دکھ دیا تھا اور وہ اپنی دلی کیفیت اور احساسات
دوسروں سے پوشیدہ رکھنے کی سعی میں بے رحمتی ہو
کر رہ جاتی تھی۔
چند دن ماں کے ساتھ رہ کر نور واپس چلی
آئی۔

ایک رات نور اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ پر
اسٹڈی میٹل پر درکے نیٹ پر مصروف تھی۔ اور دوسری
طرف سکندر کے لیپ ٹاپ میں کوئی خرابی ہو گئی تو وہ
اس غرض سے نور کے کمرے میں آیا کہ اس کا لیپ
ٹاپ لے کر بلوئنگ فلاور سے بیچ کرے۔
نور لیپ ٹاپ آن چھوڑ کر ہاتھ روم میں گئی
ہوئی تھی اور سامنے لیپ ٹاپ پر ان کی اس میں سکندر
اور بلوئنگ فلاور کی چیٹ تھی۔ آخری میسج کو احوورا
چھوڑ کر وہ ہاتھ روم کی ہوئی تھی۔
مجھے کے ہزاروں دھڑکنے میں سکندر پہ عجیب سا
اکتشاف ہوا اور وہ دسے پاؤں جس طرح کمرے
میں آیا تھا وہی ہے لیکن اس کا اور پھر کچھ پر بعد اس نے
نور کے موبائل پر کال کر کے اسے اپنے کمرے میں
آنے کا حکم دیا۔
اور نور رات کے اس پہر اس اچانک طلحی پر
قدر سے گھر گئی ہوئی اس کے کمرے کی جانب بڑھی اس
نے ہندو رات سے پہلے سے دھندل دی۔

فلانہ ہوں تو پھر میں آپ کے لیے قاتل قبول تھا، ایک فرضی نام کی لڑکی کو آپ برسوں سے محبت کرنے والی تھی جاتی لڑکی کو جو اتفاق سے آپ کی بیوی بن چکی تھی پر ترجیح دیتے تو نور پھر کہاں جاتی جیسے دہن بنی چھوڑ کر آپ نہایت تکبر سے ٹھہرا کر چلے گئے آپ بتائیے..... اگر آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟“

نور نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

اس کے اس سوال پر ایک لمبے کو سکندر بڑا سا کیا اور پھر ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا۔

”میں جانتا ہوں کیوں کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی مگر تم میری ذاتی کیفیت سے آگاہ نہیں ہو، اور دلوں کیوں کہ وہ ذاتی کے بعد میری ذاتی کیفیت عجیب سی تھی۔ میں اندر سے بری طرح ٹوٹ کر ٹھہر چکا تھا تم سے شادی میں نے محض اس کی خواہش پر کی تھی، مجھ جیسے شخص جس پر لڑکیاں پروانہ دار ٹار ہونے کو ہر گز تیار نہ تھیں ہوں وہ یوں ٹھہرایا جائے تو وہ تو بالکل ہی بوجھ بن جاتا ہے اور پھر تمہارے سرد بہری کے انداز نے مجھے احساس دلایا کہ شاید تم بھی مجھے اپسند کرتی ہو اس لیے میری بے دردی پر شرم نے کوئی احتجاج کیا نہ میرے سامنے ردی چلا میں۔ اس لیے میں اور بھی تمہیں نظر انداز کرنا چاہتا تھا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم نے شادی محض چھپو اور اسی کے سمجھانے پر کی ہے ورنہ تمہیں مجھ سے کوئی لگاؤ نہیں.....“

”کون کہتا ہے؟“ نور نے ایک دم اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”اچھا..... تو تم پسند کرتی ہو مجھے؟“ سکندر نے فحشی اپنے ہونٹوں میں باک شروع لہجے میں کہا۔

”کیسے کہا میں نے؟“ نور گڑبڑا گئی۔
”مجھے لڑکی جو بھی کتنی ہو پسند کرتی ہو کبھی نہیں..... مجھے کچھ نہیں جیسو آدھی.....“ سکندر نے اچھے لہجے میں کہا۔
”آپ کو مجھ آنی بھی نہیں اپنی ذات کے حصہ میں متیار اور زنجیرت کے شکار لوگوں کو کبھی دوسروں کے جذبات و احساسات کا احساس نہیں ہو سکتا۔“ نور نے غصے لہجے میں کہا۔

اور پھر واپس جانے کے لیے مڑی تو سکندر نے ہاتھ بڑھا کر اس کا نرم و نازک ہاتھ قلم لایا اور سرگوشی کی۔

”اپنی شکل سے تو پتا ہے میں نے تمہیں اور تمہاری محبت کو..... اب تو میں نہیں کہیں نہیں جانے دوں گا۔“

نور نے خوشی سے قہقہہ دہن دل کی دھڑکنوں کو سنبھالنے ہوئے آنکھیں موند کر اپنا سر سکندر کے مضبوط سینے پر ٹکا دیا۔

☆☆☆

زارہ کی بچ کی درخواست منظور ہو گئی تھی اور وہ خوش خوش اپنی زندگی کی اہم خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ ویزہ گلوٹا، اپنا میڈیکل چیک اپ میڈیکل شیفٹ کے دغیرہ جلا۔ یہ سارے کام کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنا زیادہ تر وقت عبادت میں ہی گزار دیتی تھی۔ حج پر واپسی کے چند روز پہلے اس نے کانچ سے واپسی پر گردن توڑ بنار کا انجکشن لگوا یا پھر شرمین کی طرف چلی گئی۔

رات کو کافی زیادہ عجز و رشتے والوں کو حج پر جانے کی مبارکباد دینے آ رہے تھے۔ شرمین نے اپنی بیٹن کے ساتھ ٹی کر کھانا تیار کیا۔ اسی اثنا میں مہمان بھی آ گئے سب نے ٹی کر کھانا کھایا اور عشا کی

غماز سے فارغ ہو کر سب لوگ رات کو در یک چکر خوں چپان لگاتے رہے۔

بارہ بجے مہمانوں کو رخصت کر کے زارہ نے گھر کے دروازے بند کیے دشوکر کے بیچ لے کر اسے بستر پر آرام دے اور زارہ کو بیوی ذکر کرتے کرتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ اس نے براہیج سا خراب دیکھا بلکہ اسے تو سب حقیقی ہی محسوس ہو رہا تھا اس نے دیکھا کہ وہ انتہائی تیز کر کے حد پر سکون اور روشنیوں سے گھر سے میدان میں ہے اور پھر درشتیوں ہی میں اسے ایک نورانی حسی کا وجود نظر آیا جس نے اسے غائب کر کے کہا۔

”اے اللہ کی نیک بندی تم اس دنیا میں بالکل تیار ہو گئی ہو تا سب تمہیں چھوڑ گئے ہیں مگر تم فکر نہ کرو ہمارا اللہ موجود ہے وہ تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا تم فکر نہ کرو۔“

اور پھر ایک دم زارہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا سارا جسم سینے میں بیچا ہوا تھا اور پھر اسے عجیب سی بے چینی اور گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ پیٹ کے اوپر کے حصے میں شدید درد ہو رہی تھی اس نے جلدی سے پاس پرے سے سایڈیکل پر بڑی جوش سے گلاس میں پانی اٹھا دیا اور ایک ہی سانس میں پورا گلاس پی گئی۔ مگر بے چینی اور گھبراہٹ ختم ہی نہیں ہو رہی تھی اس نے سامنے والا کلاک کو دیکھا۔ رات دہڑھ بجے تھی کونوں تک وہ اپنی گھبراہٹ اور بے چینی پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔

پھر وہ لڑکھڑاتے دموں سے بفرے اتاری اور باہر کا گیٹ کھول کر کچھ فاصلے پر اپنے بکین میں بیٹھے چوکیدار کو پکارا ”گل خان، گل خان۔“ اس کی تکلیف کی شدت سے بہت بلی آواز نکل رہی تھی۔

گل خان تک اس کی آواز تو نہ پہنچ سکی مگر اس نے

اسے گیٹ پر سہارا لے کھڑے دیکھ لیا وہ جلدی سے آیا ”کیا بات ہے باجی تم ٹھیک تو ہونا“ گل خان نے تسلیس سے پوچھا۔

”نہیں..... نہیں گل خان میری طبیعت بہت خراب ہے۔ بہترین تیز داما میرے بھائی کے گھر کی محنتی بھارے اسے بلا دو۔“ زارہ نے تکلیف سے کہا ہے ہوئے کہا۔

”اچھا..... اچھا..... باجی ام بلاتا ہے اسے تم اندر جاؤ۔“ گل خان نے کہا اور پھر اوپر جانے والی سیڑھیوں کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ زارہ نے لاؤنج میں آ کر مونس نے پر غر حال ہی کر پڑی تھوڑی دیر بعد گھبراہٹ اور شہود آ گیا۔ اس نے جلدی سے گاڑی نکالی اور زارہ کو سہارا دے کر گاڑی میں بٹھلی سیٹ پر گھسائی کے سہارے لٹایا اور گاڑی تیزی سے ہسپتال کی جانب دوڑادی۔ ایمرجیسی میں جھٹکتے ہی زارہ نے زور سے ہنسی کی اور اس کی روح نفس عفری سے پرواز کر گئی۔

شہود اور راجہ دھکا کھڑے رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ زارہ یوں انہیں چھوڑ جائے گی.... ساری زندگی جس نے دکھوں اور تنہائی کے ساتھ گزار دی تھی اسے تمام رشتوں کا خیال رکھا سب کی سرپرست رہی، ساری عمر بچے سے کہ آج سب لوگ اپنی زندگیوں میں نکلے اور خوش ہیں اور زارہ بھی اب پر سکون ہو گئی اور یوں اس کی زندگی کا تنہائی کا سفر ختم ہوا۔ زندگی کی اصل حقیقت بھی یہی ہے اور اگر کسانا سمجھے تو موت بھی اللہ کا انعام ہے کہ ساری زندگی کی بھاری دوز کھانا کامیاب موت سمیت لیتی ہے اور بندہ بھر پور سکون ہو جاتا ہے۔

(ختم شد)

اپنے حصے کا دیا

16 دسمبر... وہ سیاہ ترین دن ہے جو شاید اب کبھی ہماری یادداشتوں سے محو نہ ہو سکے۔

سادا آری پبلک اسکول پر لکھی ایک خوبصورت تحریر

بچہ کی صبح کی اداسی مت پوچھ تجھ سے پہلے بھی کئی دفعہ تھے سینے میں مگر

جتنی کرکٹیں ہیں وہ اشکوں کی طرح پھوٹی ہیں اب کے وہ درد ہے دل میں کہ کس لڑکی ہیں



رات کو اشک رہے دامن مڑگاں سے اصر
کشتیاں شب کو کنارے سے کہاں پھوٹی ہیں
دن گزرتے جاتے ہیں۔ شام کے سائے
ڈھلتے جاتے ہیں اکڑ دکھ رفتہ رفتہ افسانہ بن کر محض
غش بنے رہ جاتے ہیں مگر کچھ دکھ درد بڑے دم
اور ثابت قدم ہوتے ہیں اور دل کی سرزمین پر بھی
خشک نہیں ہوتے بلکہ ہر سال اس لکڑی اس لکڑی سے اس
طرح، دغم برے ہو کر رہتے گتے ہیں جیسے کاڑی
واردات آج کی ہی بات ہو۔ پیر سے دل کا
نہاں خانوں میں بھی ایک ایسا ہی دغم ہے جو ہر سال
دہری کی آمد پر سٹے لگتا ہے مگر گزشتہ سال اس درد
نے مجھے ایک نئے موز لاکھڑا کیا، آخر تک
سوگ مناد گئی کب تک محض آنسوؤں میں دوب کر
نوحہ خوانی کرتی رہو گی۔ مشتاق احمد پوٹنی درگشت
میں دم طراز ہیں "ہر دکھ پر عذاب کے بعد زندگی
آوی پر اپنا راز کھول دیتی ہے جیسا اور جتنا اور جس
کارن آدمی کو دکھ پہنکتا ہے وہ ایسا ہی مجید اس پر نکلتا ہے
نروان، دھوڑنے والے کو نروان مل جاتا ہے۔ اور جو
دنیا کی خاطر کٹ اٹھا ہے تو یہ دنیا اس کو راستہ دیتی
چلی جاتی ہے۔"

میں کس مریم مجھے شہناز عاطف کہتے ہیں۔
ڈاکٹر شہناز عاطف داس پرنسپل گورنمنٹ یونیورسٹی
آف شادور۔ "وہ گویا ہوئیں اور اپنا ہاتھ میری
طرف بڑھایا تو میں وچیں سے ہماری دوستی کا آغاز
ہو گیا۔ پروفیشن ہی کیساں نہیں ہماری باہمی دلچسپیوں
اور شغلیات میں بھی ہم اپنی محسوس ہوئی اور
دو گھنٹے کی مختصر مسافت دوستی کا ایسا سنگ میل ثابت
ہوئی جو آج تک دل کے نہاں خانوں میں براہجان
ہے۔ شہناز عاطف مجھ سے عمر میں پانچ چھ سال بڑی
ہی ہوں لیکن مگر بہت خوش مزاج اور زندہ دل میرے
ہاتھی کی طرح یادوں نے میرے حراج کو بہت حد تک
ریزد اور اشک کر دیا ہے، مجھے بہت کم لوگ پسند

آتے ہیں مگر شہنازی کی گفتگو انداز نشست و برخاست نے بہت جلد سمجھنے ان کا گرویدہ کر دیا اور پھر میرا ان سے اکثر فون پر بھیجی ایک پر رابطہ رہنے لگا۔ شہنازی پر پندرہ سی پڑی پھر میں گمران کی خواہش بھی انہیں کسی اسکول میں جا بھل جانے اور وہ بچوں کی تربیت اور دیگر بیکٹر فلڈنگ میں بحیثیت استاد تدریس کے فرائض انجام دیں۔ ڈبل سائز ڈائمنڈ فل۔ بی ایچ ڈی کی ڈگری لینے کے بعد ان کی یہ خواہش سمجھے عجیب ہی لگتی ہیں ان سے لالچہ جان اور وہ سکر اسکراد اپنی ہی بات پر اصرار کرتیں۔ پھر ایک روز لاہور ان کی آمد پر بڑا خوشگوار دن تھا جب ہم مل کر بیٹھے اور ایک دوسرے کے ساتھ حال دل شیر کر رہے تھے۔ وہ بہت دلچسپی سے میری راج کمانی سن رہی تھیں اور میں زور دیتی جا شکار آٹھوں میں آٹسو لیے دل کے زخم دھیرے دھیرے عیاں کر رہی تھی۔ آپ سوچ سکتی ہیں ٹیکس کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے ایہوں کا کیا گناہ انہیں ہو جاتا ہے کہ یہ سب سے سب سے بھول نہیں سکتی کہ وہ کا ساتھ جب پاکستان کی دولت ہوا۔ اب جان ایک مضبوط اعصاب کے مالک انتہائی محبت و مہنہ اور فکس انسان تھے۔ مغربی پاکستان ہو یا مشرقی پاکستان ہر جگہ اپنے فرائض بخوبی انجام دیتے رہے۔ فون میں حکومت ان کی یہ زندگی خواہش کی جب وہ پوری ہوئی تو گویا نصف فیکٹری کی دولت مل گئی۔ اسی سادہ طبیعت گھر پھر بکھر رہی ہوئی خاتون۔ ہم چار بہن بھائی اب جان بھی ہمیں ساتھ لے کر بیٹھنے جس کا موقع شادی فیصیح ہوتا تھا کہ ان کی تعیناتی جیسی کہیں تو نہیں ہو تھیں بہت فخر سے بتاتے کہ ان کی زندگی کتنی با مقصد ہے اسے وہ دن کی سرحدوں کی حفاظت ان کا فخر ہے اور یہی فخر وہ اپنی اولاد میں منتقل کرنا چاہتے ہیں ہم بھی بڑے مزے سے ان کی تائید کرتے۔ بھائی نیوی اور آری میں

جانے کی دعا کرتے اور میں ان کے فون میں خود کسی جاہاز جاہ خاتون کے روپ میں دیکھتی اور اب جان ہمیشہ میرے خواب میں کرکندہ جانتے تھے تو مجھے میں جی اگلی شہنازی میری بات سننے میں اس قدر گرم کہ میں فون پر رکھے رکھے خندہ کی ہوجاتی گمران کی حکومت میں فون نہ آتا۔ تب مجھے آپ ہی ہوش آتا۔

”ارے میں بھی نا! اب اپنی یادوں میں ہی کھوجاتی ہوں۔ میں شرمندہ ہوتی اور چائے دوبارہ گرم کر کے لے آتی اسی اثنا میں میری بیٹی مجھ پر حسب عادت لاؤنچ میں آتی تو بیوی کو کھول کر بیٹھ گئی۔ شہنازی ان دنوں چھینوں میں میرے پاس چند دن گزارنے آئی تھیں لہذا ہم خوب فرحت سے باتیں کرتے اور ایک دوسرے کا دکھ بٹھتے۔

”مجھ پر بیٹی! کون سا دامہ اس قدر دلچسپی سے دیکھ رہی ہیں۔“ شہنازی نے مجھ کو جھٹل بدلنے دیکھا تو پوچھا ”آئی جان کوئی بھی نہیں سارے ڈرامے ایک جیسے ہی آتے ہیں مجھے تو کوئی بھی دلچسپ نہیں لگتا۔“ مجھ پر بڑا زاری سے جھٹل بدلنے ہوئے منہ بنایا۔ جو ڈرامہ دیکھو عورت پر ظلم۔ مرد ظالم ایسا لگتا ہے پاکستانی معاشرے میں صرف ظلم و ستم ہی رہ گیا ہے اور کوئی موضوع ہی نہیں۔ پڑی ملک کے ڈراموں میں اپنی تہذیب اپنے گھر کو اتنا فخر ہے دکھاتے ہیں جبکہ ہمارے یہاں صرف اپنی معاشرت کے برے اور فتنی پہلو ہی دکھاتے جاتے ہیں۔ میرا دل بہت بزدل ہوتا ہے۔“

مجھ پر ایک گفتگو نے شہنازی کو کچھ متوجہ کیا ہوا تھا اور وہ اس کی بے چینی محسوس کر کے حسب عادت اسے سمجھانے لگیں۔ ”جنا آپ کا یہ تقدیر جانتا تو اس بات کا اشارہ کرتا ہے کہ آپ ڈرامہ لکھنے اور اس کے معاشرتی اہم موضوعات کو سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہیں۔ ماشاء اللہ! آگے کیا ابرادہ ہے بیٹی کا۔

مریم۔۔۔ اسے بھی ڈاکٹر بنانے کی خواہش تو نہیں۔“

آخری جملہ شہنازی نے مجھے مخاطب کر کے کہا کیونکہ میرے بڑے دو سونے ام کی بی بی انش کر رہے ہیں مجھے سے پچھلے میرے لیاہت سے کہا۔ ”آئی پائیز می کو کھانجا!۔۔۔“ میں نہیں پڑی۔

”میں نے نہیں پڑی پڑی سانس میں کچھ اور پڑھنا جانتی ہوں۔۔۔۔۔ شہنازی کی نظریں اب میری طرف تھیں۔ ”بھئی! بھئی تو یہ صرف بیکرک میں ہے آگے فیلڈ کر سکتی ہے مگر آگس پڑھ کر نہ کیا ہے مجھے سمجھ بھی نہیں آتا!“ میں نے کندھے اچکا گئے۔

”تمہاری اس سوچ پر تو مجھے حیرت ہو رہی ہے مریم۔ کیا سائنس پڑھنے والے ہی سمجھ جاتے ہیں جیواور کیا ڈاکٹر اور انجینئر ہی کوئی مقام رکھتے ہیں یا سب غیر اہم ہیں دیکھو سارے ملک میں جب سائنس کے ہی سبکدوش پڑنے لگ جائیں گے معاشرے میں سیاست کرنے کے صحافت کرنے والے معیشت سنبھالنے والے یا تدریس کا شہید سنبھالنے والے ایسے ہی لوگ رہ جائیں گے جو ان کی غیر تعداد میں ملک کی باگ ڈور سنبھالنے بیٹھے ہیں بھئی ان شہید جات میں بھی باصلاحیت افراد کو آگے آنا پڑے۔ ہر گزیر ہم میں صلاحیت اور ذوق ہے تو اسے مان کر نکلیں یا صحافت میں ڈگری دلواد یہاں بھی باشعور لوگوں کی ضرورت ہے۔“

شہنازی کی بات دل کو کی اور ایسی ہی کہ آج مجھ پر ایک معروف اخبار میں معروف کالم نگار ہی نہیں ایک فیلڈ اپنی فیلڈ میں کامیاب اور محب وطن باصیت سمجھائی گئی ہے۔

آ۔۔۔ کیا کیا اور کون شہنازی کو جو علم ہوا کہ میرے باپ جان ان کی جنگ میں شہید ہوئے اور آخری وقت تک پاکستان کی تقسیم کے لیے راضی نہ تھے۔ تو پڑے تھے۔ دوتے تھے۔ سیاسی دھمکی

تیاقوں کی بے تدبیری اور کوتاہ گامی نے کی ایسے معصوم گمنام بچوں کے لیوکر انہیں کڑوا کر صرف اور صرف پاکستان اور اسلام کی بچا چاہتے تھے۔ ہمارے لیے تو اب جان کی شہادت اور پاکستان کا دلخت ہونا اپنا انسانک واقعہ تھا جو ہماری روح کے اندر جوست ہو کر رہ گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد ہی ای جان کی رحلت۔۔۔ یہ ہم بہن بھائیوں کے لیے شدید حسرت اور روحانی دھچکا تھا۔ اس وقت بڑے بھائی تھیں سترہ سال کے تھے اور میں محض سات سال کی تھی۔ سارے خواب بکھر گئے ایک گمنام سپاہی کی اولاد میں کس کسیر میں پاکستان یہاں لاہور آئیں اور کس حالات میں تعلیم حاصل کی روتے دھوتے کئی کئی فائے کرتے بھائی بڑی شکل سے دیکھنے حاصل کر کے سول سروس میں پہنچے اور پھر کئی لاکھ بنائے شہید کامیاب ہوئے اور ایک ایک ملک داستان ہے شہنازی یاد کرتے ہیں بار بار بچپن سے رو دیتی۔ میری اکولی بیٹی مجھ کو یہ سب اذرا تھا مگر شہنازی نے جب میرے درد کو سنا اور سمجھا تو بڑے پیارا درد برانہ انداز میں سمجھایا کہ سرگرم سامنے زندگی کے ساتھ ساتھ میں کر رہی نہیں تو ڈنٹے کے لیے نہیں رہے جوڑنے کے لیے آتے ہیں۔ غم کی کیر کو اٹکی پکیرتے رہو تو دگر فخر ہے ہوجاتے ہیں کیوں نہ اس کیر پر اپنی کسی نیکی کا بھیا کر دیا جائے کہ ذمہ مندل ہی ہوجائے۔

شہنازی نے مجھے رمان سے سمجھا اور میں بھی گویا پھر سے بی اگلی اسی دوران مجھے اپنے ارادے میں چند کامیابیوں کی داخلی سیاست کی بنا پر یہ خلافت اور خوشگوار احوال کا سامنا کرنا پڑا میرا دل بہت برا ہوا میں نہ ٹھہر آتے ہی فون سنبھالا اور شہنازی سے بات شروع کی۔۔۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا آگے جانے کیا ہیں نہ خود ہمیں سے جیتے ہیں نہ جیتے دیتے ہیں یہ

جواب میری ضرورت نہ ہوئی تو میں کب کی چھوڑ دیتی مگر مجبوری ہے تم تو جانتی ہو ضروریات زیادہ اور آمدنی محدود..... جو جاب کی شہین گھروں سے آئے نہ مالی خواتین ہیں آزادانہ نساں کی مقررہ انہوں نے ہم پتہ کی مجبور خواتین کی زندگی کو کتنا شامداد ہے۔ میری آواز کو اگلے جس شخص گئی۔

اگر سے بھی مریم پروردہ میں بات ہے بڑا تیرا اس پر اٹھال مایوں ہوا ہے نہیں جوتہاری ساسی میجرز نامناسب دیر رکھتی ہیں ان سے خطا رہو بلورس اپنے کام سے کام نہ کر رہو انہوں نے ساریت سے سمجھا۔

”کیسے ممکن ہے کھانا..... اپنے کام سے کام رکھوں..... کہاں تک انسان برداشت کرے۔ میرا تو دل چاہتا ہے ان سب بدویات کو لوگوں کو لائن میں کھڑا کر کے کوئی سے اڑا دوں۔ بیڑہ غرق کر دیا جائے ان کا کچ میں کچھ اساتذہ نے لیکنگ کی اور ہماری ایک ساسی میجر کو جو بہت دیانت دار اور ذہنی فن قانون بھی لازمات سے ٹھکرا دیا میں نے ان کی حمایت کی تو مجھے بھی اب اپنی سیاسی چال بازیوں، جھوٹ اور چال بازی کی سازشوں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ میں سخت ایس اور بدین ہوئی تھی اور شہناز سے اصرار کر رہی تھی اس قوم کا کچھ نہیں بننا، بددیانتی کر چیں، خود غرضی اور مفاد پرستی سے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا اور بس اب ہمیں کسی عذاب کا ہی شکار ہوا ہے پاس فریشتے کا انتظار اور ایسا جادو کی چھڑی تلاش کرتی ہے جو ریختہ سب کچھ بدل دے۔ میری بات سن کر کرمی شہناز نے اپنی خون بدلی..... تم کچھ بھی کہو میرم ہم استقامت سے اپنا کام کیے جا میں نیکی اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے۔ اچھا! سنو! میں نے کیوندر کی کی جاب چھوڑ دی ہے بہت عرصے سے کوشش تھی آرڈی پبلک اسکول میں ہیڈ مسٹریس کی

جواب مل جائے مگر نہ جانے کیا کیا رکاوٹ تھی الحمد للہ اب تعینات کر لیا ہے انہوں نے..... وہ بڑی خوش سے بتا رہی تھیں۔

”اگر اچھا مبارک ہو۔ آپ کی یہ منطق بھی مجھ سے بالاتر ہے لوگ یونورٹی کی جاب کے لیے ترستے ہیں آپ اسکول میں خوش!“ میں نے قدر سے اچھے سے کہا۔

”ہاں مریم! تم تو جانتی ہو مجھے بچوں سے کتنی انسیت ہے مجھے کتا ہے براہ راست ان بچوں کو بڑھاؤں کھاناں یہ جنت کے پھول ہیں میں ان کی خوشبو سے اس ملک کو اس شہر کو دھڑکنا چاہتی ہوں انہیں اپنا مروتہ جا رہے بنا چاہتی ہوں یہ کتنی خوشگیاں ہیں انہیں پھولوں کی طرح گلے تلک میں ان کا ساتھ چاہتی ہوں..... شہناز کی یہ جذباتی گفتگوں اس وقت تک نہیں ان کے شوق اور جنوں کی کہانی تھی مگر آج میں سوچتی ہوں یہ عزم وادارہ کی فصلیں بڑے بڑے قلعہ تیر کر دیتی ہیں چاہے مضبوط قلعہ جن کی دیوار پر بھی نہ چلائی جاسکے بھی نہ گرائی جاسکیں۔

اور پھر یوں ہوا کہ شہناز ہرمن کا کاندہ ہرمن رہنا ایک بہترین استاد بن کر ہیڈ مسٹریس ہونے کے باوجود وہ طلباء و طالبات کے لیے ہر طرح پر بن گئیں اسکول کی اساتذہ اور تمام طالب علم ان کے گرد یہ۔ یہ ان کی بصیرت، لگائی بھی صلاحیتوں کے مطابق کچھ نوذیر کی جیسے بچوں کو کسی تدریس دینے سے مرطلے تک انھوں سے تراش ان کی زندگی کا مقصد بن گیا میں خاص ان سے ملنے لیک اسکول کی ہی طرف میں پہنچی اور مجھے لگا وہاں ان کے ارد گرد کی موجودگی بھی ان کی ہی طرح متحرک پرچوش اور با مقصد زندگی گزارنے کے خواہاں ہیں اس ماحول میں میں نے اپنے اندر تک ایک تازگی عروس کی۔ میں ان کے ساتھ کچ شام ہوئی اور دیکھتی کہ کس طرح

دو کچی بچوں کو اپنے وطن سے محبت کا سبق دے رہی ہوں کھیل کی سکیل میں ان کی صلاحیتوں کو کھاتیں ان کی زندگی کو ایک مشن کی کس طرح وہ ایسے لو جو ان تیار کر لیں جو با مقصد اور فعال زندگی گزاریں یہی نہیں ان کا بچوں کی ماؤں سے بھی بڑا خوبصورت دردناک تعلق تھا ان کے آفس میں اسٹوڈنٹس کی بائیں اپنے مسائل شیئر کرتی نظر آتیں ایسے ایک دن ہم ایک بچے کے والدین کے ساتھ آفس میں موجود تھے اور شہناز بڑی دلوزی سے گویا ہمیں ”حصلہ فی سئل بہت با صلاحیت اور ہر عزم سے ان کی حوصلہ افزائی بہت ضروری ہے ہر دور قصہ شکایت روک ٹوک بچوں کو والدین سے ہر دور کہتا ہے سب سے قریب اور بڑا آپ ہی ہیں اگر آپ کے بچوں کی دوستی نہیں ہوگی تو وہ معاشرے میں گزور سہارے تلاش کرتے پھر میں گے..... میڈم آپ کو کیا بات..... اتنی خندی ہیں میری بیٹیاں کہ کس بات تو ساتھ کھاتی نہیں صرف اپنی ہی مثالیں ہیں میں تو سب بڑا ہونگے ہوں اب..... لیک والدہ بہت برا سا منہ بنائے دکھائی کر رہی ہیں اور میں سوچ رہی تھی یہ اظہار اذاری خاتون نہ جانے کہاں وقت گزار رہی ہیں جو اپنے ہی بچے سے بیزار اور انا امید ہیں۔“ دیکھتے ہیزارت میں حضرت عمر فاروق کی Tips یادیں آئیں کی محمد دوسری عمارت کے ساتھ کئی جماعے کی آتی ہے کچھ اس کی نیس کچھ اپنی نیس، فیصلوں میں اسے مشورہ دیں مگر اس کے جذبے اس کے حساسات کو ہمیں وہ کیا جانتی ہیں انہیں کیا پسند ہے اور پھر ایک عمر بھر ہوا ایسا آئی ہے جب انہیں خود اپنے لیے پسند پا پسند کرنے کا اختیار دینا چاہیے مگر اس سے پہلے کھانے کا عمل ہو تب ہی وہ درست فیصلہ کرتے ہیں.....“ شہناز رسانییت سے

سمجھا رہی تھیں اور میں اس ماں کو دیکھ رہی تھی جو آج ہمارے ارد گرد لاکھوں کی تعداد میں سے مگر اپنے منصب اور ذرے داری سے غلطی نہ دھوت جب بچوں کو ضرورت ہوتی ہے کس اور لگا دیتی ہیں اور پھر اور راتج ہو کر تقاضا کرتی ہیں کراب بیٹے ان کی بائیں اور ان کے اشاروں پر چلیں..... یہ نشست تو یو کی بغیر نیچے پر بیٹھے قسم ہوئی مگر بہت ساری گفتگوں شہناز کے ہمراہ لگا تھا کوئی نہ کوئی نتیجہ بھی نہ کبھی ضروری کی جیسے خوشبو کا پتا نہیں پڑتا کہ وہ خوشبو ہے بلکہ اس کا ہوا ہی کا پتا ہوتا ہے ایسے ہی وہ جہاں ہوئیں اسباب ہوتا کو کوئی ہے رسیب شفقت و محبت جو اپنی قوم کی سول کو لیے کسے بہت حساس ہے خود اپنے بچے ماں سے دیکھانے..... وہ بیٹے علان اور برہان..... لگتا کچھ کم عمری میں ہی دینا کو کچ کر لیں گے..... مجھے ان کی کچھ میں گزرا وقت کچھ نہیں سمجھتا تھا اور نہ ہی بات فراموش کر سکتی ہوں کہ عورت کے دم سے ہی کھر، مکان سے کھر بنائے اور نوذیر کی جیسے معصوم بہن کی قیصر جوت جوت اور وہ بھی استاد کے ہاتھوں میں سن اور اور شوق سے ہوتی ہے اس کی تصویر معاشرے کی خوبصورتی یا بدورتی کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ اس دن ۲۶ جولائی پر دفاع تھا۔ پاکار دان پاکستانی قوم کے لیے تجویز عہد کا دن..... اسکول میں خوب روشنی کیے اور اساتذہ جو شوقش سے تقریریں دفاع کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔ شہناز نے خود بچوں کو کورجی تقاریر اور ہر عزم کی فلوں کی تیاری کروائی تھی میں بڑ ہوئی کچھ کچھ کام دیگر میجرز کے لیے بھی چھوڑ دی تھی ضروری ہے ہیڈ مسٹریس صاحبہ سب کچھ خود دیکھیں سب کچھ خود کریں..... میں بے زاری سے کہہ رہی اور وہ مسکرا کر اپنا کام کیے جاتیں، کس ریاضت کی طرح شوق سعادت کی طرح..... دیکر اساتذہ کی بائیں کچھ



جیسے کوتیسا

جوائنٹ فٹبلی سسٹم بہت بڑی نعمت ہے اگر کوئی سمجھنا ہی نہ چاہے

تو اس کا وہی انجام ہوتا ہے جو شاز یہ کا ہوا....

مہر چنگی ہوئی سی گھر میں داخل ہوئی اور سیدھا ناشہ میر کے چکر میں گم ہو گیا تھا اور ہاتھل میں بھی

گجن میں گھسی۔ اسے شدید بھوک لگی تھی آج صبح کا ڈھنگ سے کچھ کھا نہیں پائی تھی اسی لیے بھوک گری



خوب کھلتی اور میں شکایات کا دفتر کھول کر بیٹھ جاتی..... بچوں کی بھی دانستہ نادانستہ غلطیاں یا بے وقوفیاں دل چلائیں اور وہ آرام سے کہہ دیتیں..... مایوس نہ ہو پلیر مریم از زندگی کا مقصد ملے کر لیا جائے اور اسے ضائع نہ ہونے دیا جائے تو اس کا اثر فرد کی تبدیلی کا ہی نہیں پرے ماحول کی تبدیلی کا سبب بنتا ہے، یہیں بحیثیت استاد اپنا کردار ایسے ہی بھجوا ہوگا۔“

شہناز کی یہ نصیحت گویا میں نے گھر میں بانڈھی لی اور سمجھ لیا کہ ہر وقت رو، نہ سب کے پیوں پر چلنا کڑھنا یا محض غیب جوتی کرنا مسائل کا حل نہیں بلکہ کچھ بڑھ کر خود اچھا کر لینا کا مقصد زندگی کی دلیل ہے..... وہ شہناز کی دوستی کا ہی اثر تھا کہ میں نے مسائل کی پر پتھ گھوئی میں اونچے نیچے راستے میں بھٹکنے کے بجائے وقت کی اگلی ٹھانے سسکراتے چہرے کے ساتھ پار اترنے کا طریقہ سیکھا۔ سمندر میں اٹھنے والے جوار بھائے میں شادی کا ہنر جان لیا اسی لیے..... اسی لیے جب کہ ربناک، اذیت ناک واقعہ رونما ہوا تو نہ میرا دل بند ہوا نہ سانس..... نہ زمیں پھٹی نہ آسمان گر..... ہاں ایک تھوکی کا احساس تھا شدید ترین احساس جو رک وہیں اترتا چلا گیا۔

۱۶ دسمبر کا ہولناک دن۔ سورج ہمیشہ کی طرح آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا۔ کیا معلوم تھا کہ آج یہ سورج بھی اپنی تابناکی پر شرمسار ہوگا کوئی بھول ہی نہیں سکتا اس لمحہ اذیت ناک کو جب ننھے ننھے نہ جانے کتنے معصوم فرشتے نوخیز بگیوں کی طرح تازگی اور صلاحیت چہروں پر بجائے اس دن بھی روز کی طرح اپنے اسکول آئے تھے۔ سالانہ اسکول کی تقریب کی تیاری نے ان کے جوش اور مزہ سے دیکھتے چہروں کو مزہ بردن کر دیا تھا۔ کیا خبر تھی یہ روشنی اب ظلمت کی سیاہی میں ڈھل جائے گی۔ شہناز اس اسکول کی ہیڈ مسٹرس دشتان وطن کی برہنہ اور

کے سورج کی مانند جو بن رہی تھی۔ اگلے سے خالی بچن منہ چڑا رہا تھا۔ اس کا پارہ چڑھ گیا۔ وہ سیدھی کمرے میں آئی اور بیک بیڈ پر بیٹھ گیا۔

”کیا ہوا ہے ہر؟“ اس کی اکی جاکہ پاس بڑے سخت پرکلی بیٹھی اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے وہ ٹھہرا کر اٹھ بیٹھیں۔

”یہ شہید ہو چکا ہے اور آج کچھ نہیں پکا بھیجا تک آپ نے۔“ وہ ناراضی کی بیڈ پر بیٹھ گئی اور اس کا رخ کھینے لگی۔

”ہاں بیٹا میرے مضمون میں شہید دروہ ہے آج ابھی لیے اٹھائیں جارہے ہیں تم کو کوشش اچھی روٹی دانی ہوگی اور ساتھ ہی سائن چل جائیگی ہوں۔“ وہ شہید کی بولیوں تو ہمہ رہا ابھی اپنی مانی کی حالت دیکھ کر۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی اکی کو گھر دروہ کا مسئلہ ہے اور ناگول میں بھی شہید دروہ رہتا ہے۔ وہ شہید کی ان کے پاس آگئی۔

”اکی طبیعت زیادہ خراب ہے کیا؟“ وہ دونوں ہاتھ ان کے آذانوں پر دھر کر بولی۔

”ہاں آج نمنا ہے کیوں دروہ زیادہ سے معمول سے“ وہ بولیں۔

”وہ اس لیے کھل میرے منع کرنے کے باوجود مشین لگا کر کپڑے دھوئے تھے آپ نے“ وہ منہ پھلا کر بولی۔

”تو تھیں نے کام نہ کرنے ہیں؟“ وہ اس کا چہرہ دیکھ کر غصہ کر رہی جو پھولا ہوا بالکل سی تر بوزکی طرح لگ رہا تھا۔

”کیوں بھائی صاحبہ سر مرض کی دوا ہیں۔ سارا دن کمرے میں بیٹھی رہتی ہیں اور شام کو باہر نکلتی ہیں۔ اب وہ دن نہیں ہیں جیسے تم جو ماہ ہو گئے ہیں شادی کو گھر لانا دیکھنا ہے جو تم ہونے کو نہیں نہیں آ رہا۔“ اسے حریہ غصہ چڑھ گیا۔

”تم چھوڑو اس کو وہ بس ذرا دوسرے حواجز کی ہے تم کو بھی لانی کھانا۔“ وہ کہتے ہوئے اٹھنے کو غصہ کر دھول پڑی۔

”آپ رہنے دیں میں کر سکتی ہوں۔“ وہ کہتی ہوئی اٹھی۔

فرخ سے اس نے مٹھی لٹائی جو اللہ کے فضل سے اسی نے کل بیٹھی بیٹھی باندی تھی وہ نہ یہ کار خیر بھی اسے خود انجام دینا چاہتا۔

اس نے بیٹھی ایک طرف رکھی اور نوکری میں سے آٹو کھال کر چھینے لگی۔ اتنے میں بھائی صاحبہ بھائی دھوئی کمرے سے باہر آئی۔

”ارے ہر دم آگ بھی نہیں..... اچھا مجھے بھی ناشتہ دینا پلیز۔“ وہ چپک کر بولیں۔

مہر و کا داغ و چند ہو گیا۔

”آپ اب سو کر آگئی ہیں بھائی؟“ اس کا منہ کھلے کھلا رہ گیا۔

تین دن رہے ہیں وہ پہرے اور آپ اب آگئی ہیں تیرے۔ اس بارڈر آواز غصہ کی سخت تھی۔

”ہاں..... کیا کہیں تمہارے بھائی ساری راستہ سوئے کہاں دیتے ہیں مجھے.....“ وہ مزے لے کر بولی تو ہر دھرم سے پانی پانی ہو گئی۔ اس کا چہرہ دیکھ دھرم لڑائی کی طرح ہو گیا۔

”میرا مطلب ہے کہتے ہیں مجھ سے باتیں کرو..... تم کیا سونے کی کرتی ہو؟“ وہ شرابی کی دوہاں بولی۔

”میری سیلیب کی ضرورت تو نہیں؟“ وہ پوچھ کر اور تازہ یاد رہی تھیں۔

”کیوں نہیں؟ بالکل ہے“ ہر نے موق فیعت جانا اور فوراً کہا۔

”یہ سائن چڑھا دیں میں تب تک آگوندہ لیتی ہوں آپ سب کے لیے روٹیاں بنا دیجیے گا۔“

آلو انہیں چھاتے ہوئے کنستہ سے آٹا نکالنے لگی۔

بھائی کا منہ لٹک گیا۔ سر تے کیا نہ کرتے والی مثال پوری بیٹھی اور وہ بادل خواستہ چھری کے لے کر کام کرنے لگی۔

مہر و پہلے آٹا گوندھا ہر رات کے برعکس سے جو سبک ابھی تک لٹکارے مار رہا تھا وہ صاف کرنے میں جت لگی۔

بھائی روٹیاں بنانے لگیں تو ایک ہی روٹی گول نہ بنی کیونکہ لٹاں کے کمر میں سدا کی کام چور تھیں اور یہاں آگ بھی سانس اور میاں سے غرے ہی اٹھ رہی تھیں ایک۔

مہر و نے دوبارہ مڑ کر انہیں دیکھا اور وہ فوراً بچنے سے نکل گئی۔

بالوں خواستہ وہ انہیں اپنی مصروفیت جو کہ حسن کے چاند سے مزین تھی دکھا کر پھسلانے اور کمرے میں دوڑ آئی۔

ابھی وہ بیڈ پر لیٹی تھی کہ آلی کا فون آ گیا۔

”کیسی ہو تم اور امی کا سناؤ.....“ وہ مہر و کی آواز سننے ہی بولیں۔

”میں فٹ ہوں بس ذرا امی کی طبیعت تھوڑی خراب ہے بوجھ ناگوں کا اور دانی کی دکن بنا ہوا ہے ان کا۔“ وہ اپنی بے خبری مان کو سوتے دیکھ کر بولی۔ آلی اور بھائی کی شادی انکسی ہی ہو گئی۔ اس کی شادی کو بھی چھ ماہ ہوئے تھے۔

”تم سناؤ کیسی ہو اور تمہارے مہاں ہیں؟“ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے مڑے سے انہیں ہلاتے ہوئے بولی۔

”سب ٹھیک ہے۔ میں بھی ابھی بس فارغ ہوئی ہوں سارے کاموں سے تو سوچا فون کر لوں۔“

وہ دھپے سے بیٹھ پوچھ کر بولی۔

ہاتے میری بہن، بیماری سارے گھر کی ذمہ داری اس کمزور بلکہ غلام کے کاندھوں پر دھری

ہے۔“ وہ مذاق بناتے ہوئے بولی۔

”چل بھڑی.....“ وہ فون دی اور فون بند کر دیا۔

اتنے میں منیر بھی اسکول اور اکیڈمی سے فارغ ہو کر آ گیا۔ ساتھ ہی گھر کی اذانیں قریب کی مسجد سے گونجنے لگیں۔

چلو تم ہاتھ نہ دھو اور امی کو مت بچانا میں نماز پڑھوں پھر کھاتے ہیں کھانا۔ وہ سیر کو کہہ کر وضو کرنے چل دی۔

نماز سے فارغ ہو کر جب وہ بچن میں تھی تو ضیافت پر امی طرح بیٹھا پڑا تھا جہاں روٹی پکی تھی اسی طرح ڈھنگ دھرا تھا اور اسے چھانچا بھی نہیں کیا تھا۔

مہر و اپنی بیٹی کی چوہا بھانہ تھا۔

”حد ہے پوچھ رہی کی۔“ مہر و زیر لب بڑبڑاتی اور کھانا نکالنے لگی۔

بیٹے ہی ہنڈیا کا ڈھکن کھولا تو ہنس دی۔

ارے دینا کو کون سا پھل آلو تیشی شہر ہے والا بنانا ہے۔“ وہ زور سے بولی۔

”اب کیا کریں کھانا تو کھا ہی ہے ناں۔“ وہ نکالتے ہوئے بولی۔

منیر نے بیٹے ہی روٹی کو دیکھا تو بولا۔

”کیسی ہو؟“ منیر کی بیٹی کیوں ہے اور امی کوئی اور ہو گئی ہے۔“ وہ روٹی واپس رکھ کر بولا۔

”چلو کھاؤ تمہاری پیاری بھائی کے کارنامے ہیں۔“ وہ بولی۔

”اف تو یہ ہے..... یہ کڑوا سائن مجھے نہیں کھا رہی ہے۔“ منیر نے کھانا کھانے لگا۔

واقعی حلق سے اتارنے کے لائق نہیں ہے۔“ مہر کو بھی شدید فصد تھا بھائی کی حرکتوں پر کچھ تو وہ چھوڑ نہیں چکے تھے دلی سے کام سرے اتارنے کو ہی کیا کرتی تھیں اور کچھ اناہے ناز اٹھوانے کا شوق تھا۔ جب سے آپ کی تیس بیٹی چٹان تھا۔

سارا دن کرے میں رہنا نہ کسی سے سلام دعا نہ بات چیت میں بھائی کے آنے سے پہلے ہی سنوری سی باہر آنا اور جانے دم پر رکنا اور جتنا کہ دیکھو سارا دن چٹان میں ہی کڑتا ہے میرا اور بھائی بھی بے دام کا غلام بنتی بیوی کے سامنے کو نظر نہ آتا تھا کہ ماں بہن کا کیا حال ہے۔ بھائی کیسے ہیں۔ آتے ہی بیوی کے گھٹنے سے لگ جاتا رہ میرا کہیں گھومتے پھرتے نکل جاتا رات کو در سے لوٹنا اور کرے میں گھر جانا۔ اب مہر اپنی حرکتوں سے عاجز آگئی تھی جو پہلے چھ ماہ سے ہو رہی تھیں۔

”نصیر بھی دوش سے آ کر خراک ہوا بایز پر بیٹھا۔“

”مہر دے رکھا ہلا دو۔“ بلوک بھی ہے کہ جو تے اتارتے ہوئے بولا۔

مہر نے ٹرے لاکر سامنے نہ دی۔

”یہ کیا ہے؟ اس کی بھی کھانے کو کچھ کر لیں۔“

چھوڑ گئی۔

”لے شوہر بھائی آلو تیس اور عجب اذیت دینا۔“

”تربائی بھائی صاحبہ کے کارنا سے ہیں۔“

وہ غصے سے بولی۔

”تو یہ کارنا سے بھائی کو ہی کھلاؤ میں تو چلا کچھ اور کھائے۔“

”وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

”جانی رہے ہو تو اسی کے لیے آتا“ وہ

”زے دایں جن کن رکھنے جاتے ہوئے بولی۔

”آج سات بجے تھے اور بھائی صاحبہ ابھی تک کمرہ نشین تھیں اور انہیں لانے کی غلطی بھی کسی نے نہیں کی تھی۔ بھائی حسب عادت ساڑھے سات

آکھوں کے اشارے سے نکل پڑا۔

”ای بھی نماز پڑھ کر آئیں۔“ کس بات پر بحث ہو رہی ہے۔“ وہ پریشانی سے بولیں۔

”کچھ نہیں مائی آج آپ کی جیتی سہو پر لے کم پہاڑ توڑے گئے ہیں ان سے سارے کھر کا کام لیا گیا ہے انہیں جلا گیا ہے۔“ مہر نے بھائی کو دیکھ کر کہا۔

وہ بھی زمانہ شایع موت تھیں فوراً اپنے زن مرید سے کچھ کہہ کر بھیج دیں کہ بیوی کی زبان بول رہا ہے لہذا خاموشی سے بیٹھ گئیں۔

بھائی بھی آ گئیں۔۔۔۔۔ آکھوں سے صاف لگ رہا تھا کہ کتنے کڑے ہیں کتنے کڑے ہیں۔

”بھائی جان ذرا نہیں بھی تو کھائیں نا کتنا ہاتھ جلا ہے آپ کو جو آپ تکلیف سے تڑپ رہی ہیں اور بے سادہ ہوئے جارہی ہیں کہ آپ کے شوہر ہماری کلاس لینے آ گئے ہیں یا پھر جیسے گھٹے ہیں۔“

مہر نے آنکھیں پٹیٹا لیں۔

بھائی نے بھی ہاتھ آکے کر دیا۔ مہر کو بہت ڈھونڈنے پر بھی کچھ نہ ملا۔

”کہاں ہے وہ داغ عظیم بھی بھائی جان؟“

مہر نے صریحاً مذاق بنایا۔ بادل غمازہ بھی بھائی کو ”دوسرے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے دکھانا پڑا۔“

”وہ نہ ہے وہ داغ عظیم مجھے لکھنا کہ کوئی رانہ نکلا تھا یہاں جواب جگہ بھر رہا ہے۔“ وہ مہر سے داغ کو دیکھ کر مڑا بولی۔ ساتھ ہی بھائی کے پیچھے پر چھرا چل پڑا۔ مہر ان کی توقع سے زیادہ ہوشیار تھیں۔

”نصیر ذرا ٹرے لانا جو چٹان میں رکھی ہے اب بھائی جان کو وہ قیمت بھی دکھائیں جو اس داغ نے چٹائی ہے۔ کیوں امی جان؟“ وہ اپنا رخسار کی طرف کر کے بولی۔

”نصیر برب پڑا۔“ کیوں نہیں؟“

جبکہ بھائی بھوندتے بے کھڑے تھے انہیں

دیوار کا پھول

وہ کمر درختی، سہمی ہوئی تھی مگر ایک مکمل عورت تھی..... یہ بات

مضبوط اور طاقت ور مرد کو ذرا دیر سے سمجھ آئی.....

کچھ لوگ اپنی حساس طبیعت... خاموش

مزاجی اور پرتابی پسندی کے باعث محفل میں انگ
تھمک بلکہ چھپے ہوئے سے رہتے ہیں... یہ اس قدر
شرمیلے ہوتے ہیں کہ کہیں اگر اندازہ کر لیں کہ ان کی
بات کو سننا... ان شکار کو دیا جائے گا... وہاں یہ بڑا ہی
نبین کھولتے... ان سے بات کرنے کے لئے ایک
خاص قسم کا ماحول بنانا پڑتا ہے... اپنی کسی خواہش کا
برہم اظہار کر سکتے ہیں اور نہ ہی یہ بھجھ پاتے ہیں کہ
سامنے والا ان سے کیا چاہ رہا ہے... جس کا وجہ سے
ان کے دوست بہت گئے پٹنے ہوتے ہیں... یہ بظاہر
بہت خاموشی سے دستبردار ہو جائے والے لوگ ہیں...
حقیقت میں دوست... محبوب یا بھر... معشوق سب کا
زندگی بھر بہت دل جیسی اور دل سرائی سے انتظار کر
سکتے ہیں... ان کو دنیا کنکر نام... ناکارہ... نااہل کہہ
کر سائیڈ پر لگا دیتی ہے مگر اپنے مطلب کے لئے ان
سے بڑے دھڑلے سے رجوع بھی کر سکتی ہے...
کیونکہ ان کو شکایت بھی کرنا نہیں آتی... یہ بدلہ نہیں



ہو جاتے ہیں... حالانکہ یہ دال فلاد بہت انسان دوست لگتے ہوتے ہیں... ان کے دل میں صرف محبت ہوتی ہے... یہ لوگوں کو مصافحہ کرنا جانتے ہیں... صبر کر سکتے ہیں اور رشتوں میں دوسروں کو آسانی دیتے ہیں... یہ چپ رہ کر ساتھ بھانے والے لوگ... اکثر ہی گنوا دیے جاتے ہیں... کیونکہ یہ خود کو بچا نہیں جانتے... یہ اپنے دام پہلے سے طے نہیں کرتے... اور نہ ہی ضرورت کو دیکھتے ہوئے دام میں اضافہ کرتے ہیں... یہ اپنا تعریف کے ٹکڑا باندھ کر خریدار کو حیرت نہیں کرتے... بس ایسے ہوتے ہیں یہ دال فلاد... وہ پیارے کے پھول!

☆ ☆ ☆

آج بھر سال سے کم عمر بچوں کو لانے کی اجازت تو نہیں تھی مگر میں نے ہسپتال وارڈز سے مل کر صورت حال سے آگاہ کیا تو اس قدم کو مریضہ کے لئے خوش آمدید سمجھ کر فیصلہ میرے حق میں ہی کر دیا گیا... دلیے تو ابھی تک تیور یا سدرہ کی طرف سے کوئی چیز تھی نہیں ہوتی تھی شاید وہ دونوں مجھ سے ناراضگی کا اظہار اس طرح کر رہے تھے کہ مریضہ کی بھی طرح سے سنبھلنا نہیں تھا... اور جب اس نے کل وہ پھر سے کھانا بھی چھوڑ دیا تو مجھے جھکنا ہی پڑا... شاید اتنا تو داؤ پیانی ماں کے لئے کی نہیں چھلا... جب یہ خبر میں نے تیوں کو دی کہ کل میں ان کو... اس سے ملنے لے جاؤں گا تو تیور اپنی ازل کو لڑکھوں کے مسکنے اٹھا اور سدرہ جھپکنے لگی... تینوں بچے کچھ ایسی تیار یوں میں لگ گئے کہ شاید رات بھر ہی جاگے رہے... جاگتا تو میں بھی رہا ہوں... شرمندگی... شرمساری یا بزدلی... کچھ بھی تھا... میں اپنی ہی نظروں میں گر گیا تھا اور یہ رات یہی سوچنے لگا کہ وہی کتبہ کی معافی تھائی کی کوئی بخشش موجود رہی ہے... بڑی حیرت ہوتی ہے کہ کچھ لوگوں کے لئے تو

ہم وہی کا کوئی راستہ بھی بھی کھلائیں چھوڑے مگر خود گر پلٹنا چاہیں تو بڑے دھڑلے سے اپنا منہ لے کر پہنچ جاتے ہیں وہ بھی اس یقین کے ساتھ کہ... جیسے سامنے والے تو ابھی ہمارے ہی انتظار میں آگئیں بھجائے بھجنا ہوگا... اگر کبھی ہمیں شرمندگی ہو بھی جائے تو؟ ہم چاروں ہسپتال میں جنرل وارڈز میں داخل ہوئے تو وہ دور سے ہی مجھے نظر آگئی... آخری سرے پر اس کا بستر تھا... لمبے سے وارڈز میں دونوں طرف بستر... کچھ بھرے ہوئے کچھ خالی تھے... مریضوں سے ملاقات کا وقت تھا... حجاز وارڈ اور رات آنے والے وارڈ ہر دوہر آوازوں سے پتل قدی کر رہے تھے... کچھ تو لیں اس کمرے آئیں میں دھمکے دھمکے آئیں کر رہے تھے... وہ... تنہا ہی بستر پر ہم دراز... چار گردن تک اودھے... ہاتھوں کو پیٹ پڑا ہوا... وارڈ میں گھرے چلتے پھرتے ہائیں کرتے لوگوں سے منہ پھیرے دوسری جانب ادھ کھلی جنرل وارڈ کی واحد کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی... ایک ہاتھ میں کیڑا لگا تھا جبکہ خالی ڈرپ کی بوتلی منگے سے لگی ہوئی کھڑکی سے آتی لگی ہوا سے جھول رہی تھی... وہ ہمیں داخل ہوا تو نہ دیکھ سکی... مٹھو کا ہاتھ میں نے سختی سے پکڑا اور تھا کر پیسے ہی وہ واضح ہو کر مٹھو نظر آئی... اہاں چلا ہوا مجھ سے ہاتھ پھڑا تھا بھاگ کر آگیا... اس کو چھوڑ کر آواز دی تو اس نے گڑ بڑا کر اس طرف نظر کی... مٹھو اس وقت تک اس کے بہت پاس پہنچ چکا تھا اور چرخوں میں مٹھو جھلا لگا کہ بستر پر چڑھ کر اس کے گلے سے پٹ گیا تھا... وارڈ میں موجود مریضوں کے ساتھ ساتھ دوسرے چروں پر بھی منکراہت مچ گئی تھی... جیسے وہ سب بھی کوئی کس سے اعتراض تھے مگر اندر سے اس کی اداس تنہائی میں برابر کے شریک تھے... ادراپ مٹھو کو اس کے گلے سے

پھنے دو کیڑے جیسے سب مٹھو کا سانس بھال کر رہے تھے... چند قدم دور جانے پر سدرہ بھی اچھٹا کھڑکی ہوئی اور اب مٹھو کے اوپر سدرہ بھی اس کے سینے سے پٹی کھڑکی تھی... وہ دو پلاندہ دار بھی مٹھو تو کبھی سدرہ کو چوم رہی تھی... اس کی آنکھیں بند تھیں مگر آنسو بہتے نکلنے پلے جا رہے تھے... میں اور تیور درخت چنگ کر بستر کی دوسری جانب کھڑکی کے اس چاکڑے سے ہوئے... میں تنہا بستر پر تھی کہ اس کی ہاتھوں کی طرح چٹنے فلوں والا میں جل رہا ہے... ایسا لگتا ہے جیسے یہ سب برسوں سے جدا ہیں... ابھی کوئی ایک ہفتہ ہی تو ہوا ہوگا ان لوگوں کو جدا ہوئے... مجھے تیور کا رویہ ٹھیک لگا... ہاں ٹھیک ہے ماں ہم ملنے آگئے... حال احوال سے لیں گے اب یہ کیا کے بچوں کی طرح چٹنے لگیں... وہ گلیں... میں نے دل میں یہاں میں تیور کی ازل کی آکر پر پہلی بار شاہی دی... آخر کو میرا دل بڑا ہو گیا ہے... جذبات نہیں منتقل سے کام لیتا ہے... اس نے آنکھیں کھولیں... ہمیں ڈھونڈا... مٹھو اور سدرہ کی ہاتھوں میں جکڑے سر کو بڑی مشکل سے گھما کر ہماری طرف دیکھا... اور پھر کھلی ہی اس طرف منکراہت کے ساتھ پکپکا ایک ہاتھ تیور کی طرف بڑھا دیا... تیور نے بڑی محنت سے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے پہلے پھلے سے اس کی انگلیوں کو پھوٹا... پھر جب نہایت سے اس کا ہاتھ کر کے تو قاتو تیور نے آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ صاف سے کھانڈا میں پکڑا تھا اور پھر... اور پھر جیسے متناہی سے لوہا پٹنے کے چکر لے رہا تھا چٹ جاتا ہے تیور بھی ان تینوں سے چٹ چکا تھا... میں دنگ رہ گیا!

☆ ☆ ☆

میں اب تک اپنے بچوں کی اس کے لئے محبت کو ٹاپ نہیں کا تھا... سوئیں ماں... وہی صرف

ایک بڑا بڑا سال پرانی... اس سے میرے بچوں کو کس قدر اذیت ہو سکتی ہے؟ ہم جیسے مردوں کا الیہ یہاں ہے کہ ہمیں نہ تو اپنی زبان پر بروقت قابو کرنا آتا ہے اور نہ ہی زبان کے غلط استعمال پر معافی ہی مانگ سکتے ہیں... وہ بھی ایک عورت سے... مانگ! گو کہ بات کچھ اتنی بڑی بھی نہیں تھی... رشتوں میں غلط نہیں تو ہوئی ہی ہیں... مسئلہ صرف یہ ہے کہ تیور میرا تھا... مجھے یہ معافی بھی مانگنی چاہیے مگر... میں معافی مانگنا کیا اچھا لگتا ہے؟ اور ہم جو سر اٹھا کر چلتے ہیں... لوگوں کے سامنے سینہ تان کر کر سکتے ہیں کہ ہم نے آج تک خداوند کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہیں چھلایا... خداوند کے سوا کسی سے مدد نہیں لی... خود کو خیر سے سیلت میڈ کہتے ہیں تو سیلت میڈ شخص جس قدر بھی چاہے مٹھو ہو جائے... لوگوں کو جدوجہد کی گمانیاں نشانہ کر اپنی بڑائی جاتا جائے... پھر سختی سے صرف چند مخصوص لوگوں سے راہ و رسم بڑھا ہے... کچھ بھی کرے مگر اسے بد زبان نہیں ہونا چاہیے... کچھ بھی ہو... انسان کی کامیابی یہی ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھنا سکے... مجھے قدرت نے اچھا سبق دیا... اس سے پہلے قدرت نے میرے سر کو دار... دار کارا رات پر کئی بار دار کیا تھا... میں جانتا تھا کہ یہ سب ہوگا... مجھے ایک عام آدمی کی طرح کر پڑ کر زندگی نہیں گزارنی... جیسے تین تان کر... سر اٹھا کر بیٹھا ہے تو ہمت سے درواخت کرنا ہے... اور جب قدرت مجھ سے امتحان لینے تک بھی تو اچھا کچھ جیسے میں غلط تھا کہ پر سکون اور خاموش رہا پر اچھا... اور اپنی ذہن میں مزے لے کر تیرنے لگا... یہ سندرہ میرا ہے... میں نے ہی اسے فتح کیا ہے... یہ ابھی چند لمحوں پہلے مجھے ڈبوئے کو تھا... میں نے ہمت سے

مقابلہ کیا اور اب اس کی لگام سیرے ہاتھ میں ہے۔۔۔ مگر یہ کیا ہوا۔۔۔ اسی لگام ہاتھ نہ تھی ہی کی۔۔۔ میرے دل پر وار ہو گیا۔۔۔ اور پہلی بار زندگی میں پہلی بار مجھے اپنے دل کے ہر کئے کی آواز میں محسوس ہونے لگیں۔۔۔ اور۔۔۔ تو میں بھی ایک جیتا جاگتا۔۔۔ سانس لیتا انسان ہوں۔۔۔ میں حیران ہو گیا۔۔۔ مجھے شہوت سے احساس ہوا کہ اگر وہ میری زندگی میں نہ آتی تو میں اسی طرح بغیر دل کے زندگی گزار دیتا۔۔۔ صلیت میڈم گھر ہارت لیس۔۔۔

تو میں آخر کار یہ باتا ہوں کہ اُس نے میری ذات کو کالامیت بخشی ہے۔۔۔ میں اُس کے بغیر بہتر نہ ہوں۔۔۔ اچھا تھا کہ پھر بھی اوروں کو اُس نے مجھے اپنی زبان۔۔۔ اپنے دل کا گھر ہونے۔۔۔ بلا جگہ کہتے گھر میں ان تینوں کو چھوڑ کر خود عادت پر نظر پانی کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔۔۔ بلکسا۔۔۔ نے مجھے اشتہار کرنا سکھایا ہے۔۔۔ بھی میری ہمارا کسی پر اعتبار کرنا ہمارے اپنے لئے ہی ضروری ہوتا ہے۔۔۔ انسان ایسے بُرے بھی نہیں کہ ہر دم ہنس دھوکا دے دیتے جائیں۔۔۔ اور میں باتا ہوں کہ وہ دھوکا ایک گولت ہو کر میرے لئے۔۔۔ میرے گھر۔۔۔ میرے بچوں کے لئے بہت اہم بلکہ بہت ضروری ہو گئی ہے۔۔۔ ☆ ☆

بیکہ آج سے صرف دو تین دن پہلے تک میں اُس کی محبت کو اُس کا دکھاوا دیکھنے پر ٹٹا جیتا تھا۔۔۔ کیا مشکل ہے میرے آئس سے آنے سے چند گھنٹوں پہلے۔۔۔ مٹھو اور سردہ کو پڑھائی کے لیے میز پر بٹھا دیتا۔۔۔ تھوڑے کے ہاتھ سے موبائل فون لے کر ان پر مگر ان بنا کر خود باورچی خانے میں جا کر میرے اور بچوں کے لئے شام کی چائے کے ساتھ کچھ نہ کچھ بنا لیتا۔۔۔ اکثر یہ مجھے دفنوں کر کے بتاتا کہ وہ بچوں کو لے کر ان کے اسکول کے لئے یا پھر کوئی گھر پر ان کے استنہاں کا سامان لینے جا رہی ہے۔۔۔ ایسا بھی ہوتا کہ

کبھی رات میں لاؤنج میں بیٹی دی پر خبریں دیکھتے ہیں بچوں کے کمرے سے آتی مٹھو کی اُس کے ساتھ خوش گھنٹوں کی آواز پر کان دھرتا۔۔۔ بھی کسی محفل میں سردہ کے کچنوں کی تحریف پر۔۔۔ سردہ کو فخر ہے اُس کے بارے میں بات کرنا سنا۔۔۔ پھر تورو بھی تو کافی بدل گیا تھا۔۔۔ گواہی بھی مٹھو انکا لڑکھاپات کرنا تھا مگر اُس کے اندر جو مٹھو اور سردہ پر ہاتھ اٹھانے کی عادت تھی وہ یکسر ختم ہو گئی تھی بلکہ اب تو وہ ہنسنے اور ہنسنے کی زبان ہی بھول چکا تھا۔۔۔

ایک زمانہ تھا۔۔۔ کیونکہ انتقال کے بھی کوئی ایک سال میں ہی تینوں بچوں نے مجی طرح کی عادتیں اپنائی شروع کر دیں تھیں وہم وہم ہونے لگا تھا کہ کچھ تھلہ میں گھر میں ان تینوں کو چھوڑ کر خود شفت کے کرسی بول میں جا کر رہنے لگوں گا۔۔۔ مٹھو ہر وقت روتا رہتا تھا۔۔۔ مندر کرنا زمین پر لیٹ جاتا۔۔۔ اُس کے ساتھ کبھی بھی جانا مانگن ہو گیا تھا۔۔۔ وہ ہر جگہ پیچ کر بے عزتی کرانے سے باز رہتا۔۔۔ سردہ اتنی کندری رہنے لگی تھی کہ کچھ روزی بال اور بد و بار کچنوں میں ہی ہر جگہ پیچ جاتی اور تھوڑے۔۔۔ ہر وقت فون ہاتھ میں پکڑے۔۔۔ پوچھتے بنا ہر کسی کی تصاویر اُتارنا رہتا۔۔۔ دوسری باتار رہتا۔۔۔ کوئی منہ کر دیتا تو کچھ

اندر بد نظیری سے پیش آتا کہ اکثر لوگوں نے مجھ کا ہوا قد کہہ کر لٹا بند کر دیا تھا کہ جب تک میں اپنے بچوں کو نہیں کہتا تھا ان کے گھر آتا اور زندگی ان کے آنے کی کوئی امید ہی رکھوں۔۔۔ گوکہ آپا تو کینے کے انتقال سے جو میرے گھر دوسرے شہر سے آکر کوئی تھیں تو اب تک میرے ساتھ تھیں۔۔۔ مگر یہ بچے اُن کو بھی خوب ستاتے۔۔۔ سردہ کچھ اسی طرح آپا کی دہلیات کو نظر انداز کر کے آپا بچھے اُن میں ہی وہی باتوں کر دیتیں۔۔۔ تھوڑے۔۔۔ انکار رہتا۔۔۔ آپا کے ساتھ زبان چلاتا اور آپا کے ڈانٹے پر جب بہت

ٹھنکے میں آتا تو جا کر دھڑا دھڑا سردہ اور مٹھو کو مارنا شروع کر دیتا۔۔۔ دونوں مار مار کر جب پیچھے ہٹاتے تو آپا کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔۔۔ مٹھو کے پاس رونے کا ہتھیار تھا جو وہ گاہ بگاہ استعمال کرتا تھا کچھ اس قدر اونچی آواز میں روتا کہ آپا اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ چھاڑ بھاگ کھڑی ہوتیں۔۔۔

میں تھکا ہارا گھر پہنچتا تو آپا اپنی روادار سناتیں۔۔۔ اکثر وہاں ہی ہوا جا میں کہ وہ تو بچوں کو کوس قدر چاہتی ہیں کہ اپنا گھر چھوڑ کر ان کی خاطر یہاں بیٹھی ہیں مگر یہ بچے اُن کی قدر نہیں کرتے۔۔۔ آخر کار میں بچوں کو پلا کر ڈالت پلاتا۔۔۔ بھی تو بچے طرہ یہ مسکراتے اور میری جگہ پر برس پڑتے۔۔۔ آپا سے اُن تینوں کو تو مجھے کسی ہی تھی۔۔۔ اُن کے اثرات اس کی ایک لمبی گہرست تھی کچھ سنی کہ آپا اُن پر بلا دیتے تھے۔۔۔ ہیں۔۔۔ ماں اور آپا کی گالیاں دیتی ہیں۔۔۔ ہاتھ اٹھاتی ہیں۔۔۔ مٹھو کو باہر جس سردہ کو بالوں سے چھینتی ہیں۔۔۔ تھوڑو کچھ کر نہیں سکتیں تو اُسے عجیب عجیب سے لقب سے پکارتی ہیں۔۔۔ اس کے علاوہ وہ کھانے میں ان کو گوں کوئی کی تھنے بھوکا مٹھی ہیں۔۔۔ پانی پر بھی ہیرو بھار کر دیتی ہیں۔۔۔ زندگی وہی دیکھ سکتے نہی کرے میں سوسکتیں۔۔۔ اور نہ ہی اسکول سے کر دواش دوم جا سکتیں۔۔۔ روزانہ ہی دو کوئی نئی حکایت لے

میرے سامنے حاضر ہو جاتے۔۔۔ مجھے آئے تھے سے منع کیا تھا کہ بچوں کو کوئی جتنے شرف دے دوں اُن کا خیال تھا کہ تینوں کو چوری کی عادت پڑی ہوئی ہے اور اکثر یہی آپا بچھے دکھ سے تائیں کہ سردہ یا تھوڑے نے اُن کے پر سے پورے پٹنے کے خراج کے پیسے اُڑا لئے ہیں۔۔۔ میں بچوں کو پلا کر ڈالنا دھونڈا اُڑا آپا پر اثرات لگا دیتے کہ آپا یہ سارے پیسے اپنے بچوں کو کبھی اُڑا کر دے میں ہیں۔۔۔ حکایتوں کی گہرست دونوں طرف شیطان کی آنت بن جاتی۔۔۔ میں گھر جا رہا تھا اور

جان چھڑا کر کرے میں جا کر بیٹھے تھے سو جاتا۔۔۔ مگر سو نہاں کبھی کہاں نصیب ہوتا رات بھر مٹھو کچھ اس قدر زار و زلفا روتا کہ سردہ اسے میرے پاس چھوڑ جاتی۔۔۔ وہ شایانہ طور پر خیر پوری کر چکا ہوتا کہ خوب جانی کرتا۔۔۔ بھی پانی پوں گا۔۔۔ بھی کچھ کھاؤں گا۔۔۔ ایسا لگتا کہ جیسے رات نہیں دن اُس کا بھی شروع ہوا ہے۔۔۔ آپا کو بھی کچھ کھینچتے تھے کہ اگر وہ بیماری دن بھر کی محنت اب رات کو بھی بچے کو نہیں۔۔۔ اور سب سے بڑی تھکسان کی جنگ تو کھانے کی میز پر ہوتی جب آپا مسلسل بچوں کو بہت بہت کھانے پر تو کہیں۔۔۔ مجھے بھی بھی لگتا کہ جیسے بچے پورے دن کا کھانا اس ایک اسی وقت کھائیں گے۔۔۔ مجھے نہیں آتا تھا کہ کس کا ساتھ دوں کہ آپا کی بات پر ہائی مہربان تو بچے شور مچاتے کہ میز سے ہی اُٹھ جائیں۔۔۔ لہذا میں نے کسی کا بھی ساتھ نہ دینے کی قسم کھائی تھی۔۔۔ سب کے شکایتیں مشاوت تھا مگر کچھ بھی کر کے کی جرات نہ پاتا۔۔۔

ایک ڈیڑھ سال میں ہی میری زندگی بھر کی محنت سے جمایا ہوا کاروبار کا حرج ہونے لگا۔۔۔ میں ڈکھ پر دل لگا رہا تھا اور نہ ہی کاروبار میں دل لگا رہا تھا۔۔۔ مجھے اپنی ہی بھی ہوئی بات پر شرمندگی ہونے لگی۔۔۔ میں اب تک کتنی آسانی سے کہہ دیتا تھا بلکہ کی جگہ کتنی بھگتا رہا تھا کہ میں سلیف میڈ ہوں یعنی میں نے اب تک جو کچھ بھی حاصل کیا ہے سب اپنے بل پر ہے حاصل کیا ہے۔۔۔ میں نے اپنی زندگی۔۔۔ اپنی دنیا صرف اپنے بل پر ہے۔۔۔ کہ نہ قدر بوری بات ہے۔۔۔ نہ ہی اپنی زندگی بنا سکا ہوں اور نہ ہی کاماب ہوں۔۔۔ زندگی میں مختلف مراحل کے ساتھ ساتھ اس کے مختلف ذرا ہے بھی ہوتے ہیں۔۔۔ جیسے کوئی matrix۔۔۔ مختلف سامنے لئے زندگی کے صرف ایک حصے پر نظر رکھ کر باقی تمام سچوں کو بھلا

دینا کوئی کامیابی نہیں... کاروبار پر لگے ہیں تو سارا دن ساری رات کسی دفتر کے کام ہی کرتے چلے جا رہے ہیں... نہ کھانے کا ہواں... نہ رشتوں کی پروا... ایسے میں کاروبار میں ترقی تو ہونا ہی تھی... میں نے اس سے پہلے کسی خود پر نظر پائی کی ہوئی تو اندازہ ہوتا ناں کہ مجھے تو بچوں... گھر اور ہر قسم کے گھریلو معاملات کا کچھ معلوم ہی نہیں... جدوجہد... کچھ نہیں سے وہ بھولوں کالا دیوار اور اسی کی پڑائی سوچ کر مردوں کو گھر سے باہر کے معاملات میں مصروف رہنا چاہیے... مگر کے انداز کا صرف مردوں کا ہے... یہ بھی کیا بات ہوئی بخلا؟

ایک زمانہ تھا کہ عورتوں کو تعلیم دلوانے پر گھر والے تیار نہ ہوتے تھے حکومت زور دیتی تھی کہ عورت کا پڑھنا لکھنا ہونا ہی ضروری ہے کبھی کسی بیوہ کی میں دال دوتے کسانے کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑ جائے تو مشکل نہ ہو... ایسا کچھ مردوں کے لئے بھی سوچ لیا جاتا؟... اگر کبھی ان کو گھر چلا کر جانے تو وہ کیا کیا کھیل کھلائی گئے؟... بلکہ ابھی بھی سوچ لیا جائے تو کیا حرج ہے کہ ایک مرد کو گھر کے اندر کے معاملات کی تعلیم دینا ضروری قرار پائے... جہاں لڑکیاں اسکول کا کالج میں ازاد سے پڑھتی ہیں لڑکیوں کو پھر تعلیم حاصل کریں وہیں لڑکیوں کو بھی ہوم اسائنمنٹ یعنی گھریلو اقتصادیات پڑھانی جائیں... ایسے میں آپاں جب مجھ سے کہا کہ ان کا لحاظ سے مجھے دوسری شادی کر لینا چاہیے... تو بھلا میں انکار کہاں کر سکتا تھا؟!

☆ ☆

سینکڑی مرحوم بیوی ایک اچھی انسان تھی... میری کلاس ٹیچر تھی مگر ہماری شادی بہت دیرانی انداز میں دونوں کے والدین کی پسند سے ہوئی تھی... اس وقت ابی اوجیات تھے... آپاں کی شادی کو کوئی

چار برس ہوئے تھے اور پانچویں برس ہم نے چھوٹی بہن کو بھی بیاہ دیا تھا... اس کے بعد میرے اوپر شادی کر لینے کے لئے زور دھو رہے ہوئے لگے تھے... آخر کار مجھے ہتھیار ڈالنے پڑے کہ ابی ابو بہت بڑے ہو گئے تھے اور میں سارا دن گھر سے کا دو بار کے سلسلے میں باہر رہتا تھا... میری چھوٹی بہن ایک رشتہ والی کے بھانے پر سکینہ کے گھر گئی تھی اور پھر تصاویر کے سجادے پر کھلا کہ سینکڑی پر بخود ہی کلاں فلیٹو... میں نے اُسے بہت سوچا مگر مجھے اپنی یادداشت میں کہیں نہیں لی... خیر میں بڑھائی کے معاملے میں کافی نتیجہ تھا اور کم ہی کلاں میں کسی سے راہ رو بڑھا تا تھا... مجھے بہت جلد بہت کچھ حاصل کرنا تھا اور میرے پاس اس زمانہ میں گھونٹے پھرے اور اپنی سرخ کر کے کاوتھ کی تب تھا... لہذا وہ میرے لئے ابھی ہی تھی... سینکڑی میرے گھر آئی تو بس اتنا ہوا کہ میں اب اس کو ساتھ دینے کے لئے اپنی مصروفیت سے کچھ وقت نکالنے پر مجبور ہو گیا... سینکڑی مجھے بھی تنگ نہیں کرتی تھی مگر ابی بڑے سے کچھ گھبر پڑا پانی بات تو پڑا دیا کرتی تھی... مجھے بھی لگتا تھا کہ میں جاتا اور میری امی ابی بات کو بھی رد کرتا دیتا... یوں کرتے کرتے ہم نے چودہ سال گزار لئے ایک ایک کر کے ابی اور ابی ہم سے جدا ہوئے تو... تیسرے دو سال بعد سدرہ اور پھر تقریباً چار سال بعد صفیہ جانی زندگی میں شامل ہوتے گئے... صفیہ کی پیداوار پر ہی سینکڑی پیٹ کی تیار یوں نے بکڑ لیا تھا... اس کو چودہ برس سے تیسرے دن کوئی نہ کوئی پیٹ کی تکلف ہو جاتی... ہم نے اس کے علاج کے لئے ہر جگہ جھڑکا... بہت سے ڈاکٹروں سے ملے مگر بے سود... اور آخر کار وہ آنتوں کے انگٹھن میں جلا دو سال تکلیف میں گزار کر اپنی جان ہار گئی... سینکڑی کے ساتھ دوست تھے مگر نہ کبھی اس کا دکھ ہے

مگر مجھے اب تک لگتا تھا کہ میں اپنے آپ میں اس قدر مکمل ہوں کہ مجھے اپنی تکمیل کے لئے عورت بھی ناؤک اور نا ایدار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں... سینکڑی کو بھی میں صرف اپنے بچوں کی ماں کے طور پر مان دیتا تھا... اس کے جانے کے بعد بھی مجھے صرف اپنے بچوں کے لئے پریشانی ہوئی ورنہ میں خود میں کمن تھا... سینکڑی کے انتقال کے وقت خصوصاً وہ حالتی سال کا تھا... مگر آسا ساتھ نہ بیٹیں تو میں بھلا کس طرح متفقہ پال سکتا تھا مگر پھر دو سال گزرے گزرے گھر کے حالات کچھ بچوں بکڑ کے کہ آپاں نے بھی حکم کھلا مجھے دوسری شادی کرنے کا کہنا شروع کر دیا تھا... آپاں کے بچے اب بخود ہی کا کالج واسلے ہو گئے تھے مگر پھر بھی ان کو بھی پتہ نہ تھا کہ کوئی کن ان کی عمر بڑی ذمہ داری لینے پر بھی تیار نہ ہوتا تھا... اور ایک بار پھر تنگ ہار کر میں نے شادی کر لینے کی ہائی بھری...!

☆ ☆

اس بار آپاں نے آگے بڑھ کر تلاش شروع کی... میں نے ان کو سمجھا دیا تھا کہ مجھے ایک عمر کی بھعدار عورت چاہیے جو کہ میرے بچوں کو ڈھنگ سے سنبھالے... اپنے چونچلے نہ دکھائے... میں اپنے لئے نہیں بچوں کے لئے شادی کر رہا ہوں... مگر آپاں جس طرح کی عمر لڑکیوں کی تصاویر میرے آگے رکھیں میں جھپٹتا ہوتا... ایسا کرتے کرتے آخر کار آپاں نے مجھے اس کے کالاف بتائے... مگر میں کسی سے مگر... طلاق یا تہ سے... شادی دو سال چلی... لڑکی اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہے... باقی تمام بھائی بہن ملک سے باہر ہیں... ماں بہت بیمار ہیں اور چاہتی ہیں کہ جلد از جلد لڑکی کو اس کے گھر کا دیں... کوئی دیا نہ نہیں... بچوں والا... بڑھ چکا کوئی بھی... مگر ہاں نہ رکھتا ہو... میری ماں یہ لڑکی بالکل ٹھیک رہے گی... جھل

اور قد بھی مناسب ہے... مجھے تو یہی بہتر لگ رہی ہے... اب تو میں بھی ڈھوڑتے سے ڈھوڑتے تھک گئی ہوں... دیکھو ماں اس کی ماں اس کو بلاجہ نہیں چڑھائے گی اور پھر بار بار کوئی طلاق کا کاغذ ٹھوڑی لگواسکتا ہے...

آپاں نے مجھے سمجھایا... ہم سب ایک دوسرے میں ہمیشہ داغ ڈھوڑتے رہتے ہیں... جب تک ہمیں کسی بھی انسان کے داغ دار ہونے کا ثبوت نہ مل جائے ہم اس کو اپنے سے اونچا... ہاتھ نہ دے والا... مادو سے رسانی خیال کر کے اپنے آپ کو تکلیف دیتے رہتے ہیں... ہم ایسے لوگوں کو زیادہ اطمینان سے قبول کر لینے ہیں جو دار ہوں کیونکہ ہمارے خیال میں داغ دار لوگوں کو کام میں لانا زیادہ آسان ہوتا ہے... کیونکہ داغ دار لوگوں کے سر پہلے سے ہی جھگے ہوئے ہیں... ان کو دنیا اس قدر مشکل کر چکی ہوئی ہے کہ ان میں اکثر... جھٹ... جھٹ... تمام غامضیاں پیل ہو چکی ہوتی ہیں... جیسے سدھائے ہوئے ٹھوڑے... جس کے ہاتھ میں بھی لگام دے دو آئی کو خود پر سوار کر لیں گے... سوار کے پیروں کی ٹھوکر چاہے ان کے سمسوں میں نت سننے ذمہ ہی کیوں نہ ڈال دے... اس کے اشارے پر تیز... ہلکے... ہر طرف دوڑتے بھڑکیں گے... آپاں نے بالکل ٹھیک سوچا... سدھایا ہوا... داغ دار ہی دیکھا تھا... میں نے بے دلی سے تقریباً دسویں اور ایک دو دن سوچ کر ماں میں جواب دے کر جان چھڑائی... آپاں کو کہہ دیا کہ میں نے ہدایات دلوادیں کہ خاتون کو میرا گھر اور ہے بہت پر اعتماد شافی ہے پالنے میں ورنہ... آپاں نے مجھے لاسر دیا اور چند ایک ہفتوں میں ہی شادی کی تیار یا شروع ہو گئیں... بہت دنوں بعد میری چھوٹی بہن اپنے خاندان اور آپاں کا خاندان ایک ساتھ ہوئے تھے تو گھر میں الگ ہی کچل محسوس

ہوئی... پرانے زمانے کا بنا ہوا ہمارا گھر بستی چتھوں میں ڈوب گیا اور مجھے بھی کچھ بڑی سکون ملا... بیٹوں بچے میری بھونڈی بہن سے کافی بے ہوش تھے تو اس کے ساتھ نے ان کو بھی خوش کر دیا تھا...

ماس صاحبہ سیدی سامادی خاتون تھیں... بیماری کے باعث اکثر ہی بہت سی باتیں کرنا بھول جاتیں اور بعد میں مجھے فون کر کے بتاتیں... ایک دن انہوں نے مجھے فون کر کے بتا کر کہ جو بھمدی کی رسم کا کہا ہمارا ہے تو لڑکی کو پریشانی ہے... اس کی دوسری شادی ہے اور اسے یہی اس قدر صدمہ دھام اُسے اچھی نہیں لگ رہی... وہ صرف اتنا چاہتی ہے کہ ان رسوں کو اگر ضروری میں انجام دے دیتا ہے تو بس اپنے گھر کی حد تک محدود رہیں... میں خوش رہنے سے پیش آیا اور خود ہی ان کی بات پر ہائی میری اور ان کو دلاسا دے دیا کیا یہاں کرنا چاہیے... گھر گیا تو دیکھا آکا کا مود بہت خراب تھا... پوچھنے پر معلوم چلا کہ ان کو یہ بات بہت بُری لگی کہ بھمدی اور بایوں کی رسم کو صرف گھر والوں تک محدود کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں اور بات مجھ سے براہ راست کر لی گئی کہ انکار کی کوئی گنجائش نہ رہے... میں جان گیا تھا کہ آکا کو رسوں کو محدود کرنے سے زیادہ ایک داغ اور انسان کا اپنی پسند پاپسند پر آواز بلند کرنا بڑا لگ گیا تھا... بھلا ایک علاقائی فاضلہ جس کی قسم کی ڈیما ڈیما رکھ سکتی ہے؟ میں نے کہا اُمی ایک آکا داغ... اس کی اتنا... شرم ہاتی ہے؟ میں نے آکا کو سمجھا بھلا کر اس کی اور دل میں ماس صاحبہ کے دھمے خراج کا قائل ہوئے لگا... مجھے بھی شادی میں بلاجے کے خرچے اور دھوم دھام سے کوفت ہو رہی تھی کہ میرے تو بچے بھی تھے اور وہ بھی اچھی خاصی بڑی عمر کے تھے...

کچھ دنوں کے گھر پر کھانا بھی تھا جبکہ رخصتی شام میں شادی ہال سے ہو کر اپنی کلبہ اہم قہر

بہنوں اور اسے بچوں میں بٹھا رہا... بچوں کے سو جانے کے بعد کمرے میں نہ جانے کا جواز نہ رہا... میں بے دلی سے کمرے میں داخل ہوا... وہ بستر پر حسبِ ودایت بیٹھی تھی... شہر دانی سے چھٹا ہوا کر... میں بستر کی دوسری طرف رکے صوفوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا... اور اُسے انہوں دیکھنے لگا... دوسرے جگائے کی بٹ کی طرح بیٹھی تھی...

میں نے رشتہ منظور کرتے وقت اچھی طرح بتا دیا تھا کہ میں یہ شادی صرف اسے بچوں کی خاطر کر رہا ہوں... اور تمہاری والدہ سے بھی تو دوک میں نے یہی دہرایا تھا...

میں کہہ کر خاموش ہو گیا اور سونے لگا کراب کیا کہوں... پہلی بار بستر پر سبجے... بیٹھے... مغلطرت میں حرکت ہوئی... اُس نے جیسے پہلو بدلا کر پھر جامہ ہوئی...

’حد ہے کہ تم ماں بیٹی نے مجھ سے اتنی بڑی بات چمپائی؟ تم لوگوں کو اپنا نہیں تو میرے بچوں کا خیال کرنا چاہیے تھا... مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ جب میں نے مکمل طور پر خود کو واضح کر دیا تھا تو پھر تم لوگوں کی طرف سے یہ بھوت کیوں؟‘

میری آواز تو بچی کی مگر کتنی اس قدر زیادہ تھی کہ بٹ نے گھبرا کر اٹھا کر میری طرف دیکھا... مگر ’اب میری زبان مکمل چلی گئی‘

’تم جب اپنے دو سال کے بچے کو نہدہ سکیں اور ماں ہوتے ہوئے بھی اُسے خود کو نوپ کر خود آواز دی سے بیٹھ گئیں تو بھی میرے بچوں کے ساتھ کیا کر دی؟ اس طرح کا دھوکا دے کر کیا سمجھیں تم کہیں بیچور آتم کو برداشت کر لوں گا؟‘

میں ایک ایک ہی دنگی ہو گیا تھا... جیسے کوئی بہت اُمید سے کسی سواری کا انتخاب کرے اور وہ اُسے سچا راستے میں دھانے جائے... میں ابھی اپنی

سوچ میں تھا کہ اچانک اُس نے تیزی سے اپنا گھونگٹ اُتار بستر کی سائیل پھیل کر کے جگ پر ہاتھ مارا... صاف جھپٹتے لگائیں میں پانی بھر کر... دروازہ کھولا اور اُس کی جلجت سے ایک چھوٹی سی ٹیشی نکال لی... دھکسن شاید انیر ناٹ تھا یا پھر وہ بھراہٹ میں طاقت نہیں لگا رہی تھی مگر ایک درجنوں کی تک دودھ کے بعد شیشی کھل کر اُس نے اپنے ہاتھ میں چند گولیاں اُٹھ لی اور گلاس منہ سے لگا لیا... اور پانی پیتے ہی اُس نے مجھ سے اُس کے چہرے کو حیرت سے دیکھا... گو اُس کی شکل و صورت تو مجھے کوئی خاص دھچکی نہیں تھی مگر اسیا نہیں تھا کہ میں نے اُس کی تصویر کو گور سے نہ دیکھا ہو... شادی کی تیاریوں میں صرف وہ گزارنے کے بعد... رات کی تنہائی میں ایک دو بار ایسا ہوا تھا کہ مجھے ایک دم اُس کا خیال آیا تھا اور میں نے اپنی کھٹکی کی میز کے فخر دراز سے اُس کی تصویر نکال کر لی گئی تھی اُس کو انہوں دیکھتے گزارے تھے... اور تصویر کی شکل اور اب کی شکل میں کافی فرق تھا... مطلب چہرہ تو وہی تھا مگر جیسے کسی نے سچے کر بڑی طرح لمبا کر دیا تھا... اور پھر مجھے اپنی نظروں پر یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ دم سادہ میرے سامنے بیٹھی تھی مگر اُس کا چہرہ لمبا... اور لمبا... بھراہٹ لمبا ہوتا چلا جا رہا تھا... ابھی اس میں سنبھلا نہیں تھا کہ اُس کی سانس اٹکنے لگی اور اُس کے لیے ہوتے چہرے کا دہانہ اچانک سے نیچا ہو گیا... جیسے کوئی چھڑک کر پہلے لمبا کرے اور پھر اُس کے آدھے سے بھر پور لگی رکھ کر مڑوے... میں واقعی گھبرا گیا تھا یا پھر ڈر گیا تھا... یہ کوئی انسان نہیں... یہ تو کوئی عفریت لگ رہی ہے... بھلا ایک انسان اپنے چہرے سے ایسا کیسے مکمل سکنا ہے... میں سو منے سے اچھل کر کھڑا ہو گیا... اُس کا ایک ہاتھ میری جانب بڑھا جیسے مجھ سے مدد طلب کر رہی ہو مگر یہی ہمت ہار چکا تھا تو تیزی سے کمرے

سے باہر نکل آتا تھا... باہر نکلے ہی دیکھا کہ تمام لوگ
جن میں کچھ دروازہ کی روشنی دار جو کہ شادی کی خوشی
میں ایک دودن زنکے آئے تھے سب ہی سونے کے
لئے چھپیں دھوڑ رہے ہیں... ٹھکنے کے باوجود ایک
خوشی ہی محسوس کی جا رہی ہے... مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا
کہ کیا کروں... کیا ڈانکڑ کو بلاؤں... ماس صاحبہ کو
فون کروں یا سب گھر والوں کو اکٹھا کر کے میرے
ساتھ دہلی کے کمرے میں چل کر اسے ملاحظہ کرنے
کا کہوں... میں خاموشی سے سب سے پتھا بیٹا
بیڑھیاں چڑھا چھت پر آ گیا... سر دیوں کی
شرعاعت کی ہذا اجماعت پر کوئی بھی سونے کے لئے نہ
تھا اور میں سونے میں ایک خالی کرسی پر بیٹھ کر ایک بار
پھر سے سوئے لگا کر یاد دہانی میں بے خود دیکھا ہی
ہوا ہے یا پھر میرے دماغ کا کوئی تودہ ہے... نہیں
میں صوفے پر بیٹھتے ہی سوتو کچھ نہیں تھا کہ نیند میں
بے ہودہ خواب دیکھ کر ڈر کر یہاں چلا آ گیا کہ میں نے
تو کوئی آج کل میں ڈراؤنی فلم دیکھی تھی وہ بھی کو ایسا
خواب آئے... اسی طرح کی باتیں سوئے میں کرسی
پر ہی بے آرامی سے سو گیا اور سوئے ہونے پر نیچے لان
میں جا کر صوبہ عادت پر دوں اور کھائیں میں پانی
دینے لگا... میں کچھ ایسا کرنا چاہتا تھا کہ اٹھنے
والوں کو لگے میں اپنے کمرے سے ہی نکل کر عادت
پر ملنا پڑتی ہے میرے لئے لگا ہوں... سب سے
پہلے چھوٹی بہن بہن میں تو بھی میں ایک کرکٹ چمکا
... وہ بڑی حیران ہوئی پھر جس کچھ سے وہ جاہد خاق
کر کے ناشکی کی تادی کرنے لگی... میں جانے کا
کپ لئے واپس لان میں آ بیٹھا... اور چھوٹی بہن
سے کہہ دیا کہ میرے کمرے میں ناشتہ پینچا دے
میں ٹھوڑی دیر میں آ جاؤں گا... میں سوچ رہا تھا کہ
بہن جانے گی اور اُسے دیکھے گی تو خود ہی جتنی چلائی
سب کو اکٹھا کر لے گی... مگر پھر بہن اندر کی تو

واپس بھاگی بھاگی میرے پاس آئی...
'بھائی جان... آپ یہاں بیٹھے ہیں اور
بھابھی اتنا سادی ہی ہو کر اندر بھی ہیں کہ نہیں کیا
کہوں... آپ پلیز ان کو جا کر کہیں کے ناشتہ کر کے
تھوڑا سا ایک اب وغیرہ کر لیں اور کوئی شرف رنگ کے
کپڑے پہنیں... سبھی اٹھ کر ان کے کمرے
کی طرف دوڑ گئے... جا بیٹے ناں... بہن مجھے
چند ایک اور دایات دے کر چلی گئی... میں بڑا حیران
ہوا... یہ کیا کرسی کی بہن کو اس کا لباس تیار ہا چڑھ نظر
آ گیا جو کئی عادت مجھے ہی بہت سے کام لینا ہوگا
... عجیب بات تو ہے مگر اس کی تہک جانا ہے... میں
خود کو سمجھا تا بھاتا کمرے میں داخل ہوا تو وہ کسی سے
بات کر رہی تھی... کیونکہ صوفے کمرے میں
دروازے سے ہٹ کر دیکھے ہوئے تھے تو اسے
میرے آنے کی خبر نہ ہوئی تھی... وہ کپکانی آواز میں
کسی سے فون پر کہہ رہی تھی...
'میں نے تو منع کیا تھا کہ اب میں اس قابل
نہیں رہی ہوں... نہ کرنا میں شادی... مگر آپ کوئی
بہن یہ سب کرنے کا جنون تھا... کیا لکھو کہ وہ
پہلے کیا کم ذات اٹھائی ہے... میں نے؟ بات بھی
کروں تو کیا کہوں... وہ مجھ پر یقین کیوں کرنے
لگے...
میں ڈٹ کر اس کے سامنے پہنچ گیا تو اس
نے اتھری میں فون بند کر دیا... بچے فریڈ کی کپڑوں
میں... دھلے ہوئے منہ... پھیلا ہوا کابل اور آبدیدہ
آنکھیں... کچھ مجھے اُس پر ایک لمبے کوٹین میں آیا...
... یہ اس قدر خوبصورت تھی نگہ دہی سے جبکہ یہی
چہرہ رات میں کیسا ڈراؤنا ہو رہا تھا... بیز پر ناشتہ رکھا
جا چکا تھا اُس کے آگے رکھی جانے غلطی ہوئی بڑی
تھی... مجھے دیکھ کر وہ اٹھنے کو بولی مگر ایک کراہ کے
ساتھ واپس بیٹھ گئی... اب مجھے اندازہ ہو گا کہ وہ

صوفے پر بیٹھی ہوئی نہیں بلکہ نیم دراز تھی... بیز پر
اُس کی دوہائی کی کشتی بھی رکھی گئی اور مجھے ایک بار پھر
سب یاد آ گیا... میں کمر پر دوڑوں ہاتھ لگائے اب
اُسے بخود کمر پر لے آتا تھا... سوچ رہا تھا کہ شرف رنگ
کروں تو کیا کہوں؟
'آپ پلیز کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے...
برائے میری باتیں سن لیں... میں ایک بار... پلیز آپ
میری بات سن لیں... میں ایک بار... میں اسے آتے
پھر کوئی سوال نہیں کروں گی... پلیز...
اُس کے لہجے میں جہاں نہایت تھی وہ جہاں حد
درجے کی انجمن تھی... میں کسی سانس بھر کر اُس کے
سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا...
'امی جان نے آپ کی بڑی بہن کو سب بتایا
تھا... میری شادی پھر بنے گا میرے شوہر کو مل جانا
سب بتایا تھا... ہم نے کچھ نہیں چھپایا... آپ یقین
کریں... بس اتنی غلطی ہوئی کہ امی جان نے آپ
سے مندرجہ بات نہیں کی... اگر آپ کہیں تو میں آپا
سے بھی چھوڑا سکتی ہوں... ہم نے آپ کو لوگوں سے
کوئی چھوٹ نہیں کہا... کوئی دھوکا نہیں دیا...
میں نے نفی میں سر ہلاتے تھے لیکن سو پر چھا...
'اور جو رات میں تمنا ہوئی... کہ اس کے
بارے میں بھی بتایا تھا آپا کو... کہ اس کا بھی ہوتا ہے؟
وہ صوفے پر نیم دراز اتنی چلی کو لپکے لپکے
سہارا دیتی تھی ترپ کر سیدی ہوئی...
'دو... دراصل مجھے جو بیماری ہے اُس میں...
اُس میں کسی بھی ایسے لمبے کو جو میرے لئے سہنا
مشکل ہو جائے تو ایسا یا اس جیسا دورہ پڑ جاتا ہے...
مگر یہ کوئی درد نہیں ہوتا... میں دوایں کا قاعدہ سے
لے کر ہوں اور آپ یقین کریں میں شادی کی رات
کے لئے اپنا بہت خیال کر رہی تھی مگر آپ نے
آتے کے ساتھ ہی جس طرح مجھ سے چھوٹ اور

دھوکے کی بات کی تو میں برداشت نہیں کر سکی... آپ
یقین کریں... پلیز...
وہ ابھی تک کھینچا کرتی تھی... ایسا لگ
رہا تھا کہ کوئی لٹو ہو گا کہ میرے پیر پر چڑھ کر بیٹھ
جائے گی... میں چڑھ گیا...
'یہ کیا خفا کر رہی ہو تم میرے ساتھ...
تمہاری اس بیماری کی وجہ سے ہی کچھ تمہارا شوہر لے
گیا کہ تم اس قابل ہی کہاں ہو کچھ پال سکو اور
تمہاری ماں نے تمہیں میرے سر منڈھ دیا... میرے
بچوں کا کیا ہو گا اب...
میرے تیرے لگے سے وہ خائف ہو گئی... اُس
کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزرتے لگا اور مجھے ڈر
لگنے لگا کہ کہیں پھر سے اُس کا چہرہ نہ بگڑ جائے... وہ
جلدی سے بولی...
'آپ میرا یقین کریں... یہ سب دنیا نے
سوچا ہے کیونکہ دنیا جانتی نہیں... میں بہت اچھے
طرز سے لے کر ہمارا اور بچوں کا خیال کر سکتی ہوں...
آپ کسی بھی ڈانکڑ سے پوچھ لیں میں ہر قسم کی ذمہ
داری اٹھانے سے قائل ہوں... جب میرے سابق
شوہر نے میرے سے بچے کے لئے مقدمہ کیا تو ہم صرف
اکیلے ہونے کے لئے نہ تھا گئے... ہمارا دل بھی اُن
کے جالہ... آپ میرا یقین کریں میں آپ کو بالکل سچ
بتا رہی ہوں میں آپ کو اپنے ڈانکڑ سے ہی بات کر دیا
سکتی ہوں...
میں سخت سے سر ہلاتے لگا تو وہ بے یقین ہو
کر اور بھی اٹھا کھڑی ہو کر اُتر آئی...
'آپ پلیز مجھے ایک موقع دے دیں... بس
ایک خانس... پلیز... میں مجھ پر ایک بار پھر مدد کر لیں
... آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گئی... آہ یقین
کریں میں آپ کے بچوں اور گھر کا پورا پورا خیال
رکھوں گی... پلیز بس ایک بار... پلیز...'

وہ باقاعدہ انگلیوں سے روئے گئی اور مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس شکل کا کیسا عمل نکالا جائے۔ پہلی بار مجھے کسی برہم کی یاد آگیا تھا۔ مگر میں اس بات پر بہت گھبر گیا تھا کہ یہ نہیں اس کو کون سی سوزی بیماری ہے اور کیا میرے بچے اس کے چھوئے جانے سے اسی بیماری میں مبتلا نہیں ہو جائیں گے۔ سوال اس قدر زیادہ تھے اور جواب نادر۔ میں اس طرح ایک جاگ شادی کے دوسرے ہی دن تو اسے چھوڑ بھی نہیں سکتا۔ ایک جاگ دونوں گا۔ آقا کو پہلے سے سب کچھ بتایا جا چکا تھا۔ آج ایک مجھے آپا پر غصہ آئے لگا۔ آپا نے میرے ساتھ ایسا کیا کہ اس بات کی دشمنی نکالی آپا نے مجھے سے میرے معصوم بچوں سے؟ کچھ نہیں آ رہا تھا پھر میں اس قدر صفا ہوا تھا کہ داغ دیکھ دیکھ ہی سوا ہوا تھا۔ ابھی تو چند دن سکون سے کت ہی جا رہی تھی کہ کمر میں لوگ پھر مگر بعد میں کیا ہوگا۔ میں اس کے ساتھ بھلا سی طرح اپنے بچوں کو اکیلا چھوڑ سکتا ہوں۔ وہ تو عجیب مگن چکر میں چس گیا۔ میں سوچتا سوچتا ستر پر جا کر اور لیٹنے ہی ہو گیا۔

☆ ☆

میں سو بائیں تھا بلکہ شاید بے ہوش ہو گیا تھا کہ جب آنکھ کھلی تو رات کا کوئی پہر تھا اور میرے سر ہاتھ پیر میرا داری تھی۔ مجھے آگاہیوں کو لے دیکھ کر وہ ہونٹ پیچھے کر پیچھے تکی جیسے خود کو میری نظروں سے بچا رہی ہو۔ میں کہوں گے کہ سہارے اٹھ کر کھینے سے لگ لگا کر بیٹھ گیا۔ سوپ بنا کر رکھا ہے میں ابھی لے کر آتی ہوں۔

وہ میری نظروں سے دور ہونا چاہ رہی تھی اور جیسے ہی میری نظر وہ بارہا اس پر پڑی تو وہ جلدی سے اٹھ کر کمرے سے جانے کا کرنے لگی۔

’خود! اور آؤ... میں نے تمھارا انداز میں اسے پاس بلایا۔‘
’میں پہلے تمھارے ڈاکٹر سے ملوں گا۔ پھر تمھاری رپورٹس دو ایکوں کی پر چیاں سب کچھ ماننے کی جان بچان والے ڈاکٹر کو دکھاؤں گا اور پھر اگر مجھے اطمینان ہو تو ہی۔‘

میں نے ڈک کر اس کا جائزہ لیا وہ چھوٹی بچی کی طرح ہر جگہ بستر پر میرے پیروں کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی نظریں ایک دم انھیں اور آگاہیوں پھر سے آبدیدہ ہو گئیں۔ ان بڑی بڑی آنکھوں کے چلنے چلنے صاف نظر آ رہے تھے جو مجھے یقین سے کرتی تھیں تھے۔ وہ سارا وقت روتی رہی تھی۔ مگر اگرچہ رکھانے کا وقت نہیں تھا۔ میں اپنی بات بہت واضح طور پر دو ٹوک کرنے کا عادی ہوں کہ ہر بات پہلے سے طے ہو جائے تو بعد میں اگر مگر کی باتیں نہیں رہتی۔

’وہ صاف صاف بتا رہا ہوں۔ کہ اگر مجھے اطمینان ہو تو ہی رشتہ چل سکے گا کیونکہ میں اپنے بچوں کے لئے کوئی مشکل کوئی نہیں کروں گا اور پھر۔‘
’یہ بھی یاد رکھو کہ زندگی میں بھی کبھی۔۔۔ تم پر کوئی اس طرح کا دورہ پڑا کرتا ہے میرے کسی بچے پر آجھ اٹھایا یا مارا چاہا یا دھکا دیا یا گھبرائی چیز کو نقصان پہنچایا تو میں ہر دو ٹوک کہہ رہا ہوں وہ دن تمھارا اس گھر میں آخری دن ہوگا۔ سمجھ گئی تم۔ میں کسی کی بات نہیں کروں گا۔‘
وہ ایک دم کسی بھر کر روئی گئی اور مجھے شرم آگئی۔ کم از کم مجھے بالکل جیسا کہ لفظ اس کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ وہ پاگل تو نہیں گئی۔ میں نے وہ بات پلٹ دی۔

’اچھا جاؤ۔۔۔ میرے لئے سوپ کے ساتھ بری بھی لے کر آؤ۔‘
’میرا ایک لگ گئی ہے۔‘
’میری اجازت پا کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور

جلدی سے کمرے سے نکل گئی۔ اس سے پہلے بھی کئی مشکلیں آئیں ہیں اور ہر مشکل سے میں نے تھوڑا سا ہو کر دنیا کو جیت کر دکھایا ہے میری باتیں ان ہی تھی کہ میں ڈر کر یا اچھانے میں کوئی بھی فیل نہ کروں۔ بہتر یہی ہے کہ میں سب کچھ سمجھ دوں۔

’ابھی وقت ہے۔۔۔ کچھ بھی محفوظ ہیں۔‘
’اگلے دو ہفتوں میں۔۔۔ میں اس کے ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ کی اور ڈاکٹروں سے ملا۔ اس سے دو ایوانوں۔‘
’اضطراب اور علاج کے بارے میں پوچھتا رہا۔ یہاں تک کہ رات گئے تک انٹرنیٹ پر اس کی بیماری کے بارے میں ڈیٹا ڈاؤن لوڈ کر رہا تھا۔ ہر جگہ سے مجھے ایک ہی بات پتہ چل رہی تھی کہ اگر ایسے مریض بروقت دوائیاں لیتے رہیں تو یہ بالکل نارمل زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہاں ان کے لئے بہت جذباتی ہونا ٹھیک نہیں ہوتا۔ جس کے لئے احتیاطی طور پر پہلے سے اقدامات کر لئے جائیں تو ایسے مریض مشکل کموں کو بھی سہہ جاتے ہیں۔ جس ڈاکٹر سے وہ باقاعدہ علاج کروا رہی تھی اسے شادی کے بارے میں معلوم تھا وہ مجھ سے بڑے شاک سے ملا مجھے سہرا لگا کر میں نے ایک ایسے انسان پر ہمدردی کے دیا کوئی اور دکھائی ہے اور خود ہی تمام معلومات مجھے فراہم کر دیں۔ ساتھ میں ایسے مریضوں کی ازادائی مشکلات پر کتابیں بھی دے دیئے۔ جو میں نے پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ کم از کم جو خود کو مارنے تصور کرتے ہیں نہیں کہیں ایسی کسی قسم کی باتوں میں جلاسا دیں مگر گزار دیتے ہیں اور ہمارے سامنے۔ باری عزم میں برداشت کرنے کا ارادہ دیتے ہیں۔ خبر یہ سب محض باتیں بھی ہو سکتی تھیں مگر دوسرے چند ڈاکٹروں کے اطمینان دلانے سے مجھے تھوڑا سکون ملا۔‘

آہستہ آہستہ سب لوگ جانے لگے اور پھر

آخر میں آیا بھی جانے کی تیاری پکا کر گئے تھے۔ میں دل ہی دل میں آپا سے ناراض تھا۔ میں نے اکیلے میں آپا سے پوچھا تھا تو انہوں نے یہ کہہ کر جان پھڑائی کہ کوئی پند ہی نہیں آ رہا تھا اس وجہ سے انہوں نے یہ کیا۔۔۔ بہر حال ان کے جانے کا مطلب یہ تھا کہ میرے بچے اب اس کے ساتھ اکیلے ہیں گے۔ مجھے فکر تو ہوئی مگر اب ہو سکتا تھا یہی آپا تک میں نے دیکھا کہ بچے اس سے کئی باتیں ہو گئے تھے۔۔۔ جبکہ وضو تو اکثر رات میں ہمارے کمرے میں ہی چلا آتا کہ ’اماں کے ساتھ سوؤں گا۔‘
’خوش ہوئی نے سکھایا تھا کہ وہ بچہ ہر ماں سے کہتا ہے تو میں اب وہ مسلسل ہی اسے امان کہہ کر پکارتا تھا۔ میں نے چند دن مسلسل نظر رکھی۔ اکثر اس سے بغیر بتائے جلدی آ جاتا۔ مگر یہ کسی بھی وقت فون کر دیتا اور اگر فون نہ اٹھا یا جاتا تو صحت سے گھر پہنچ جاتا۔ میں نے گھر میں آنے والی ملازمہ کو بھی کہہ دیا تھا کہ سوتیلی ماں سے کہیں بچوں پر زیادتی نہ کرے تو نظر رکھنا۔ اکثر اس قسم کی چٹا پے مار حرکت میں کچھ غلطیاں بھی ہو جاتیں جن پر مجھے خرم نہ ہوتی تو بولی کراچ تک میں نے اس سے معافی نہیں مانگی تھی۔ اب سوچتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ میں کسی چالاکی سے محض گھر دیکھنے کے خوش ہوں تو میروں کام لیتا رہا اور بے احسان بھی نہ رہا۔۔۔ یہاں تک کہ برہم اس کے سر پر غلطی کی صورت میں کھرے نکال دینے کی تیار بھی لگا لگا دکھتا تھا۔ وہ ایک ایک بات کے لئے مجھ سے رابطہ کرنے پر مجبور تھی۔ بچے تو چند ہی مہینوں میں اس سے مکمل مل گئے تھے اور اس کے ساتھ خود کو محفوظ سمجھتے تھے۔ مگر میں برہم اس کو جتا رہا تھا کہ بچوں کو کہیں بھی اکیلے لے جانے کی وہ دھمکائیں اگر کبھی اسکول کی میٹنگ یا بچوں کے کپڑوں دھیرے کے لئے دھ جاتی بھی تو ہر

آدھا ایک گھنٹے میں اُس کو فون کر کے پوچھا رہا تھا... وہ ہر کال پر گھبرا کر تمام روادار سنا لیا... کبھی فون نہ اٹھاتا، تو دوسری بار اٹھانے پر میں کھڑی کھڑی سنا دیتا... میں جس طرح بھی کھنکھار اُس کی تجویز دیتا تھا کہ بھلائی میں اٹھانے جانے والے کسی قدم کو بُری طرح رد کرتا تو اُس کی آنکھیں ڈبڈباتی جاتی تھیں مگر زبان سے کچھ نہ کہتی... کچھ ہی دنوں بعد مجھے اندازہ ہوا کہ وہ جو کبھی سے ٹھیک ہی ہوتا ہے میں بلا جبر اُس کو روک دیتا ہوں پھر بعد میں بات ٹھیک ثابت ہو جاتی ہے تو اکثر میں اور اُٹھتا چلتا جاتا ہوں... چلو میں تو اپنی جو غرض میں سر اٹھاتا چلتا جا رہا تھا مگر وہ کیوں اس قدر جھنجھٹا چلی جاتی تھی...؟ اس بات کا تو اندازہ نہ پانے ہی لگا تھا کہ وہ مجھ سے داغ دار ہونے کی اگلی ٹیک ہے... کچھ سزا بھی تو ہوتی تو چوتھ لکھوں کی ہیں جس مگر نہیں اور اوپر کر دکھ دیتی ہیں... یہ چند دنوں... مہینوں یا شاید سال دو سال بھر کی سزا میں کچھ اس قدر شدت سے دل داغ... پر حملہ آور ہوئی ہیں کہ رہائی جا ہے دوسری قسم کی قید و بند کی صورت ہی کیوں نہ لے... فوراً قبول کر لی جاتی ہے... وہ بھی اپنی قید سے نکل کر اس قید کو جانفشانی سے برداشت کرنے کی ہوری کوشش میں لگی ہوئی تھی... ایسے میں کبھی بھی مجھے اُس پر بہت رحم آتا جاتا... جب کبھی میں اُس کو کچھ سنا دیتا اور بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوتا تو دل چاہتا جاتا کہ اُس سے معافی مانگ لوں... وعدہ کروں کہ اب اُس پر حملہ بھر دے گا... کہ اُس کی جگہ کو کوئی ایسی ہی خوبصورت... کم عمر اور بڑھی ہوئی لکھی ہے... شادی کرنی تو کیا میں اُسے بھی اس طرح مسلسل جی پی داؤ میں رکھ سکتا تھا؟ ٹھیک ہے بار بار کی دہائیات پر وہ میرے مطابق بچوں اور مگر کا خیال کہ بھی تو کیا وہ اس کی طرح بہت خاموشی اور صبر سے اپنے حقوق سے بھی

دستبردار ہو سکتی تھی؟ شادی کی شرٹا کا میں... جہاں میں نے یہ داغ کیا تھا کہ آنے والی میرے گھر اور بچوں کا بھر پور خیال رکھے گی تو کچھ حقوق آنے والی کے بھی تو تھے... جن کو داغ نہیں کیا جاتا مگر وہ اپنی جگہ ہوتے ہیں اور جن کا پورا کرنا شوہر پر عرصہ ہوتا ہے...!

میں سہاگ رات سے جو اُس سے دور ہوا تھا تو اب تک ایسے ہی رہ رہا تھا... مومن پر پکے جاو لے کر سو جاتا... پہلے کے چند دن تو مجھے اُس کے دورے میں بگڑ جانے والے چہرے کی یادیں ڈرانے لگی تھیں... بعد میں دوسری لگرس کی دامن گیر ہو گئیں... نہیں میں سو یا ہوا ہوں اور وہ اچانک مجھ کو حملہ آور... میرا گناہ کی تو باہت ہے... چہرہ پوچھ سکتی ہے... کچھ بھی ممکن ہے... وہ بھی جیسے ہر آدمی سے مجھے مسئلہ کا وقت دے رہی تھی... ایک بار بھی اُس نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا... نہ ہی کوئی وضاحت دی مگر مہمانوں کے چلے جانے کے بعد تنہا لیغی ہوئے پر پیسے ہی میں نے کسی قدم اٹھایا اُس کی پریشانی صاف ظاہر ہو گئی... جس رات میں کمرے میں لٹکے کی میز کو باہر نکال کر اپنا بستر نکال رہا تھا وہ ایک دم سے گھبرا گئی تھی... اُس نے بے چینی سے پکڑا تھا لے تھے اور میں کمرے میں ہی تیزی سے چکر کا لے تھے... کبھی باہر نکل جاتی... مگر میری سر دہری کے آگے اس کی زبان لکھی ہی نہ تھی... یہ بھی بڑی جرح تھی کہ بات کی کہ نہ کو کمری کی بات پر اعتراض ہوتا تو وہ بھی نہ کہتی اور بدلا آتا رہتی... کبھی بھی تو مجھے لگتا تھا کہ اُس کی زبان پر کوئی اپنے کا لڑکھو تھا جیسا کہ میں نے کچھ کہا کہ اُسے کا گوارا ہوتا تو بے سے اُسی جتنا اور زیادہ تر اُس سے زیادہ... دُشمن میں دگنا... جواب حاضر... میں غصہ اندازہ کر کے اپنی توجہ کی اور طرف کرنے کی کوشش کرتا تو وہ ایک

اور حملہ کر دیتی... اور جب تک میں کھڑا کر نہیں دیتا یا اُس کو سنانے کے لئے کوئی بھی بات نہ کرتا لیتا وہ جیسا نہیں لگتی تھی... کبھی بھی تو رات میں کی گئی بات کو پورا دن چلاتی... کچھ لوگ اندر سے تو خالی ہوتے ہیں مگر باہر سے ہر وقت لبالب بھرے رہتے ہیں... جہاں ہم نے اُن کے حراج کے خلاف کچھ کیا... انہوں نے اُلٹ دیا... دے دیے تو اس میں کوئی بُرائی نہیں مگر رشتوں میں انسان لبالب بھرا نہیں رہتا چاہئے... اسے اندر جذب کر لینے... خندہ پیشانی سے برداشت کر لینے کی تھوڑی سی عادت ضروری ہوتی ہے... میں یہی سمجھا تھا کہ اب میری خواب گاہ ہوتی ہے... میں سانس صندھ تک پہنچنے کی اور میری کمری بہنوں تک... مگر ایسا کچھ نہ ہوا... سانس صندھ کو مگر معلوم چلا بھی تو انہوں نے کسی اور سے کوئی تذکرہ نہیں کیا... میں نے چند دن انتظار تو کیا مگر پھر مجھ گیا کہ اس بات کو بھی دوسری بہت ہی باتوں کی طرح جذب کر لیا گیا ہے۔

پہلے دن کی بے چینی کے بعد پیسہ وہ مکت میں آئی اُس نے کسی کوئی شکایت کی اور نہ ہی مجھے کبھی ایسا ظاہر کیا کہ وہ میرے اُلگ ہونے پر ناراض ہے... ہر ستر پر ہر روز جا رہی بدل دی جاتی... اور موسم کے حساب سے اوڑھنے کے لئے جاوے یا کھیل بھی میرے کمرے میں جانے سے پہلے دھک دیا جاتا... مجھے ایک دو بار خود پر غصہ آیا... تو کب تک کسی سزاؤں میں شام کیا جاتا ہے کہ ہوئی کے تعلق کسی کس کو الگ کر دیا جائے... میں اُس کو کس تصور کی سزا دے رہا ہوں... کس بات پر اُڑا ہوا ہوں... مگر بات جو کر چکا تھا اُس کو کرتے چلے جاتا بھی مجبور تھی... مگر کو میں نے بھی جانتا تھا کہ وہ مجھ سے اس قدر سببی ہوئی ہے کہ اُسے بڑھ کر شاید زندگی بھر اس قسم کا کوئی مطالبہ نہ کرے... تو میرا کیا میری ساری زندگی ایسے ہی

مگر اردوں کا؟

☆.....☆

ایک دن اُس کے ماموں مجھ سے ملے میرے دفتر آ گئے... انہوں نے کلاچ کے دن مجھ سے میرا کارڈ لے لیا تھا... میں نے یہ اصول اپنایا ہوا تھا کہ کچھ بھی ہو... اُس کے گھر دالوں کو عزت و احترام دوں ماس صندھ بھی ایسی بات پر مجھ سے کافی خوش رہتی تھی... ماموں اچانک دفتر آئے تھے مگر اتفاق سے میں دوپہر کے کھانے کے لئے فارغ ہوا تھا... کھانے کے لئے اُن کو بھی ساتھ لے گیا... مجھے اُن کی شخصیت میں لگتی بھائی کرنے والی ایک بوڑھی امی جیسا لگتا ہوا تھا مگر پھر بھی جتنی الامکان اُن سے خوش دل سے ملا... اور وہی ہوا... انہوں نے ایک بار پھر سے میرے داغ میں ہزار قسم کے دوسرے ڈال دیئے تھے... میرا دل بھگ گیا... بڑی مشکل سے دفتر کا وقت پورا کر کے گھر پہنچ گیا اور بچوں سے دل بھانے کی کوشش کرنے لگا... اُس نے میرے چہرے کو بڑھنا شروع کر دیا... مجھ سے کسی بارہیت کا پوچھا... کچھ کھانے پینے میں بے احتیاطی پر اعتراض کیا... میں سمجھتا تھا تو وہ حسبِ عادت خاموش ہو گئی...

’جس تمہارا ماموں زاد تم میں دلچسپی لے رہا تھا اور شادی کا راجا تھا تھا تو تم نے انکار کیوں کیا؟‘ رات میں کمرے کے تباہی میں... جب وہ اپنے معمول کے مطابق دوپہر وغیرہ کھا رہی تھی تو میرے اس اچانک سوال سے گڑبگڑا گیا... اور جو پانی گھاس میں دوا لیا کھانے کے لئے اُٹھ رہا تھا... غلاظت ہی تھی... میں نے اُس کے ماموں کے مجھ سے ملنے کی اطلاع دی اور کچھ مومنوں پر بھی بات چیت کر لی اور یہ بھی کہ ماموں نے بتایا کہ اُن کے بیٹے کا اُس کے لئے رشتہ بھجایا تھا مگر ذلیل کر کے

انکار کر دیا گیا جسکو ماسوں کا لڑاکا اُس کے سابقہ شوہر سے کہیں زیادہ خوبصورت اور بڑھا چکا تھا۔ وہ گلیں چمکائے بغیر بھیستے تھے ریلیں میرے پُپ ہونے پر گلا گھسکا کر بولی احتیاط سے گویا ہوئی...

'دوست اور عزت تو خداوند کے ہاتھ میں ہوتی ہے... اے! نے ان کو ذلیل تو نہیں کیا بس لڑاکا لڑکی کا مزاج بہت مختلف ہے یہ کہہ کر شے کولوٹا دیا تھا۔ میں کیا کہوں وہ اب تک اس بات کو دل سے لگائے بیٹھے ہیں۔'

'ہاں... وہ تو ابھی تک بہت ناراض ہیں... کہہ رہے تھے کہ غرور کا سر نیچا ہوتا ہے اللہ نے سب کو دکھادیا...'

میں ایک بار پھر اپنی ذہن میں ایسا کچھ گھمایا تھا کہ اُس کا سر نہامت سے جبک گیا۔ اور یہ بات میں کرنا نہیں چاہتا تھا۔ آگ پر کسی کا نام نہیں لکھا ہوتا... یہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتی... جو جس طرح چاہے اسے استعمال کر لے... کچھ لوگ اپنے دل کو گرہ ماتے ہیں تو کچھ لوگ اسی آگ کو دوسروں کو جلانے کے لئے استعمال کرتے ہیں... چلا جائیگی کسی اور نے تھا اور پھر کمر میں اُس پر گیا تھا... میں نے کچھ کو نرم اور غیر جانبدار کر دیا اور چار بائیں اور کئی بائیں... مگر کچھ اسی طرح کہہ بیٹھے کسی تیار ہوں گی یہ باتیں ہوئیں... اُس کی آنکھیں پھر نہیں اٹھی تھیں اور میرا دل اور بھی اُداس ہو گیا تھا... میں اپنے بستر پر منہ دوسری طرف کر کے لیٹ گیا... مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ابھی بھی اسی طرح ہاتھ میں خالی گلاس لئے بستر کے کونے پر بھی بیٹھی ہے... اچانک مجھے پڑے ہوئے کسی بچوں کی ہدایات اور پہلی رات کا خیال آ گیا... میں چونک کر اٹھ بیٹھا...

'سنو... دو! اکی کھا! تم نے؟'

میں نے نرمی سے پوچھا اور اُس کی طرف

سے جواب نہ دیا کہ اُس کے پاس کچھ گیا۔

'اور وہ کھو... اور وہ کھو میری طرف؟'

اب کی بار میں نے بات کرتے ہوئے اُسے کندھے سے پکڑ رکھے سے بلا بھی دیا۔ وہ چونک کر جہان نظروں سے مجھے دیکھنے لگی... میں نے گلاس اُس کے ہاتھ سے لے کر دوانی کی شیشی پکڑا دی اور گلاس میں دو بار دہانی بھر کر اُس کے برابر... بہت ہی قریب بیٹھ گیا... اُس نے میرا کئی انداز میں گولیاں کھا کر پانی پی کر گلاس میری طرف بڑھا دیا...

'چلو! شے جاؤ... آرام سے... اور کوئی ضرورت بات مت جاؤ... سب ٹھیک ہے...'

میں نے اب اُسے بازو سے پکڑ کر کمر آ کر دیا تھا...

'کہاں ٹھیک ہے؟ میں کتنی ہی کوشش کرتی ہوں... مگر ہر روز نا کامی کا سامنا ہو رہا ہے... آپ تو روز ہی میرے بارے میں کچھ عائن لینے جیتے ہیں... میں کہاں تک آپ کو...'

دور دہائی ہونے لگی...

'ایسی بھی اب کوئی بات نہیں... ہم سب کا ماضی تو ہوتا ہے اور ماضی کی ظالیوں پر ایک دوسرے کو حاف کر دینے میں ہی ارشہ مضبوط رہا ہے... ہیں... اب جو کھارے ساتھ ہوا... اُس میں تیار ہارنا ہاتھ تھا نہیں مجھے کیا غرض... بس خود آسا جس تو ہوتا ہی ہے اس لئے میں نے ماسوں کو بولنے دیا...'

شاید اتنے سلیقے کی بات کی اُس کو مجھ سے امید نہیں تھی وہ پھر جہان رو گئی... میں نے اُسے سسر پرانا دیا اور پھر... پتہ نہیں مجھے کیا ہوا... ایسا بھی کھار مجھے محسوس ہوا تھا کہ کس بھی جادو کرتا ہے... خاص طور سے ہم مردوں کے تو سر پڑھ کر بولتا ہے... اُس کے بازو پکڑ کر تے ہوئے مجھے جو کمر لاش کی میری ضد کو کھوں میں بکھلائی... کبھی بھی ایسا بھی تو ہوتا ہے

کہ ہم کو دکھ دینا نہیں چاہتے جہاں ہمیں میں ہماری زبان بکھر چلا جاتی تھی... اور جب زخمی ہونے والا بڑے گل سے جوابی حملے کے بجائے... اپنی آنکھیں جھکا لے... نہامت سے سر جھکا لے... خاصوئی سے واپس دہر جائے تو خود ہی شرمسار ہو کر دل اسدوئے کی خاطر آگے بڑھ کر اُس کا مزاج بھال کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں... شاید یہ میرے اندر کا احساس جرم تھا یا سب کا جادو تھا... جو کچھ میں تھا میں اُسے لپٹنے ہی... جیسے سے ہی بند کرے... اپنے سسر سے اور ہٹنے کی جادو محبت اُس کے برابر ہی چلائی...

اندھیرے میں بھی اُس کی پیچ کی مٹاں تھیں... مجھے محسوس ہو گیا تھا کہ اس وقت اُس کو بہت سی باتیں سمجھنے تھیں تو ہیں... وہ پھر سے خالی نظروں سے چھت کو دیکھنے لگی... مجھے کس کا چمکا لگ چکا تھا میں نے جادو کے اندر سے ہی مثول کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا تو وہ تڑپ کر میری طرف کر دت بدلے ہوئے مصیبت سے گویا ہوئی...

'میں تو چاہ رہی تھی کے آج رات آپ مضور کے پاس ہو جائے... میں اب تک بات... آپ کی دہشت اور خوف سے پچھلی آنکھیں بھولی نہیں ہوں... لاکھ یاد کرتی ہوں کہ آپ مجھے گھر آگئے تھے... خواہ مخواہ مجھے ایسا دیا دیکھ کر آپ کا دل مجھ سے خراب ہو گا... اُس وقت بہت تکلف میں تھی روز آپ کے لئے صوفے پر چادر بچا کر سونے کا انتظام خود ہی کر دیتی... اگر پھر سے ایسا ہی کچھ ہوتا...؟'

کہنے کو تو اُس نے بھی کہہ دیا تھا کہ پھر امید بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگی...

اور خداوند اندر تو فرماتے ہی ہیں کہ انسان خود پر خدا کی نعمت کو بند نہ کریں... ثواب میں کیا جواز دیتا... کہاں تو انگ سو کر اُس کو... خود کو کھانے کون سے قصور کی سزا دیتا رہا ہوں... آج سے پہلے تک میں

بھلا کس زعم اور کس بات پر اس نعمت کو کھلا کر مارا تھا؟ میرے پاس جواب نہیں تھا کیونکہ اب میں خود ہی اپنے چپکے کی سبکیں چاہتا تھا تو اُس کی بات کو ہلکے سے بول گیا...

'اچھا اچھا ابھی تو نہیں ہو رہا تھا کچھ... ابھی سو جاؤ... بعد میں بھی چکھیں ہو گا... بس تھوڑی صحت کرو... برداشت کرو...'

اور وہ ابھی تو بس اتنا ہی کہہ کر صدفوں بعد میری طرف خوب دیر سے... مضور کے چپکے کی آوازوں سے لکھی... شاید بچے اسکول کے لئے تیار ہو کر ناستے کی میز پر بیٹھ چکے تھے... زور و شور سے سدرہ آے رنا سے ہوا تکی سنا رہی تھی... اور تیرے سرخ چنگ میں ٹوک کر برابر شربت کر رہا تھا... اُس نے ہمیشہ کی طرح مجھے سے تیرو کھو کھی... سدرہ کو کھانا دے رہی تھی کہ بچے بھاگ کھڑے ہوئے... دین آگئی تھی... اسی سے پہلے میں ہر صبح بچوں کے اٹھنے سے پہلے کھانے کو لاونچ میں بیٹھ جاتا تھا کہ اُس پر نظر رکھ سکوں... وہ اسکول کے لئے تیار کرانے میں کوئی کوتاہی نہ کرے...

مضور کا دیر سے اسکول میں داخلہ ہوا تھا اُسے ہمارے بھلانے کے بجائے ڈانٹ چمکانہ نہ کرے... کہیں سدرہ پر کھڑے نہ بیٹھنا میں نہ چل جائے... اور وہ تو بس کئی طرح چلا جائے میں نے نہیں پھر سے چھٹی نہ کر کے بیٹھ جائے... میں سب دیکھنے پھرہ دیتا رہتا... میرے پھر سے پھر سے حاضر نہ ہونے پر بھی کوئی فرق تو نہیں پڑا... بچوں کی چپکتی... بستی کھاتی آواز ہی اس گواہ تھیں کہ اُس نے سب کو ہمیشہ کی طرح بہت سلیقے سے اسکول بھیج دیا ہے... میں زیر لب کمراتا گھبراہٹ کی لے کر اٹھ بیٹھا... آج کئی سالوں بعد مجھے لگ رہا تھا کہ میں جنت میں واپس لگا گیا ہوں... میں اپنی سزا مکمل کر چکا ہوں... دن بھی خوشحال لگ رہا تھا اور ضرور کئی خوشیوں کا بھی ہنگامہ

تھی... اُسی رات... میں اپنا بستر لپیٹ کر اسٹور میں
وُال آیا تھا...!

☆.....☆

ہم ایک دوسرے سے قریب ہونے لگے تو
پھر مجھے قریب ترین ہونے لگے... اور شاید میرے
دل میں بھی کسی تھا کہ میں اُس کے قریب ہو جاؤں۔
...بہیں جب کوئی اچھا لگتا ہے تو اُس سے قریب
ہونے کے جواز بھی ڈھونڈ لیتے ہیں... دوسرا
بارے میں کم ہی بات کرتی تھی مگر کبھی سانس صلیب
کے ساتھ جھٹکے تو کبھی اُس کے کسی رشتہ دار کی محفل
میں... مجھے اُس کے امن کے بارے میں کچھ نہ
جسوں... قتلوں میں ملوثات کی راز دہی تھی...
جو میں سکون سے لینے کا کٹر کٹر جڑ سے جڑ ملکا کر اپنے
کسی کوئی کو قتل کر دیتے کہ کوئی شہر نہ جانتا...
کسی کوئی بات بھڑکے جو اُس کے خلاف جانتا تو اس
کو بھول جانے کی کوشش کرتا... اور اُس جیسے کو کسی
کہانی سے نکال دیتا... جیسے کوئی بچہ کہانی بچا شروع
کرے... سب کچھ اچھا... سب کچھ اچھا... مگر ایسا بھی
ہوتا کہ کچھ جسے اُس قدر مار کر بڑے ہوتے کہ مجھے اُن کو
شامل کرنا ہی پڑتا... دل میں کراہت تو بھرتی تھی مگر
برداشت کر لیتا... دے بیٹے... میں نے وہ راز اپنی مرضی
سے دیاں دار اور سر دھائے ہوئے کو پسند کیا تھا... اب
کس بات پر اُڑتا... وہ بچپن سے مغمم... بڑے
بچاؤں اور بچپنوں سے الگ تنگ رہنے والی انسان
تھی... بڑھاپی مکمل کر کے جو عموں شادیاں ہوتی
تھیں اُس کی کسی شادی کر دی گئی... شوہر نے نک کرنا
شروع کر دیا... کچھ لوگ ہمارے دور کر بڑی عجیب
کی شخصیت رکھتے ہیں... اُن کو کوئی بات پسند
آتی... کوئی انہیں نہیں لگتا... ہر موسم پریشان کرتا ہے
رہنے والے میں کی عیب... ہر وقت خود پر مظلومیت
کا پرچار... اور کچھ لوگ اُن سے بھی زیادہ عجیب

ہوتے ہیں... وہ نہ کسی سے اپنی اچھائی کا اظہار کر سکتے ہیں نہ ہی خود کو ممتاز کرنے کے لئے کوئی نیک دود کرتے ہیں... شریطے... گھبرائے... لڑکھائی زبان... جو چاہے جب چاہے اُن کی بے عزتی کر دے... اُن کے اوپر بڑے سے بڑا الزام دھر دے... وہ سمجھ نہیں پاتے کہ جواب کی دینا ہے... خود کو تو خود ہی سمجھ پاتے ہیں اور نہ ہی اپنے بارے میں ٹھیک سے کسی کو کچھ سمجھ سکتے ہیں... خود کو اپنے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتے اور کوئی دوسرا کچھ سوچ بھی تو نہ کرنا کہ مسات پر دے میں چلے جاتے ہیں... میں یہ نہیں اُن مسکا کر دھمکے کے کاموں سے لارہہ ہوگی، کیونکہ جس حدت سے وہ میرا کھچ چلا رہی تھی... کوئی آپ کو ایسا دودن کا سمجھا ہو یا نہیں... کا دودار کے لئے نہ ہو کہ وہیں کی ضرورت ہے تو تیرا چرچ دینے... سرت کچھ یوں کہ دودن میرا ہی مشکوک کے پر چارادہر کسی سے زرا احمقہ نہ نہ بننے پر دھمکے کا اظہار... جو کچھ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں جن کو آئینے میں صرف اپنا عکس دیکھنے کی عادت ہوتی ہے جن کو ماضی میں صرف اپنے اچھے نکلے اور لوگوں میں اچھا نظر آنے کی فکر ہوتی ہے اُن کے لئے دوسرے ایسی قانونی حیثیت رکھتے ہیں... وہ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں... اپنا بھلا دیکھتے ہیں... اپنے اندے کا سودا کرتے ہیں... وہ دایے خود غرض ہوتے ہیں جو کسی کے بھی دل کو... اور ان کو... ان کو کھوکھلا کر لے کر آئے گا جوہر سکتے ہیں... اُن کو روک دے رکھنے کے لئے اُن کے آدھے اُن کے فائدہ سے چلے جائے... وہ ایک طبقہ میں ڈالے نہیں کہ دوسرا نوالہ نہ میں غلوں میں سے کسی کو کوشش کرتے ہیں... اُن کی جھوک بھی نہیں لڑتی... اُن کی پیاس بھی نہیں بجھتی... اُن کی نظر بھی

نہیں تھکتی۔ اُن کو صرف اپنے آپ سے پیار ہوتا ہے۔
... اُن کو دنیا اپنے گرد گھومتی محسوس ہوتی ہے۔ اُن
کے لئے اُن کی زندگی... خوشی... سب سے عزیز ہوتی
ہے۔ وہ دیکھ کر اُن کے سامنے نہیں کرتے اگر کسی غلطی
سے کہیں تو جلد از جلد اس سے پیچھا چھوڑا لیتے ہیں
وہ ہر وقت ہر نئے موز پر چال پیچھے آ کر بیٹھنے اور
سننے رہتے ہیں اُن کو ہمارا نہیں آتا... وہ جیت کے لئے
بیدار ہوئے ہیں... وہ صرف جیتنا جانتے ہیں... وہ صرف
جیتنا جانتے ہیں... وہ خواہش کرتے ہیں... وہ ہر
جیسی چیز پر اپنا حق سمجھتے ہیں... وہ ہر وقت صرف اور
صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں... سو وہ بھی کچھ
ایسا ہی تھا... شاید کے بعد اُس کی بیچا خدا اور اپنی
کرد یا تو اُس نے ہتھیار کے طور پر بھڑی کو نکال باہر
کرنے کی دھمکی دی تھی شروع کر دی... شیر آیا...
اور ایک دھیر آئی تھی... دوسرے تمام بچوں کے
ہر ہونے کے سبب ساس صاحبہ بھی کزور پڑتی چلی
گئیں... شوہر نے منہ میں بے کو تھپتھپایا... دیکھیں
قدوس پر چھوڑے روح فرخ آج ایک مگر بات نہ
کی... اُس کی وردن اپنے بچے کی وردی نے اُس پر مگر اثر
کر دیا... وہ دھڑ دھڑا پھینکے سے چپا جلا کھل کر
ہائے اُٹھایا... اب اُن کی پریشانی کے علاج کے لئے
اکڑوں کے چکر لگنے لگے... علاج چل رہا اور
اکڑوں نے تنہائی سے چھٹکارے کو علاج کے لئے
مروری تھراورے دیا...

کہانی نے کروٹ لی اور میں اسے بچوں
سیت آن دھکا... واقعی میرے گھر میں اس کو تنہائی
سیب نہ ہوتی... دن بھر بچوں اور گھر کو دیکھتے... کہیں
میں مصروف رہنے میں گزار دیتی...
میں اکثر دل میں سوچتا کہ چلو ابھی تک تو
یک ہے... کیا یہ سب ایسے ہی چل رہے گا؟

کیا وہ اسی طرح ایک فعال انسان کے طور پر ہم سب کے درمیان پیغامِ درہ سکے گی؟
ڈاکٹر کوٹلی انجمن بناتا تو وہ مسکرا کر کہہ دیتا
کے کسی بھی بات کی مخالفت تو ہم کیا کوئی بھی نہیں
دے سکتا...! میں سے خداوند پر مجھروسہ کیوں نہ کر لیا
جائے...

☆...☆

بہر حال وہ اپنی دھن میں مگن نہ تھی۔ اُس نے ان دن بڑھ سال میں ہی میرے گھر کو ایسا سنبھالا تھا جیسے صدوں سے یہیں رہتی آئی ہو۔ پھر بھی کسی قسم کی ہمدردی نہ ہوئی۔ چاروں عرصوں میں اپنے بھی ہندو، بدھوں میں اُس کے دوپانے ہو گئے تھے اور پھر سب میں ان چاروں کو خوب کھل کر چڑھا دیا تھا۔ تو مجھے اُس پر یاد آجاتا۔ اب تو ملانا بھی بہال ہو گیا تھا۔ رشتر دار ہمارے گھر آنے لگے اور ہم بھی غلوں میں بچوں کے ساتھ جانے لگے۔ باپ بھی غلوں میں ایک بیڑا کردہ ایک سارے کے ساتھ نہ جاتی۔۔۔ ہمالوں کا کھانا پیئے۔۔۔ چائے پانی کا انتظام ایک دم کاکی انداز میں کرتے تھی۔ اُسے میں۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ کے قریب پہنچ جاتا۔۔۔ بھی کوئی جملہ۔۔۔ بھی اکھوں کا سارو۔۔۔ پھر بہت ہوا تو اُس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے لے کر بلکا سنبھال دیتا۔۔۔ وہ چونک کر سنبھل جاتی۔۔۔ بچوں کو اُس کی پیادری کے بارے میں علم نہ تھا۔۔۔ قاضی صاحب نے اُن کی طرف سے اُس کی ایک کم ہو جانے کی عادت کو کچھ اُن کی طرف سے سمجھنے کے لئے کہ جب وہ بھی خوش نہ ہو تو تو حضور فوراً کسی کو دس چار جاتا۔۔۔ تھوڑے۔۔۔ سادہ۔۔۔ کے سادے سے لٹک جاتا۔۔۔ یہ بھی کہی جاتا۔۔۔ مجھے کو اپنے ساتھ کرنا۔۔۔ اُس کے ساتھ چھٹا۔۔۔ لگے۔۔۔ کسی مغل میں اُس کے خشن پر کوئی بلی جملہ یا ہم ماں بھری کے ہر وقت چڑے

رہنے پر کوئی مذاق اچھل جاتا تو اس کے چہرے پر ہواٹیاں اڑنے لگتیں... اُس کی نظریں مجھ سے سوال کرنے لگتیں... جب تک میں مسکرا کر اُس کو لاسمہ نہ دے دوں گا وہ اسی طرح بدعواں رہتی... اس لئے بھی میں اسے کہیں لے کر جاتا تو اپنے قریب ہی رکھتا... پھر بھی اس کو کہیں بھول چک ہوا جانی چلی... ایک دن ایسا ہوا کہ اس کے سینے کی طرف کسی محفل میں جانے کے لئے اسے اڑا لیا گیا تھا مگر سانس صاحب کا لون آگیا کہ ضرور آؤں کہ کچھ باہر سے آئے ہوئے رشتہ دار بھی ہوں گے... مگر کبھی کے تھوڑے اور کچھ اس کی طبیعت کے سناٹا ہونے کی وجہ سے وہ بچوں کو تیار کر کے جب تک خود تیار ہو کر لاؤنچ میں آئی... میرا پردہ آسان پر چڑھ چکا تھا... مگر خاصوں رہا کہ بچے علی اماں سے ملنے پر بڑے خوش ہو جاتے تھے... پورا رات خاموشی سے گزارا... اُس نے بھی شاید محسوس کر لیا تھا کہ میں کارامی ہوں... اور پھر محفل میں اُس کے ماموں اور ماموں زاد بھائی گئے... تو میں بدلہ لینے پر تل گیا...

اُسے بھائی جان... آپ سے ملنے کا کتنا اشتیاق تھا قسم سے... یہ کہتا اُس کا ماموں زاد بھائی دیکھتے ہی بڑے تپاک سے میرے گلے لگ گیا... اور مجھے اپنے ساتھ لے کر دوسری جانب بڑھ گیا کیونکہ میں بچوں کے ساتھ تھکا ہوا تھا اُس کے اکیلے ہونے کی اتنی گرنہ ہوئی... اُس کا ماموں زاد جیسا کہ میرا اندازہ تھا فضول قسم کا چنگو اور بلا وجہ شیئی مارنے والا انسان ہی لگتا رہا تھا... ہر دو چار بجنے کے بعد کچھ اس طرح کہتا کہ جیسے اس پر تو پوری دنیا ریاکاری صدے جاری ہے... اور ملنے والی ہر لڑکی جس اُن کے انتظار میں ہی آہیں بھر رہی ہے... اُس نے مجھ سے ایک دو بھوڑے مذاق کئے تو میری دھڑکنے ہوئی... مگر جب میں

نے دیکھا کہ وہ بار بار ہماری طرف دیکھ رہی تھی... جیسے اسے جین نہیں آ رہا تھا... ایک ہی قسم کی حرکت میں وہ بولکھاتی ہوئی نظر آنے لگی... تو مجھے سکون ملنے لگا... ماموں زاد کو بڑی مشکوں سے برداشت کرتا تھا... اُس کی بدعواں اور بولکھاہٹ سے محفوظ رہتا رہا... اور کافی دیر ماموں زاد کے ساتھ اکیلے کہیں لگا کر واپس اپنے خاندان میں لوٹ آیا... وہ پورا وقت اسی طرح گزری رہی... اور پہلی چمکی موسیقی پکاری جس کی وہ وہاں ہی نہیں کر پڑا کر رہی تھی... اچانک بہت بڑی ہونجی... کچھ لوگوں میں عادت ہوئی ہے کہ وہ موسیقی زلزلہ کام لے... یا گالاغراب... سوچ آجائے یا پھر میری سے انکی کسم جائے... ایسی معمول کی کالیف کو بھی دل و جان سے لگا کر کہتے ہیں اور ہرگز کوشش نہیں کرتے کہ علاج کر دیا کر جلدی سے چھکارہ حاصل کر کے سکون میں آ جائیں... دوسرے پریشان ہو کر کچھ کہیں گے تو سکرا کر انداز پر نمازی سے کہہ دیں گے کہ یہ تو اپنا وقت پورا کر رہی... بلا وجہ اس کا چچھا کیوں کریں... کوئی ڈھنگ کا کام ہی کیوں نہ نہائیں... وہ بھی چند دنوں سے موسیقی بھارو گئے سے بڑا ہے... جس کی ہنسی نظر آ رہی تھی... جھٹل کی... انھوں نے بخار کو ایک دم بھر کا کچھ کچھ کہہ کر دیا... واپسی پر مجھے خوب اندازہ ہونے لگا کہ اب تو طبیعت کچھ زیادہ ہی سناٹا ہو رہی ہے... میں نے بچوں کو آنکھ کھلوانے کی دقت دی تو تینوں چپکے گئے... وہ آگے کھڑی سے بندھنے سے سر نہ گائے یہ سہہ ہی بتیگی تھی... آنکھ میں سے پارسل کر دیا کہ بچوں کو عوامی اور محلے کے ایک ڈاکٹر کے پاس بھیج گیا... جب گاڑی سے نکل کر اُس کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ چمک گئی... اُس نے مجھے حیران نظروں سے دیکھا...

ہے اس؟

بچپن ہی سے پراٹھ کریم سے شغف لیتے بیچے کھلکھلا کر ہنسنے لگے... بچوں کو میں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ اماں کی دوائی بھی نہیں گے لہذا اسب میرا... موسیقی بخار کے ہر طرف پھیلے ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر کے پاس کافی دیر تھا خیر ہماری باری بھی آگئی... دوائی لے کر گھر آئے تو آئے چنانچہ مشکل لگ رہا تھا... بچے کچھ کرناغاشی سے کر رہے تھے اور جلدی جتنی بند کرنے کے لئے لٹ گئے... اُس کو دوائی دے کر میں اپنے دفتر میں آ گیا... اچانک سے میرا دل اداس ہو گیا تھا... میں جانتا تھا ماموں زاد کو نظر انداز بھی کر سکتا تھا... صرف اُس کو ذرا سی بات پر سزا دینے کے لئے بلا وجہ اپنا سوا ڈاکٹر اس کی طبیعت کا گھر بیٹھ... دفتر میں آ کر دیکھا تو کام کرنے کے لئے تھا مگر اب دل احاط ہو چکا تھا... نظریں بار بار کھڑکی سے باہر باغ کی بلی روشنی میں چپتے... درخت پودوں پر جاں...

یہ کہہ رہی تھی میرے دفتر سے کام کے لئے مخصوص کیا تھا... گول مگر چھوٹا سا یہ کہہ کر گھر کے دائیں طرف... باہر کو لگا ہوا... باغ سے متصل تھا... اس کی دو کھڑکیاں ایک باغ میں کھلتی تھی اور ایک چش کاوا میں... اسی سے پہلے میں خواب کا وہ میں مڑوں کے درمیان رہ گئی تھی میرے جھٹکے کام نہ تھا کرتا تھا... سیکرٹریز پر اپنی طرف کی جتنی بند کر جاتی تھی سردی گری اسی طرح گزارا کرتا... جبکہ میرے کھینے کی میرٹھ دکھا دے یا کچھ گھیرنے کے لئے ڈھونڈا کے کوئے میں پڑ رہتی تھی... مجھے دفتر سے آ کر بھی کافی دیر تک کاروباری کاغذات یا پھر حساب کتاب... کام کرنے والوں کی مختلف قسم کی عرضاں... بہت کچھ دیکھنا ہوتا تھا... ایک دو دن میں ہی مجھے گھر پر دفتر کام کے لئے مخصوص کیا گیا یہ کہہ بھانے لگا... کیونکہ کاغذات محفوظ رکھتے تھے... گھر کے

اس حصے میں سکون بھی تھا... بی بی اور بچوں کے شور بنگاہے کی آواز نہیں آتی تھی... خاص طور سے رات میں باغ کی کھڑکی کھلی ہوتی تو غصہ ہی ہوتا نہیں بل جانتا... مجھے حیرت بھی ہوئی... ایسی بات نہیں کہ سیکرٹریز خیال نہیں رکھتی تھی... اور مجھے بھی اپنی قدر و اہمیت جتانے کا بھی کوئی شوق نہیں تھا پھر بھی اگر کوئی آپ کے آرام و دینی سکون کے لئے بغیر جائے... میرٹھ میں فراہم کرتا جائے تو خود بخود مجھے دھمک اچھا لگنے لگتا ہے... کچھ ہی دنوں میں ہمارا معمول میں گیا کہ میں رات میں دیر تک کہیں اپنے چھوٹے سے دفتر میں کام کر رہا ہوتا تو خود ہی میرے لئے کر کے آ کر بیٹھ جاتی... اور میری پوری تسکین ہتا کر وہ مجھ سے دالے دن کے لئے اگر کوئی ہدایت دہتے ہوئے تو قیہ دور نہ اٹھ جاتی... میں نہانے کب سے بیٹھا بہت سے کاغذات سامنے کھولے اپنی ہی سوچ میں تھا... احساس جرم... شرمندگی... ندامت... گھٹا ہوا کر دماغ پلپٹا رہا تھا... کاش کے سیکرٹریز طرح وہ بھی تیار دے تپ کر حساب بے باقی کرنے کی عادی ہوئی... ایسا ہوتا تو اچھا تھا کہ مجھ کو اب تک مجھے اس قدر زنج کر چکی ہوئی کہ میں بھی اپنے کئے پر روم ہونے کے بجائے اچھا کیا کہہ کر دل کو خوش کر لیتا... پتہ نہیں دو اس طرح میری بدبینیوں پر خاموش ہو جاتی ہے... کیونکہ وہ... ڈانٹتا ہے... جانتا ہے... سلوٹ میں نہانے اور بہت کچھ خیال بند کرے... چند دن مجھے کھانے کو پوچھے... نہ ہی میرے کپڑوں کا خیال رکھے... مجھے اُس کے لئے کچھ بھی نہ دے... کچھ بھی کرے اس احساس جرم سے آزاد کر دے... بس اتنا ہی تو کرنا ہے... یا پھر میں نے ہی اُس کو اس قدر دبا کر رکھا ہوا ہے کہ وہ چاہے کبھی فضا نہیں کپانی تھی... شکر اس کے اندر مضمت تھا کہ اس... بڑبڑا میں بچوں نے اُس کے صبر کو کس قدر آزما دیا ہے مگر وہ چمک

مزاحی پر کار بند رہی...

میں اپنی دشمن میں کہاں کہاں کی میر کر رہا تھا کہ دیکھا دوست فندوس دفتر میں داخل ہوئی... ہو سکتا ہے کہ کوئی بات کرنا چاہ رہی ہو... میں جلدی سے سر کا لذات میں جھکا کر ایسے بن گیا جیسے بہت مصروف ہوں... وہ چند لمبے باغ والی مٹری پر ٹکڑی ہوئی... پھر ہلکے ہلکے دو میز کی دوسری جانب میری کرسی سے قریب آ کر کھڑی ہوئی... اور پھر... پھر اُس نے جھک کر بہت آہستگی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں میرے سے چہرے کو تھام کر ماتھے کو چوم لیا... وہ چادر چھوڑ کر اٹھوٹھوٹ میں دیکھا... اور پھر... پھر اُسی خاموشی سے وہ اپنی ہانک لٹ گئی... میں زرب لٹا... مسکرا اٹھا... وہ میرے دل کا جو بھگ کر گئی تھی مگر سیکڑے کہ نہیں اپنے طریق کار سے... وہ مجھے نفرت سے نہیں محبت سے معاف کر گئی تھی... مجھے خود پر...

کرئی تھی... میں بھی اُس کی شرافت دیکھ کر تھوہا ممکن ہو کر اُس سے چہیوں کے بارے میں سمجھی... پھر سے چھتا کر کہاں اور کتنے خرچ کئے... میرا کاروبار بھی میں چوں کہ بھلائے رکھتی... اور ایسا تو بھی ہوتا تو وہ بیچ نہیں تھا کہ اُس نے میرے ساتھ اسکیلے کہیں جانے اشارہ ہی دیا ہو... اب تو یہ بھی ہونے لگا کہ جسے جانی تو بچوں کو بھی لے جاتی اور بچوں کی والدہ پرائی کی مسرت سے مجھے اندازہ ہوتا کہ اس سال صلہ میں بچوں کو محبت اور پیار دی ہیں... تو ایسا نہ سکوا گھر... خوشی و غم نہ پنے اور خوبصورت ہی کی جانے تو محبت ہوئی لاڈ سے... محبت میں سب کچھ تو جانی ہی چل رہا تھا... سال گزارا اور پھر آئے بھی کچھ نیپہ اسی سلامتی سے نہ زد گئے اور پھر... پھر اچانک نظر لگ گئی!

☆.....☆

آپا مجھ سے اکثر ہی فون پر رابطہ کر کے حال احوال پوچھتی راتی تھیں... کٹر مجھے آپا کا اسے پگا کہہ کر اُس کے بارے میں پوچھا جیسا میں لگتا تھا... آپا قدرے مستحضرانہ انداز میں اُس کے بارے میں پوچھتی تھیں اور یہ بھی جانتی جاتی تھیں کہ انہوں نے اُس کی ماں پر بہت بڑا احسان کر دیا ہے ورنہ نہ پگا سے کون شادی کرتا... میں کو کُش کر کے آپا کو دوسرا باتوں میں لگاتا... بہر حال ایک بات پر میں نے اُڑ کو کُشی سے کہہ دیا تھا کہ اب جو ہوا سو ہو اب تک کوڑ ٹھوس ٹھکی نہ ہوں اس امر شے کو چلانا جاؤں گا... لہذا آپا بھی اب اُس کی پیادگی کے بارے میں کو سے کوئی بھی بات نہ کریں... آپا نے ڈیڑھ سال بعد پھر سے اہل سے گھر آنے کا عندیہ دیا تو بیچ چڑ گئے... اُس کے گلے سے ٹک ٹک کر اُسے آپا کی تمام خلیوں کا پتہ نہ لگے وہ سب کچھ ایسے اپنی مظلومیت

کا پر چار کر رہے تھے کہ جیسے چادر ہے ہوں کے آپا آئیں تو اُن سے... بچوں کی تکلیف کا باقاعدہ رد و بدلہ جانے... وہ مجھے... بچوں کا رویہ بتانے لگی تو مجھے ہنسی آگئی...

آپا کی آمد پر میں نے اُسے یہی جاہلیت دی کہ بچوں نے اُس کے آنے سے پہلے آپا کے ساتھ بہت بدسلوکی کی ہے لہذا وہ آپا میں تو وہ پوری کوشش کرے کہ آپا سب سے خوش ہو جائیں... اُس نے مجھے یقین دلایا کہ ایسا ہی کچھ کرے گی کہ جتنے تو اب اُس کی ہر بات مان لیتے ہیں... یہی ممان جائیں گے...

آپا انکس تو سبھی سب کچھ اچھا ہی رہا... بیچ بہت سلیطے سے آپا سے چٹن آ رہے تھے اور آپا خوش تھیں... دوسرے دن مجھے کچھ اُن کی مصروفیت تھی کہ میں نے سب کو کہہ دیا تھا کہ مجھے کوئی رابطہ کر کے پریشان نہ کرے... میں اُن میں ایک میننگ میں بیٹھا ہی تھا کہ سدرہ فون کرنے لگی ایک دو بار نظر انداز کیا تو مسلسل اُس کی کال آنا شروع ہو گئی... میں گھبرا گیا... اور تجھجھلائی بھی طاری ہوئی... میں چند منٹ لے کر دوسرے کمرے میں آیا اور فون لگا تو سدرہ نے مجھے بتایا کہ آپا... اُس سے خوب لڑ رہی ہیں... ایک لمبے کے لئے تو مجھے یقین ہی نہیں آیا... ایسا کیسے ہو سکتا ہے... کل ہی تو دونوں کی جیس اور ادنیٰ انکی طرح بات کر رہی تھیں میرے گھر سے نکلنے لگی لڑنے لگیں...؟ میں نے سدرہ کو کہا کہ میری کال ہی کر لے... سدرہ فون لے کر شاید اُس کے پاس ہی جا رہی ہو گئی کے آنے چھٹ لیا...

یہ دیکھو... کیا کیا اس پاگل نے... ارے میرے کپڑے چھانڈ دیے ہیں... ارے میرے بھائی تم اب تک کس طرح اس کے ساتھ گزارا کرتے رہے... ہاں ہاں یہ کیا ظلم کر دیا میں نے تم سب پر

...ہائے اللہ... مجھے کیا معلوم تھا کہ ایسی جونی پاگل ہے...

ابھی آپا آئے بھی کچھ کہیں کہ سدرہ نے فون آپا سے واپس چھین لیا...

آپا آپا جلدی سے آ جائیں بلیز میں سب بتاؤں گی... حقیقت کچھ اور ہے... ابھی سدرہ ہاتھ عمل نہ کر سکی تھی کہ میں حلق کے مل چھا...

اپنی ماں سے بات کرنا میری!

سدرہ ڈر کے مارے آگے کچھ نہ کہہ سکی... تھوڑی گھس پھس کے بعد اُس کی کپکپاتی آواز آئی... وہ کچھ بتانا چاہ رہی تھی مگر جذبات میں اُس کی زبان ساتھ تھوڑا سا دیر ہوئی... پیچھے سے ٹھوکر دوئے کی آواز سنو اور پری کچی... ٹھوکر اگل آئی ان میں رو رہا تھا جیسے اپنی ماں کے سر نے کے بعد روئے لگا تھا... میں پھر سے چیختے ہوئے بولا...

میں نے کہا تھا ماں تم کو... کہ کبھی بھی تم پر پاگل پن کا دورہ نہ پڑا... میرے بچوں یا میرے گھر والوں کو نقصان پہنچا یا تو وہ میرے گھر میں تھہرا آ کرشن دی ہوگا؟ ہو کہ تو کہا تھا ماں...؟ تم اب تک مجھ سے ٹاک کر رہی ہو... اب تک میرے بچوں کو مار پیٹ کر ڈرا دھمکا کر میرے سامنے اچھی بن رہی ہیں... میں سب کچھ سمجھتا ہوں... ابھی آ کر تھہرا حساب کرتا ہوں...

میں آپا کی چیخ پکار اور زخموں کے رونے سے اس قدر خوفزدہ ہو گیا تھا کہ اپنی عمل ہی کو بیٹھا تھا... مجھے یہ بھی باتیں رہا کہ آخر کوئی اس طرح مار پیٹ کر ڈرا دھمکا کر کیسے میرے بچوں کو اتنی اچھی تربیت دے سکتا ہے... آخر کو آپا بھی تو میں اُن سے تو بچے جھیلنے ہی نہیں تھے... شاید ابھی تک میں اُس پر اعتماد نہیں کرتا تھا شاید دل میں نہیں مجھے اس طرح کسی بھی

والے کے ہو جانے کا کھٹکا تھا میں خود ہی یہ سمجھتا تھا کہ وہ بھی مجھی کی بھی وہی وقت میرے گھر والوں یا گھر کو نقصان پہنچا سکتی ہے اس لئے بھی میں نے آپا کی بات سن کر یقین کر لیا کہ کہیں یہی بات ہے... اس نے یہ یقین آپا کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے... میں سب چھوڑ چھاڑ بھاگ بھاگ گھر پہنچا تو بچے اپنے کمرے میں تھے جبکہ آپا تیزی سے آکر اپنے دائیں کندھے کے جوڑے سے احرزی آستین جوت کے طور پر دکھا کر نکلیں... کہہ کر اس طرح ان کو درد و کب کیا گیا ہے... ہٹھکے سے ہونے میں سے اسے آواز دی... میں شروع کر دیں مگر آپا نے مجھے بتایا کہ دونوں پر مجھ سے بات کر کے ڈر کے مارے اسی وقت بھاگ کھڑی ہوئی تھی... میں نے اسی وقت ساس صاحبہ کو فون لگایا... دووا ایک بج کر تیس بج چکی تھی فہذا ساس صاحبہ انجان شخص میں سے تمام بات آن کو بتائی کہ کس طرح ان کی بیٹی کے میری قابل احرام آپا سے بدتمیزی کی کہ ان کی میٹھی ہی چھاڑ دی اور یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ سب چھوڑ دیں وہیں اُس کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر چکا ہوں... کافی کھنے آپا کو دل اسہ دینے لگزی... اپنے آگے بھی تو میں نے خصوصاً ان کو کہہ دینے اور مجھ سے بات نہیں کر رہے... مجھے ان کو میری باتیں اور میرا اندام ایسا بڑا کھٹکا تھا کہ مجھ سے باقاعدہ اپنی ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے... تیسرا ایک دم اکھڑا اکھڑا سا تھا اور کئی بار مجھ سے بدتمیزی سے جھل آتا رہا... میں نے نظر انداز کیا اور آخر کار جب میرا غصہ خفہا ہوا ہے لگا تو تھا ہمارا اپنے کمرے میں جا بیٹھا... مجھے چاہیے کہ خیال آئے لگا کہ شاید میں نے ساس صاحبہ کو اس قدر تکرر کی کہ میری سنا کر انھیں بھی کیا... یہ کہہ کر میں نے ان کی بیٹی کو چھوڑ دیا ہوں شاید میں نے جلد بازی کا مظاہرہ کر دیا ہے... پھر میں نے اُس سے تو بات کی ہی نہیں تمام اپنی خود سے سمجھ کر

خود ہی فیصلہ دیتا چلا جا رہا ہوں... بہتر ہے روز میں یہی سب سوچ رہا تھا اور سنے سرے سے حالات پر غور کر رہا تھا کہ وہاں سے کمرے کا دروازہ کھلا اور تیز درے شاہناہ انداز میں داخل ہوا... میں اس سے ابھی الجھتا نہیں جا رہا تھا... جو ہو چکا وہاں مرگاب میں کسی کی خاطر اپنے بچے کو کیوں تکلیف دوں... تیز درے ہی پیچھے ہی سردہ کی منگو کا ہاتھ چڑے چلی آ رہی تھی اور ان سب کے پیچھے گھبراہٹ کی آہیں... 'ارے میں تو کہہ رہی ہوں ان لوگوں کو کہ پہلے باپ کو کچھ کھالی تو لینے دو... مگر یہ لوگ تو ہمیشہ کے بہت دھرم ہی ہیں مجھی...'

میں نے آپا کو اطمینان دلایا اور تین بچوں سے نرم لہجے میں منگو شروع کرنے کا سوچا کہ تیز درے نے اپنا سوا بالائی دی سے تار کے ذریعے غزل اور لٹی دی جا کر اپنے سوا بال میں کچھ تلاش کرنے لگا... ہم سب لی دی پر اُس کے کسی چیز کو سوا بال میں تلاش کرنے کو نہ کہہ رہے تھے اور جیسے دم خود بکے میں تو سوچ رہا تھا کہ کچھ اسی طرح کھینچ لیتے ہیں تو یوں ہی جی... اسے میں منگو مجھ سے آکر لپٹ گیا... تو سردہ رو بہ رو ہوئی بولنے لگی...

'پاپا... اماں کا کوئی قصور نہیں ہے... ہم تینوں نے سوا چھانک کر بڑی پھوپھو کو تنگ کر دیں گے... یہ نہ چھپ کر یہ پلان بنایا تھا... سو رہی پاپا... غلطی ہو گئی ہے... بہت سوری!'

'لو اور سنو... یہ حال ہے آج کل کے بچوں کا... بڑوں کا کوئی لحاظ نہیں... اپنی پھوپھو کو ہی بہتر سمجھانے لگے... بھلا بتاؤ؟... اور وہ جو تہیاری ہانگ سوتیلی ماں سے میری میٹھی چھاڑی؟ کیا یہ بھی لوگوں نے ہی سے کہا تھا؟ حسن لوتم سب... اب تیر نہیں پالوں گی تم لوگوں کو... تمھارا باپ جب تک تیسری شادی کر کے تم لوگوں کے لئے کوئی نوکرا

نہیں لانا تیسری ماں سے ایسے ہی رہنا... بھلائی کار نامہ نہیں رہا... حد ہو گئی... یہ صلہ دیا تیسری اب تک کی محنت کا؟'

آپا جلال میں آگئیں... تیسری شادی... میرے دل پر لگ گئی... منگو بچہ آغا... 'تھیں ماں پائیں کس... پاپا... اماں...'

'ہاں کیوں نہیں تاکہ وہاں آکر تم سب کے بھی کپڑے بچاؤ... بنگا کر کے گھر سے باہر بھاڑے... جب ہی سکون ملے گا تم سب... کہاری محبت کا تو بدلہ لینے لگے... ہیں؟'

آپا کی لکار پر منگو پھر بچ آغا... 'دووا کھن نہیں ہیں... نیم ہو پاگل!'

'منگو... چپ کر دو... بڑوں سے زبان چلائی... اماں کو ہاتھوں کا دھکے لہتا...'

اب کی بار تیز درے سوا بال سے نظریں اٹھا کر تیز لپٹ میں بولا... مجھے حیرت ہوئی... ان بچوں کو کیا اب تک اُس کے لپٹ آئے... میرے سے... وہاں میں اب تک اُس کے اُسید ہے... گو کہ مجھی آپا کا بار بار اُسے ہانگ کہنا بڑا لگ رہا تھا مگر بہر حال اُس نے جذبات میں آکر جر کر دکھا ہے وہ نا قابل معافی ہے... آخر اس سے پہلے بھی تو بچوں نے آگے کے ساتھ تیز لپٹ کر لپٹ گئی... آپا بھی ناراض ہوئی تھیں مگر شرکہ مجھی ذہن بات تھا پائی تک نہیں پہنچی... میں پھر سے خود کو دیا ہی بے بس پار ہا تھا جب بچے اور آگے درمیان زبانی جنگ چل رہی ہوئی اور میں کسی کا بھی ساتھ دینے یا انصاف کرنے سے ڈرتا تھا...

اپنا ایک دیکھ دیکھ پوچھ پڑی... یہ تار سے ہی لاؤنچ کا منظر تھا... آپا کی بات پر منگو واٹ رہی تھیں اور منگو اچھل اچھل کر ان کو چڑا رہا تھا کہ چاہے آپا کا ہاتھ اٹھ گیا... انہوں نے بے دھڑک دونوں ہاتھوں سے

منگو کو پھینکا شروع کر دیا... سردہ جو قریب ہی بیٹھی شاید منگو کے آگے چڑا سنے لیا تھا بیٹ رہی تھی... آپا کے ہاتھ چھوڑ دینے پر منگو کو بھانے ہو گئی کہ آپا نے اُس کے ہاتھوں کو کھنچنے میں لے کر منگو پھر شروع کر دیا... اب... منگو کے ساتھ ساتھ سردہ کی پیچھے کی گئی اسنے میں وہ جو شاہ باور دی خانے میں جی گھبراہٹ ہوئی اُسی تھا میں تین لے بچ گئی... اب جس طرف وہ دیکھ رہی تھی اُس طرف اس نے زواہ سے بیکرے کی آٹھ کی طرف اُس کی پشت میں اور چہرہ نظر میں آ رہا تھا صرف آپا کا خضیں غصہ ہی دکھائی دے رہا تھا... اُس نے جلدی سے آپا کے ہاتھ میں بکڑے سردہ کے بال چھڑا رہے تھے کہ آپا نے ہٹھکے سے اُس کے ہاتھ سے تین بچ گئی اور منگو پر دار کرنے دوڑیں... ان کو روکنے کے لئے اُس نے آگے بڑھ کر جڑا کا پکڑا... چلا تو آپا کی آستین ہی ہاتھ میں آئی جو دوسرے ہی لمحے میں چر در کر کے کندھے سے پھٹ گئی... آپا نے لپٹ کر تین اُس کے سر پر زور سے دے مارا اور پھر منگو کی طرف بڑھیں مگر اب تک منگو کو وہ اپنے پیچھے کر چکی تھی... اب آپا نے پہلے تو اپنی پچھلی ہوئی آستین دھکی اور پھر اس پر تین کا ایک اور دار کرنے لگیں مگر اب تک وہ منگو کے اُن کی پیچھے سے دوڑ رہی تھی... جس کے باعث تین ہوا میں جھولتا رہ گیا... آپا جب کچھ نہ کر سکی تو منگو چھاڑ کر چھیننے لگی تھیں...

'تو پاگل... خود کو سمجھتی کیا ہے... یہ ارمھائی کس طرح تجھے برداشت کر رہا ہے... ایک تو احسان کیا تھا پاگل کو یہ اعلیٰ گھر رہنے کو دیا اور پھر تو مجھ پر ہی وار کرنے لگی... پاگل عورت...'

اس کے بعد آپا کے ہر ایک جملے میں ہر ایک لفظ کے بعد کوئی جا پا چڑا رہا تھا پاگل آتا... وہ خرقہ کاب رہی تھی اور سردہ اُس کے پاس کھڑی شاید

لی لی کا مقبرہ

”لی لی کا مقبرہ“ اور مرزا شب کی نکل دی کہ لکھ دی جانے نہیں ہے جسے ان کے صاحبزادے نے فقیر کرنا تھا یہ تاج محل کی شکل تصویر ہے پوری اردو شاعری میں ”لیلیا“ اور ”لی لی کا مقبرہ“ پر سکندر علی جید کے علاوہ کسی اور نے نہیں لکھا۔ اور مرزا شب کا نظیر ہے موسم اور گدگد کا نظام کے کوئی کا کیسا سردمیز شوق قادر کے پہلے صاحب دیوان شاعری کی سراج اور گدگد آوری اور بابا نے اردو مولوی عبدالحق جیسی ہلالہ مفت شہلیات نے جیسی جنم لیا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے جس مکان میں آدھ کوٹھلی بھی ابھی موجود ہے اور اسے وہاں کی جماعت اسلامی نے شاعرانہ یادگار میں تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ حمایت علی شاعر بھی نہیں سے ہجرت کر کے پاکستان گئے تھے اور مرزا شب کا نظیر یہاں سے سولہ کوٹھلی کے فاصلے پر غلڑ آباد میں آسودۂ خاک ہیں۔ (اردو بکزنر)

بھونچھون لگاری بھی... سدرہ نے مجھے بتا کر فون اس کی طرف بڑھا دیا کہ آج ہمارے جیت کر فون چھین لیا اور پھر جب اس کی باری آئی تو مجھ سے بات کرتے ہوئے وہ کہانی کچھ بھی نہ بول سکا رہی بھی... بیسے ہی فون بند ہوا وہ آغا غلاماؤں سے نکل گئی... آج آپ بھی بھی پیچ پیچ کر اسے پاگل پاگل پکار رہی تھی اور بکھر... دیے پو پوند ہو گئی...

میں ایک دو خواب سے جاگ گیا... آج بھی بڑی پرسی ہو کر کمرے سے نکل گئیں اور تیرہ مجھے گیند تو نظروں سے دیکھا... سدرہ اور منو کو لے کر چلا گیا... مجھے کچھ بھینس آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہوا ہے... میں نے پوچھا تو مجھے سب کیسے کیا مرچا ہے بچوں پر بھی

اعتدائیں نہیں کیا تھا... میں جانتا تھا مرزا انجان ہوتا تھا کہ آج ابھی میرے بچوں کے ساتھ کر دی ہیں وہی ٹھیک ہے اور اب جبکہ میری زندگی نے خوشگوار کر دے لی تھی میں کتنی آسانی سے سب کچھ چھوڑ دینے پر تیار تھا... جس نے اس قدر میرا دل رکھا... اپنے وعدے پر قائم رہی... بس ایک ہی جھگڑے میں کس طرح میں نے اسے اس کی تمام تر محنت کا صلہ چھوڑ دینے کا کہہ کر اس کے منہ پر ایدے کا فیصلہ سنا دیا

سنائے کی عادت پر بہت نامزدور ہوا تھا... کچھ ششوں کے لئے درویشوں میں گلب رکھی پر زنی ہے روز نہ نقصان سب کا برابر ہوتا ہے... ساس صاحبہ کی ایس باتیں سن کر میرے حواس کھو گئے... یہ کیا کہہ رہی ہیں انہوں نے... اُس کی زندگی اور موت کی اطلاع... اگر وہ مر گئی تو کیا میں بھی کسی خود کو محاف کر سکوں گا؟

بچوں اور آبا کو بتائے بغیر میں گھبرا کر اُٹھی وقت ہسپتال کے لئے نکل گیا... اُس کو آج ہی جنرل وارڈ میں بھیجا گیا تھا... اُس کا چہرہ پتلا پتلا رہا تھا اور دہانہ ان کی تک تھوڑا نیڑھا لگ رہا تھا... سانس بھی تھوڑی تھوڑی دیر میں ایک سا جاتا... کیونکہ حالات کا وقت ختم ہو چکا تھا اور رات کی کانٹوں کی تھوڑا دیر میں جو چند ایک مریض تھے جو اسی طرح کی بیماریوں میں مبتلا تھے اپنے منہ پر چادر ڈالے سے خبر سوز ہے تھے... تو مجھے معلوم تھا کہ رات میں نیند کی کوئی بات بھی ملے گی... مگر مجھ کو یہ کہہ کر وہ اپنا سر جھک جھک کر جا گئے کہ کوشش کر رہی تھی...

میں نے سوچا تھا کہ میں دو کو دکھا دوں گی... میں بھی ایک خیال انسان بن کر اسی دنیا میں کہنے کو نازل لوگوں میں بالکل ان کی طرح نازل زندگی گزار کر اپنا آپ شوالوں کی... میں پاگل نہیں...

آپ نے تو مجھے پرا حسان کیا... ایک ما تجر بہ کار کو اس قدر اہم کام کرنے کو دیا... گھر... آپ کے بچے... آپ کا ہی ہے سب... میں نے بہت محنت بہت جانفشانی سے مقابلہ کیا... بہت کوششیں کیں... کتنی ہی بار خود کو سنبھالا... مگر بھر بھی... میں اس دنیا کے داؤ کو بیچ کونہ سہہ سکا... میں نہی طرح پارہی ہوں... بالکل کام کا ہو گئی ہوں... میں کچھ نہیں کر سکتی... اٹلی... اٹلی میں رہی... وہ سب بھر کر بچوں کی طرح پھیلی ہے آئسو

پو پھٹے گی... میں نے پہلو بدلا... آپ دادیں چلے جائیں... آپ نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے... میں کبھی بھی ایک نازل انسان کی طرح نہیں بن سکتی... میں کسی کے کام کی نہیں... میں کچھ نہیں کر سکتی... میں...

وہ تو وہی رہی تھی میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے... میں اُس کی اس قدر باتیں باتیں سننے تو یہاں نہیں آیا تھا... کوئی امید... کوئی دلاسہ... میں کلا ٹھنکنا کر کہہ گیا ہوا جیسے اب تک میں نے اسے ٹھانسی نہ ہو... جیسے اب تک اُس نے کچھ بھی نہ کہا ہو... اپنے چہرہ سے کہ بہت پریشان ہیں... منو نے کہا تا چھوڑ دیا ہے... تم تیار رہنا میں کل شام کو ان لوگوں کو کمرے سے ملائے گا اُن کو...

میں نے اُس کے دوبارہ بولنے سے پہلے ہی کہہ دیا... گو کہ اس سے پہلے میرے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ میں اُس کو دادیں لے جاؤں گا یا چھوڑ ہی دوں گا... اور نہ ہی بچوں کو ملانے کا ہی کوئی ذہن میں خیال تھا... وہ دو دو جا رہوں گے لئے جیسے دم بخود مجھے ہنسنی رہ گئی اور پھر گھبرا گئی...

”نہیں پلے نہیں... اپنے مجھے اسی طرح دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟“ نہیں... پلے... وہ ثابت ہے اپنا دہانہ سہلاتے ہوئے اٹھا کر نے لگی...

”اُکو نے تو یہی کہا ہے کہ کل تک تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گی اور اگر تم کو بچے ایسے دیکھ بھی لیں گے تو مجھے یہ تصور وار سمجھو کہ تم سے اور محبت کریں گے اور کیا...؟“

میں نے اُس کو دلاسہ دیا اور پھر اُس کو قہقہا اور اعصابی آرام دینے کے لئے کھر کی باتیں بتانے لگا کہ کس طرح اُس کے جاتے ہی تیرا دور سدرہ مجھ سے ناراض ہو گئے اور بات نہیں کر رہے اور شاید جو

ریشم کے دھاگے

ایک بہت ہی خاص، منفرد موضوع پر نیا
سلسلے وار ناول، معروف قلم کار

روشنائے سبیحہ مہاروی

کے ہفت رنگ قلم سے.....!

اپنے پسندیدہ ماہنامے 'سچی کہانیاں'

میں ملاحظہ فرمائیں۔

منہ نے کھانا چھوڑا ہے وہ بھی اُن دونوں کا سکھایا
پڑھایا ہوا ہے کہ کھوکھو چاکلیٹ دو اور وہ ہڑب نہ کر
جائے ہوئی نہیں سکنا... میں نے جان بوجھ کر دیئے ہو

والی بات نہیں بتائی مگر یہ ضرور بتا دیا کہ بیٹے اب آپا
سے بہت تیز سے پیش آ رہے ہیں اور گھر میں اسن
رہ رہے ہیں... آپا کے نام پر اس نے جھر جھر کر
کی گئی اور کچھ بولنے کے لئے منہ کھولا تھا مگر پھر چپ

ہوئی... میرے ذہن میں پوری ویڈیو ایک بار پھر چل
گئی... میں نے محبت سے آگے بڑھ کر تکیہ پر گھرے
اُس کے بالوں کو سبٹ کر ایک طرف کیا اس کی
پیشانی پر ہاتھ پھیرا... اور دہانے کو پھلکے سے ہلایا
جھٹلایا تو وہ مسکرائی...

'اب تم سو جاؤ... رات میں ٹھہرنے کی
اجازت نہیں ورنہ میں تمہارے پاس ہی رہتا... مگر یہ
مجھ کی بات نہیں کیا ہوئی... بلکل ملے ہیں انشاء اللہ... بس
تم بہت کرو... خود کو سنبھالو!'

'بیٹے بھی آئیں گے ناں...؟'
اُس نے خوشی سے پوچھا... تو میں مسکرا کر
اثبات میں سر ہلانے لگا...

دوسرے دن حسب وعدہ میں بچوں کو لے کر
پہنچ گیا اور دل میں سوچ لیا تھا کہ آج ہی اُس کو فیصلہ
بھی سننا دوں گا... بس کہ اب میں بھی دنیا کو کھانا
چاہتا ہوں کہ جہاں جسمانی پیاریوں میں جھلا جیوں
ساکھی کو رنج میں نہیں چھوڑا جاتا وہیں دماغی پیار
ساکھی بھی پیارا ہوا جاتا ہے... ہم دونوں مل کر چاہیں تو
زندگی ابھی اور بہت اچھی گزار سکتے ہیں... اس قدر
مشکل بھی نہیں... بس تھوڑی بہت کرنی پڑے گی...

میں نے چونک کر بچوں کا جائزہ لیا...
تیسرا اُس کے پہلو میں بیٹھا اپنے سونپاٹل پر
کھیل رہا تھا جبکہ سدرہ... رہنے بیٹھی اُس کا سر
دبانے لگی تھی اور غصہ اُسی طرح اُس سے چھٹا ہوا تھا

عشق بے شمر

~~~~~

کسی انسان کی محبت میں اپنے آپ کو فنا کر لینا کم قفل ہے اور کینز  
بی بی بھی اولاد کے دکھ کے آگے ہار گئی اور جان مٹی کر بے وقوف ہو  
اسی لیے بے وقوف بنایا جاسکتا ہے.....

~~~~~

”کر دیا تاں تو نے مرشد سائیں کا کام یا ابھی تک کینز بی بی نے مرشد سائیں کی ایک مرید بی سے
کابلوں کی طرح پسین پیاز چیلے جارہی ہے؟“ پوچھا تھا جو اس کے ساتھ ہی آستانے میں کام کرتی



بی بی باہر نظر کا انتظام سنبھالنے چلی آئی تھیں۔ جیلہ
سے اس نے مرشد سائیں کے لیے کالی مرغ پاؤں
دستے میں کوٹنے کو کہا تھا اور خود نظر کے لیے آیا ہوا
فاری مرغی کا ڈھیر جو گوشت صاف کرنے لگی تھی۔
اس نے آدھا گوشت چھو لیا تھا تقریباً جب اس کی
نظر پڑی تھی جیلہ پر وہ پسین پیاز اور ہیز مرچیں نماز
کا نیک نظر کا مسالا تیار ہی تھی۔

مرشد سائیں کا کام کر دیا تھا تاں تم نے قل
بندر کرتے کرتے کینز بی بی نے فکر مند کی سے پوچھا وہ
دوبارہ پوچھ چکی تھی پہلے بھی۔

ہاں ہاں کینز اتنا پریشان کیوں ہوتی ہے تو
مرشد سائیں کے لیے ہیں نے اسی وقت مرچیں پس
لی تھیں۔ پیاز کا سٹے ہوئے جیلہ نے تھانے کینز بی بی
نے اطمینان بھرا سانس لی پہلے شاید جیلہ نے نہیں
سنا تھا اور نہ وہ پہلے ہی بتا دیتی۔

مرشد سائیں مرغ مرچیں نہیں کھا تے تھی تو
میں نے سیاہ پھولی چڑیا اب کلکلی سے بھی یہ فاری
گوشت میں دیکھی نہ ملا وہ بھی ذرا نہیں جھکتے
وہ..... کینز بی بی نے اسے دایبیت دیتے دونوں طرح
کا گوشت خوان سے ڈھک کر چوبے کے پاس رکھا
اور خود باورچی خانہ سے آگئی۔

کینز کہاں جارہی ہے تو یہ ملوں گوشت مجھ
سے تو نہیں کچے کچے تو سارا حساب ہے تا مرغ
مسالے کا۔

جیلہ نے گھبرا کر اسے کہا تھا کہ وہ اتنی بڑی
ڈسے داری اپنے خیف کا دھوٹ پر کیسے لے سکتی
تھی۔

کہیں نہیں جارہی میں..... آواز نہیں آ رہی
تجھے مرشد سائیں کا بچہ کیسے اچھا کرے بھر بھر کر
دور رہا ہے۔ بی بی جی پاس میں کن تو دیکھ لو کسی نے
اٹھایا تک نہیں اسے پھوڑے سے۔ کینز بی بی بڑی

تھی اور کتنی ہی دیر لگا کر ایک کام کرتی تھی۔ نظر کا
ہوتا تو کینز بی بی جتنی دو ہزار مرشد سائیں کے
آستانے کے مومن میں گڑی تندوری پر برات بھرے
آنے کی روٹیاں لگا کر چکیز بھر لیا کرتی تھی مگر جیلہ
ابھی تک گوشت بھونے سے فارغ نہ ہوئی۔ جیلہ تو
کیا آستانے میں کام کرنے والی میں یہ نیاں بھی
اسی طرح ہاتھ نہ چلا سکتی تھیں۔ جیسے کینز بی بی چلائی
تھی تمام مرید نیاں جاتی تھیں کینز بی بی کو مرشد
سائیں سے دلی عقیدت ہے اس بات کا واضح ثبوت
یہ تھا اس نے سینکڑوں داہوے بھر کے آستانے کا مومن

برابر کیا تھا مومن کی دیواریں بھی اس کی محنت اور اس
کے شوہر کی محنت سے لپٹی کی تھیں ہر سال ہونے
والے مہرے کے موقع پر اپنے مگر سے چار پائیاں اور
بستر لانا سادے آستانے کا شے سے لپ کر ماسٹر کی
باتو بکریاں نذرانے کے طور پر دے دیتا اور میں تیں
میں گندم کا مرید نیوں کے ساتھ مل کر صاف کرنا آتا
پہوانا پھر جان جوہوں میں ڈال کر وسیع نظر پکا یہ
سب مرشد سائیں سے اس کی دلی وابستگی کا ہی تو
ثبوت تھا آج مرشد سائیں کا آستانہ خوب چمک رہا
تھا۔ ان کا کرہ چٹائی سے ڈھک کر اپنے چکیز کے
خوبصورت تھیں کو تہہ کر کے وہ مرشد سائیں کی پیٹنے
کے لیے نرم جگہ تیار کر چکی تھی اور گرد و این بائیں
اس نے گولڈن سوئیچوں سے بھرے دیوٹ کے دو

سرخ گاؤں کیسے جو اسے اماں نے بڑے جاؤ سے جھیر
میں دیے تھے۔ سیر پر پڑی تمام چیزوں کو کینز بی بی
نے اپنے بھول وارڈو کے بلڈ پیمپر بھر کر صاف
کیا تھا خوب کیسے کے لیے استعمال ہونے والی سیاہ
دوات کی تیش سے لے کر کمرے میں لگے

چاروں فل کے طفرے تک ابھی طرح صاف کیے ہر
چیز جھکا نے پر مٹی کا غدوں کا دست اپنی جگہ پر رکھا۔
تھیں پر صطرنج لکھا اور کمرے میں اگر تیاں مساکر کینز

غلت سے اتنا کہہ کر آستانے کے ڈانچے کی طرف بڑھ گیا جسی مرشد سائیں کے بیچ کا روٹا وہ کب برداشت کر سکی تھی یہ بھی تو بھائی چل آئی۔ جب وہ آئی تو مرشد سائیں کی زوجہ اپنے اصل کو چکڑے سے نکال کر بیٹے سے لگے تھے ٹھیک رہی تھیں۔ کینیر لی لی سکون سے زنان خانے سے باہر نکل آئی اسے جلد سے جلد نظر پکا تھا۔ مرشد سائیں دقت کے پابند جو تھے۔ بڑی بے لگاری سے مرشد سائیں کے آستانے میں وہ اپنے چار انگشت پکڑنے میں مصروف تھی اور اس کا سات دونوں کا بچہ ایک گھر میں اپنی سات سالہ بہن فاطمہ کے ہاتھوں میں رو رہا تھا۔ اسے اپنی ماں کی ضرورت تھی۔ فاطمہ کو اپنی ممتا کی تلاش تھی کام پر اسے گھر پر کراہی ہوئی سے توجہ چاہی تھی مگر اس کے پاس مرشد سائیں کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا اسے کسی کی فکر نہیں تھی کینیر لی لی کو کسی کی توجہ نہیں چاہی تھی اور نہ ہی تلاش تھی اسے کسی کی اسے کسی مرشد سائیں کی تلاش تھی۔ اسے مرشد سائیں کی توجہ چاہیے تھی۔

کینیر فاطمہ کو تھیک کر کیسے بخار میں چمک رہی ہے۔ جب سے میں کام سے آیا ہوں بے سدھ پڑی ہے۔ چاہے۔ کینیر لی لی نے کوئی اکھوں سے دیکھتے کیا تھا جو مرشد سائیں کے آستانے سے ٹھیک بارہر آئی تھی۔

میں کوئی بڑی ڈاکٹر نی نہیں ہوں جو اسے چیک کروں۔ کینیر لی لی نے طنز سے لہجہ میں جواب دے کر روت بدل لی۔

ماں تو ہے۔ اس کی اور سیانے کہتے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی ڈاکٹر نہیں ہوتا۔

کینیر لی لی کا نظر ٹھیک انداز کرتے وہ دودھ

آستانے کی چوک چارہ کی بات چہرے سے بات نہیں گوارا تھی۔ اس کے ننھے ننھے ہاتھوں میں تو کب پکڑا دے گی کروں کی طرح مریدوں کے آگے رکھ دے ایسا نہیں ہو سکتا کینیر لی لی۔۔۔۔۔

چچا تپ کھا کر اٹھارہ برس آئی آکھوں سے وہ کینیر لی لی کو دیکھا ایک ایک لفظ کے ادا کر رہا تھا تو نے جواس کے ننھے ننھے ہاتھوں میں معتوڑے اٹھیں دابڑے پکڑا نے جن اس کا کیا۔ میرے کپ بڑے چہرے سے ہیں ننھے کراں والا ہے یہ تو اسے تو نہیں لی ہی ہے آستانے پر کام کرنے کی۔ کینیر لی لی نہیں بنا کر آئی باقی راکے بھی مجھ کے ساتھ دودھ ہاتھ کرنے کو تیار تھی۔

لڑنے مرنے کے لیے تو بڑی شیر ہے آگے ہی چڑھا آگے آگے، جارہا ہوں میں فاطمہ کے لیے ڈاکٹر کے پاس روانہ لیجئے۔ مجھ کینیر لی لی کو خورک دیکھ کر جوتی پاؤں میں پہنتا خود اسالٹ کر بھر بولا۔

اک گل یاد رکھنا کینیر پتر آستانے پہ بھی نہیں جائے گا۔ اتنا بکرہ کوئی کی ہی رفتار سے میں سے باہر نکل گیا۔

میں بھی دیکھتی ہوں وہ کیسے نہیں جاتا آستانے پہ۔۔۔۔۔ کینیر لی لی کی شیر لی کی مانند پھری آواز نے مجھ کا چہرہ اور دکھ کیا تھا۔

اگلے ہی دن مجھ اسن کو گھر لے آیا تھا مجھ کی وجہ سے اس کی پھٹی کسی اس لیے گلے اندھیرے سے پہلے یہ وہ اسن کو لیے گھر آگیا۔ مگر کے دروازے سے جب باپ بٹا داخل ہونے کینیر لی لی دابڑے میں پانی بھر کے سان کی دھجی اس میں رکھ رہی تھی۔ فرخ نے ہونے کی وجہ سے وہ اس طرح ہی سان کو غبار ہونے سے بچا کر لی تھی۔

سنت سم اللہ۔ میرا پتر آگیا۔

اس پر نظر پڑتے ہی کینیر لی لی نے والہانہ انداز میں اسن کی پیشانی کو چومنا۔ چارپائی پر بٹھایا۔ فاطمہ بھی کینیر لی لی کی طرح اسن کے ارد گرد منڈلا رہی تھی اپنا یہ بھائی اسے بہت عزیز تھا یہی تو فاطمہ کو کاؤں کے بیٹے والے سے لگتی کا بھلا کے دیا کرتا تھا یاد رہا میں تو یہی کہتا تھا۔

اسن تو بس چارپائی پر بڑا رہتا تھا نہ باتیں کرتا نہ اس کے لیے چیزیں لاتا ابھی چند دنوں کا ہی تھا وہ ابھی اسے اسن چند تھاب بھی جب تک کینیر لی لی اسن اور مجھ کے لیے رات کا کھانا لائی تھی فاطمہ اسن کی گود میں چڑھی ہوئی تھی بالکل ننھے بچوں کی طرح۔ "کینیر" پتر تیرا اتنی دیر بعد آیا ہے ڈر ہے سے کوئی دسی مرئی ہی نکال کر ڈب کر کے پکائی۔

مجھنی تو دسی کے ساتھ سادہ چپٹاں کھاتے مجھ نے ٹکڑے سا کیا تھا۔

ایسے ہی مرغ لگتی۔ وہ تو میں نے مرشد سائیں کے لیے رکھا ہے اتنا کھلا پایا ہے اسن کو تو دینے کی گھر سے کا گوشت پزندیں ہے۔

کینیر لی لی نے بپ بیٹے کو پانی دیتے وہی بات کی جس کی وجہ سے مجھ پر جاتا تھا۔

بکریاں مرشد سائیں کے لیے۔ مرغان مرشد سائیں کے لیے۔ ہمارا کیا ہے اس گھر میں؟ ہیں بتاناؤ ذرا؟

مجھ نے توڑا ہوا تھوڑی جگہ پر رکھ دیا اسن جس لڑائی سے پہنچے کے لیے وہاں بڑے تباہ کے پاس سالگت رہ گئے آگیا تھا یہ لڑائی اس کے آنے کے چند منٹوں بعد ہی شروع ہو چکی تھی۔

رب سے ذرا اسن کے ابا، بزرگوں کے بارے میں ایسی زبان استعمال کریں تو اللہ زبان سننے لیا کرتا ہے۔ یہ سارا کچھ مرشد سائیں کی ہی توبہ و بدولت

ہے۔ دھسکی کے انداز میں کینز بی بی نے ایک نظر روٹی کھاتے احسن اور ظاہر پر زانی اور بھر بھیہہ پ نظرس کا ڈس۔ چل اشر شروع نہ ہوتا جا۔ بچہ تھکا ہلا آیا ہے۔ رکشوں اور دیکھوں پہ کیا جان کھا رہی ہے سب کی۔

اس نئے کی دیکھ بھال کرتے۔ کینز بی بی خود جانے سے پہلے ایک فیڈر بنا کر اسے دے جایا کرتی فاطمہ کو حسن کے چانے کے لیے کپڑے کی مدد سے یعنی دوپٹے کو بھونپنا یا حسن کو اس میں لٹا جانی فاطمہ اسے سارا دن چھلانی دیتی چارپائی کے ساتھ بندھی دینے کی جھلکی سے فاطمہ نے اسے نکالا تھا اس کا ٹکڑٹکڑا گیا ہوا تھا۔ بڑوں کی شاندار کھرجیت سے جھانکی اور حسن کا ٹکڑٹکڑا ہوا کرپا کر لی تھی وہ اس لیے کمری کی کینز بی بی اس کی برسوں کی کھلی کھلی فاطمہ سے اگرسن نہ تھا تو شاندار سے سنہیل تھی۔“

کیا کروں اب میری بھی ہے کہ نہیں اسرار
ہائے کا پتے وجود سے شانے تیر دھڑکن
ساتھ غلت میں گزری میری دوار کے ساتھ کھڑی
دلکے کے اداں کھار دھروں کا گزرو داردار وازیں
دینی ہمار کہ حسن کی طرف پہلی..... حسن کا کاش بہت
آہستہ چل رہا تھا چند دنوں کا بچہ اتنا بوجھ کیسے
برداشت کر سکتا ہے۔ شانے نے اس کے کمال
آچھپائے۔ وہ آکھیں موند چکا تھا۔ حسن..... حسن
آکھیں کھول۔ "شانے نے گہرا کر اس پر پانی کے
چھینے ڈالے۔ پھر اس نے پیسے ہی دھڑکن محسوس
کرنے کے لیے کہا اس کے دل کا ہلکا۔ وہ ہلکا کر
دو دم پیچھے ہٹی حسن کا دل خاموش تھا۔ بالکل
خاموش.....

وقت شانہ کے گھر گزارتی سپاہ پرستی اس سے اور ساتھ ہی زسری کاس کے ایک دو دستی لے لیتی۔ اسکول پڑھنے کا رواج نہیں تھا ان کے گھر میں۔ دونوں بچوں کا کھانا کینیر لی فی مرشد سائیں کے آستانے سے لے کر آیا کرتی۔ گھر والے وہی کھایا کرتے۔ بانی گھر کا خرچہ مجید کی مزدوری سے چل جاتا۔ فاطمہ کی شادی کے اخراجات کے لیے مجید ایک مٹی جتنی رقم کینیر لی فی کو دیا کرتا تھا کہ وہ اس سے کینیر لی فی کو دلا کر کھائی کھائے والی دلی بھی۔ مجید اس رقم سے گھر کی حالت سدھارتا چاہتا تھا کہ پہلے گھر بڑھ سکے۔ پھر ساتھ ساتھ فاطمہ کا جیز جھوڑا تھوڑا تیار کرتے جائیں گے مگر کینیر لی فی یہ رقم مرشد سائیں کو نذر مانے میں دینا چاہتی تھی تاکہ عمریں پر وہ لی فی جی کو سونے کا زیور پہنا سیں اسے مرشد سائیں کی ہر چیز سے پیار تھا کیونکہ اس نے محبت میں عشق کیا تھا ان سے۔

☆.....☆
مجید کے لاکھ بھاننے کے باوجود کینیر لی فی نے کینیر لی فی سے چپک چپک بھرا کر دے دے کڑے مرشد سائیں کی زد کو بھرا کر دے دیئے تھے آستانے کے مردان خانے میں اسن ہاون دستے میں مرشد سائیں کی جانی مٹی چند چیزیں کوٹ رہا تھا اور کینیر لی فی باورچی خانے میں مرشد سائیں کے لیے قودم تیار کر کے اب شامی کباب بناری تھی سو بی کا طوطہ چاندی کے ورق لگا کر فرنگ میں رکھ دیا تھا اس نے۔

وہ دھمکنے سے بارہ چچی خانے میں سر کھپا رہی تھی۔ پہلے زبان خانے کی صفائی کی۔ پھر مرشد سائیں کے لیے خاصہ احترام سے کھانا تیار کرنے لگی۔ گوشت اٹھنے کے لیے رکھ رکھ مردان خانے میں چلی آئی۔ مرشد سائیں دچیں اپنی عمرانی میں

اسن سے کچھ کوار ہے تھے۔ اسن نے ٹان قومہ، شامی کباب، عطلو اور بہت چیزیں بنائی ہیں آپ کے لیے۔ کب کھانا کھائیں گے؟ کینیر لی فی نے مرشد سائیں کی انھوں میں بھی تیرے زبے اور یا قوت کے گینگوں والی انگشتر یوں کو بوند دیکھتے بڑے ادب سے پوچھا تھا۔

کینیر تو نے ایسے ہی اتنی محنت کی میری دعوت ہے آج خوشہ نہ کائی ہے۔ کیا ذائقہ ہے اس کے ہاتھ میں، کینیر لی فی سفید سوٹ میں بلوس بارشیں مرشد سائیں کو دیکھے تھی۔ مرشد سائیں نے اپنی ٹوپی سیڑھی کر کے اس امداد سے کھانا کھانے کینیر لی فی کٹ کر دھوئی۔ سستی محنت سے اس نے مرشد سائیں کے لیے کھانا تیار کیا تھا۔ اس نے خود کو مرید لی کب سمجھا تھا وہ تو مشوق بھی مرشد سائیں کے سامنے۔ اس نے بھی اپنی اس محبت کا اظہار نہیں کیا تھا کہ اس نے وہ ایک مرید لی فی طرح تھی۔ مگر وہ اپنے آپ کو مرید لی نہیں سمجھتی تھی وہ تو مرشد سائیں سے ایسے روئے کی طلب کا گھر کی جیسا روئے دیا کر کے راولوں کا ہوتا ہے دو محبت کرنے والے دلوں کا ہوتا ہے۔

مرشد سائیں کش میں آپ کو پا سکتی۔ کش۔ دل ہی دل میں کینیر لی فی انھوں میں آٹسو لیے وہ دیکھ لی سے مردان خانے کی جگہ سے باہر نکل آئی۔

اس کا سیر غم سے چنا جا رہا تھا۔ احساس محرومی میں کرمی کینیر لی فی بچے دل سے بارہ چچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

☆.....☆
فاطمہ خیر سے تیرہ برس کی ہو چکی تھی۔ شانہ سے قرآن پاک اور اسلامی کتابیں پڑھنے کے بعد وہ کھانا کھاتی کچھ چکلی تھی۔ مجید نے اس کی نسبت

فاطمہ کے تیار لو جید سے کر دی تھی جو کشتہ زار ریور تھا معمولی شکل صورت، مڈل ہاس گرا چھا ایک اور سمجھ دار تھا۔ کینیر کے بعد کچھ سالوں میں اس کی شادی فاطمہ سے ہو چکی تھی۔ اسن تیس سال کا کرل جوان بن چکا تھا۔ چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی آ چکی تھی۔ وہ مرشد سائیں کے پاس حکمت سکھ رہا تھا۔ تندرستی جزی بولیاں اور نہ جانے کیا کیا وہ اس سے پھوڑا رہے تھے۔

یہ کام ختم کرنے کے بعد وہ مرشد سائیں کی بتائی ہوئی چیزیں لکھی گئی کونے کے لیے لے آئی۔ مردان خانے میں ایک کونے میں بیٹھ کر وہ مرشد سائیں کے حکم کے مطابق دوائی بنانے کے لیے کندھک کونے لگا یہ کندھک۔ دواؤں میں ڈالنے والی تھیں کچھ پناخوں میں ڈالنے والی تھی جسے اس نے لوہے کے ہاون دستے میں پھینکا تھا۔ وہ غلطی سے پناخوں والی کندھک لے آتا تھا۔

کینیر لی فی آستانے کے صحن میں گڑی تندوری پر دوپہر کے لیے روٹیاں بنانے میں مصروف تھی۔

غلامہ کی زوردار آواز سے سارا آستانہ گونج اٹھا تھا۔ مریدینوں میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ مردان خانے کی ایک دیوار ٹوٹ گئی۔ برآمدے کی چھت پھٹ گئی تھی۔ "کینیر تراپڑا دھا ہو گیا۔" بھولی سانسوں کے ساتھ جیلے نے روٹیاں لگائی ہوئی کینیر لی فی کو بتایا تو جیزہ اس کے ہاتھ سے نیچے جا گرا۔

"کیا کہہ رہی ہے جیل۔" کینیر لی فی نے دل تھا ملایا۔ اسے تو جان کے دیکھ تو تھی تیرہ چترنگڑا ہو گیا ہے۔ چل جلدی اس کی تا تک اڑ گئی ہے۔

کینیر لی فی کی آنکھوں تلے جسے اندھیرا سا چھا گیا تھا اسے زمین گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔ ایویں سے اڈل ڈول تک۔ کینیر لی فی کو جیسے یقین نہ آیا تھا۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا یوں اچانک۔ آدیکھ لے جائیں کرنے کا وقت نہیں کینر اسن کو سنایا۔ وہ انھوں کے کینوں میں جا گرا۔ مردان خانے میں بھگدڑ مچی ہوئی ہے۔ جیلہ اسے بچوں کی طرح ہاتھ تھام کر اپنی ہراہی میں آستانے کے قریب کیمت کی طرف لے جانے لگی۔

کینیر لی فی چیخیں اڑاتی جاگوں کی طرح سر پٹ۔ دودھ جاری تھی اس کے قدم وہ دوسن بھاری ہو گئے تھے۔ کیمت کے وسط میں اوجھرے جسم والے جواس سال اسن کو دیکھتے اسے لگتا جیسے اسن کے ساتھ ساتھ اس کا وجود بھی آدھا ہو گیا تھا۔

☆.....☆
فاطمہ اسن کی چمار داری کرتی تو اسے نوجوان بھائی کے آدھے وجود کو دیکھتے اس کا دل خون کے آنسو روتا۔ مجید کی تو پیسے کر نوٹ مٹی تھی۔ سارا گھر اشرفی میں ڈھل چکا تھا۔ صحن میں اس جگہ اسن کی چار پالی بھی تھی جہر صحن سے کونے میں اسن کو بٹیاں ہوتی رہیں مگر وہ کھاتے ہی دن اسن کو بٹیاں ہوتی رہیں مگر وہ آدھا ہو چکا تھا اور نہ ہو سکا۔

کینیر لی فی کے آنسو تھے کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتے۔ پورا مہینہ وہ آستانے نہ گئی۔ چھ ماہ بعد اسن بیساکھی کی مدد سے چلے گا تھا وہ مگر وہ رو کر ان کی کھاتھی کینیر لی فی اور مجید کے سنی سے منع کرنے کے باوجود آستانے میں اپنی ڈیوٹی سنبھالے گا۔

زندگی دوبارہ اسی ڈگر پر چلنے لگی مگر دم تھکے

بھرنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔

کنیز بی بی نے فاطمہ کے اٹھارویں سال کے ختم ہوتے ہی دو جڑوں میں بیاد کر حیدر کے ساتھ اس کی وخصتی کرادی تھی۔ اسن اور کنیز بی بی پھر باقاعدہ سے آستانے جاتے تمام کام بہترین طریقے سے انجام دیتے۔ کنیز بی بی کو مرشد سائیں کے آستانے پر کام کرتے اٹھارہ برس بیت چکے تھے۔ کنیز بی بی مرشد سائیں کے کمرے کی صفائی کرتی مردان خانے میں موجود تھی۔

اسن سبھی پاس رکھے دو دایاں ٹیکس پر ہاتھا جب مرشد سائیں نے اسن کو آواز دی۔ وہ براۓ مدے کی طرف آ رہے تھے۔
"اے آدے کدھر ہے تو؟" انہوں نے شاید اسے دیکھا نہیں تھا تب ہی براۓ مدے میں ٹھیں بچھا کر بی بی سے پوچھ لیا۔

اوسے بھی کدھر ہے وہ آدھا، دو دایاں کونائی تھی کم بخت کدھر چھپ گیا۔
مرشد سائیں کی آواز میں انکار سے برساتے شعلے۔ مرشد سائیں کے کمرے کی صفائی کرنی کنیز بی بی کا دل کھوے کھوے ہو گیا۔
آپ کے آستانے پہی تو میرا پتر آدھا ہوا تھا مرشد سائیں بھر یہ طعنہ کیوں؟

لب کا کٹی وہ آدھی سے بڑھائی تھی، اسے اس الفظ کی اتنی تکلیف ہوئی تھی کہ اس کا دل گر ہاتھا تھا اس آستانے پر بھی نہ لپٹ کے آئے۔ اسے لندھروں یہاں سے بھاگ جائے اور پھر چند دنوں بعد ہی نہ صرف اس نے اسن کو ہٹا دیا تھا بلکہ خود بھی ہمیشہ کے لیے آستانہ چھوڑ کر چلی آئی تھی نہ وہاں جانے کے لیے۔ اس کا دل جو کتر آدھا ہوا تھا۔

☆.....☆

جانے کی روشنی سارے صحن میں پڑ رہی تھی۔

مجید اذیز عمری میں پہنچا خاصا کمزور دکھائی دے رہا تھا۔ وہ وہاں چار پر لپٹا ہوا تھا۔ کنیز بی بی نے اپنے دامن بائیں دیکھا نہ وہاں فاطمہ کی نہ ہی وہاں صحن تھا۔ کئی پر نصیب تھی وہ جب انہیں محبت دینے کا وقت تھا وہ مرشد سائیں پر اپنی ساری محبت لٹا آئی تھی۔ اس لیے نہیں کہ وہ اس کے ہیرے بلکہ اس لیے کہ وہ اس کے محبوب تھے۔ اس نے ان سے عشق کیا تھا اور یہ عشق اس سے صحن اور فاطمہ صحن کر لے گیا۔

صحن میں چپا سو رات کی رانی کی خوشبو بکھری تھی تصوری تصور میں کنیز بی بی اپنے ساتھ صحن اور فاطمہ کو لٹائے ہوئے تھی۔
مجید میرا سب کچھ لے گیا۔ سب کچھ، کیا ملا آستانے سے؟ مرشد سائیں ایسا سلوک کریں گے مجھے انداز ہی نہیں تھا۔ کیا مرشد ایسے ہوتے ہیں؟ گوگیر آواز میں کنیز بی بی نے رک کر بھر کر مرشد کے بغیر وہ کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا۔ جیسے بندہ شاگرد ہوا وہ استاد کے بغیر کچھ نہیں سکھا مرشد سائیں تو ایسے ہوتے ہیں پھر یہ مرشد سائیں؟ کنیز بی بی کے شکوے میں رد دی ورد تھا جس کا جواب مجید نے بڑے لطیفی کی طرح دیا۔

دیکھ کنیز ہر مرشد سائیں تو ایسا نہیں ہوتا اگر ایک پولیس والا مشرت لے تو کیا سارے ہی برے اور رشوت خور ہوتے ہیں۔

کنیز بی بی نے ٹٹھی میں سر ہلایا۔
اگر ایک ڈاکٹر مریش سے بڑا دن وہ بچے بنوے تو کیا ہر ڈاکٹر ایسا ہوتا ہے، نہیں ناں، تو ایسے ہی ہر مرشد سائیں برے نہیں ہوتے، کنیز بی بی بندے کو اپنی نیت کا چھل ملتا ہے۔ تجھے مرشد سائیں نے برا دیکھیں کیا تو اس عشق سے برابر ہوئی جو تو نے مرشد سائیں سے کیا تھا۔

مجید کے اس طرح کہنے پر کنیز بی بی شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ مجید نے اسے آئینہ دکھا دیا تھا۔ اس میں اپنا کرہیں گد پکھتے وہ زکروہ کی اس نے کب صرف ایک مرشد سائیں کچھ کر کر پکھتے تھے، سب اس نے صرف یہ کچھ کر آستانے میں اٹھارہ سال گزارے تھے وہ تو یہ صرف اور صرف اپنے محبوب کے لیے کرنی تھی جس کا کام کر کے اسے ہمیشہ اچھا لگتا تھا۔ ہمیشہ پیارا لگتا تھا۔

اماں! اسانے کہتے ہیں کسی سے اتنی محبت نہ کرو کہ وہ بے اپنی جتنی جھٹکے لگ جائیں۔ اور تو نے صحن کا قنف گھٹ کر لیا۔ فاطمہ کا قنف۔ میرا قنف اور اماں کا قنف۔ سب تک کر لیا اماں تو نے، پاؤں تک کہیں میں لینا اسن بولا تو کنیز بی بی بیچتا ہے کی آگ میں جل کر رہ گئی۔

☆.....☆

کنیز بی بی پھر سے آٹھ سال بعد مرشد سائیں کے آستانے پر آئی تھی وہاں آتے اسے پرانی یادوں نے جکڑ لیا اسے یاد آ رہا تھا یہاں میرا اسن آدھا ہوا تھا۔ یہاں میں نے گندم کے ڈھیر صاف کیے تھے۔ یہاں میں نے پیٹنگوں دریاں پکائی تھیں۔ وہ جہاں جہاں سے گزرتی تھیں جہن بچا کر سائے کھڑا ہو جاتا۔ مردان خانے میں ذیل جینز پر بیٹھے مرشد سائیں نے اسے اندر تک کر لڑا دیا تھا وہاں ان کے بالے پر عرس کی لالٹنگ کا انتظام کر کے آئی تھی، اسن اب کرانے پر برتی فتنے جو لگا تھا تھا شادی بیاہ عرس اور دیگر تقریر پات۔

کیسے ہیں مرشد سائیں؟
کنیز بی بی نے کچھ میں ہی لاتے کہا۔
تیرے سامنے ہوں کنیز۔ میرے کرنے نیوب دہلی کی طرف گیا وہاں کبھی میری چیز نے کاٹ لیا شکر ہے جان ہی تھی۔ زہر ہر پھیلنے سے روکنے

قطعات

سليم زادہ صدیقی

تم کو احساس خود شناسی دیا
عشوہ، غمزدہ، غرور بخشا ہے
ہم کو نفرت سے دیکھنے والو
ہم نے تم کو شعور بخشا ہے

☆

ذہن و دل پر جمود طاری ہے
سوچتا ہوں کہ کیا کیا جائے
اور دیکھوں دہیار کا رستہ
یا گریبان سی لیا جائے

کے لیے ناگ کاٹ دی گئی۔ آدھا ہو گیا ہوں میں
آدھا، میرا حال ہے جو آدھے کا ہوتا ہے۔

مرشد سائیں کو اذیت دینے
کنیز بی بی سوچ رہی تھی جتنی مرشد سائیں کی غلطی تھی
اس کی سزا انہیں مل گئی۔ اسن کو آدھا کہنے والے
مرشد سائیں خود آدھا بن کے اس کے سامنے
کھڑے تھے۔

اور اب کنیز بی بی تیری سزا یہ ہے کہ ساری عمر
تو اذیت رہے۔ صحن کی یادوں میں۔ فاطمہ کی یادوں
میں۔ تاکہ تیری آدھی متا جے یاد دلاتی رہے تیری
طرح غلطی کرنے والیوں کے بیٹے آدھے رہتے ہیں
صرف آدھے۔

اور اب کنیز بی بی کی یہ سزا تھی کہ وہ ساری
زندگی آدھی اذیتوں میں رہ کر ہی جے کی کینکھ جب
وقت تھا تب وہ نہ تو صحن میں تھی۔ نہ کینکھ میں
لپڑا یہ سزا تو اسے اب کم از کم پوری زندگی ہی کاٹنی
تھی۔

پیار کے بول

محبتوں اور شرارتوں سے لکھی تحریر جو پڑھنے والوں کو

خوابوں کی دنیا کی سرکرائے گی۔

Waqar Azeem

شغاف روڈ پر تعمیر ہوئی دور سے نظر آتی۔
سفید چھروں سے نئی بڑی سی خوبصورت گولی جنت
ہاؤس میں رہائش پذیر کینوں کے اعلیٰ طبق کا منہ
بولتا جوت نظر آ رہی تھی۔ گولی کے فرسٹ فلور پر جتا
عمرانی تیس جس میں دو سفید چھروں کے سنے
بڑے بڑے دو خوبصورت مور تیس کی دکھی میں
امضاء کر رہے تھے۔ تیس میں دسکے بڑے سے
جمولے پر بیٹھی جنت بیگم سفید مکمل کا دوپٹہ سر
پراڈھے پانڈاں سے پان نکال کر بٹانے میں میں
مصرف تھیں مگر ان کی نگاہیں دقاؤ خندا ہیں تیس
میں کام کرتی شادو پر تھی جس جرمایا آ جا کی تان
لگاتے ہوئے اپنا بڑا سا سر اندہ جھلاتے ہوئے جھماڑ
لگا رہی تھی اور جنت بیگم سے نظر بجا کر چھوٹے
سوتے ٹھکے بھی نگاہی تھی جسے دو اپنی زبان میں
ڈاؤس نیپ یعنی ڈاؤس اسٹپ کہتی تھی مگر اب کی
بار شادو کا یہ نیپ جنت بیگم کی نظروں سے نہ بچ سکا
اور دور سے ہی سر دہ آ کر شادو کی چڑی پشت پر لگا۔

"ہائے میں سرگئی۔" شادو کر بکڑ کر دہیں ہاں ہے
آب کی طرح تر بنے گی۔" تجھے میرا گھری ہا ہے
نہیں پھلانے کو جب دیکھنا ہاں کالی رہتی ہے
ناراد تیس کی۔"
"دادا اگر میں تھوڑا سا کر لیں ہو جاتی ہوں
تو کیا رہا ہے۔"
"کر لیں نہیں فریش ہوتا ہے۔" تک مک
سے تیار شیار دہیں تیس میں آتا ہوا ہولا۔" شیار
ساحب آپ میری انگریزی کا مذاق مت اڑایا
کرد۔" شادو میرا کی طرح بڑھانے ہوئے زور زور
سے جھماڑ لگائی ہوئی تھی۔ یہ جنت ہاؤس کے کچ کا
معمول ہے جب تک شادو اپنی پر فارمنس پر جنت
تیس کے داد کے طور پر سر دہ اور ملو تیس نہ وصول
کر لی اس کا کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔
"میرا اچھا نس جادو ہے۔" جنت بیگم جنت
سے شیار کے ماتھے پر ہوسدے ہوئے بولیں۔ یہ
ہے شیار مراد جنت بیگم کے سب سے بڑے اور

لاؤ لے کر پوتے جو فنِ تعمیر کے پیشے سے وابستہ ہیں یعنی آرکٹیکچر، سرسئی آٹھوں والا خود سالیے قد کا شجاع مراد جنتِ نسیم کی آنکھوں کا تار ہے۔ "دادو آج کھانے میں کیا بناؤں؟" "صوفی وہیں میز پر سے آج کھانے کا پوچھنے کے لیے آئی ہے۔" یہ ہے صوفی مراد شجاع سے دو سال چھوٹی انہوں نے لی اسے کیا ہوا ہے۔ یہ محترمہ عموماً کچن میں ہی پائی جاتی ہیں کھانا کھا کر اذیت نہ کھائے یا ناخن کاغذوں سے بغل شجاع مراد کی ہر وقت خود پر ایک شیف کی سی کیفیت شجاع کیسے رکھتی ہے میری نہیں اس کا بس ملے تو کچن میں ہی اپنا بیڈ لے لے۔ سیاہ سنگی بالوں کی لمبی سی چوٹی ہائے بھری بھری جسامت کی چہرے پر سادگی اور جھولیں لیے صوفی مراد نازک سادہ رنگی ہیں۔ ہمدرد بلا کی گہرے سر کو کوئی بھی آرام سے بیوقوف بنا لے۔ شجاع مراد کے بعد اگر کوئی جنتِ نسیم کا تخت جگر اور نور نظر ہے تو وہ صوفی مراد ہے۔

"اگر لوگین بنا لیا اور عادل پال لو۔"

"دادو پر وہ اخیر و اخیر نہیں کھاتی۔" صوفیہ چھوٹی بہن کا نام لیتے ہوئے بولی "اے بہن تم ایک کام کرنا آج آئی بہن کو کھانے میں فیض احمد فیض کی کتاب اور دوسری شادی کی کتاب رکھ کر پیش کر دینا کرلو آج اس سے پیٹ بھرو۔" دادو کے ہزاروں سے کہنے پر صوفیہ اپنی ہنسی دبا دے ہوئے پلٹ گئی۔ اخیر و مراد صوفیہ سے دو سال چھوٹی لیے سے قد کی تھکے تھکے نفرت کی گوری کی ہر وقت اپنے آپ میں گم رہتی ہے، کم گو شاعرانہ طبیعت کی، ان کی حالی ہی میں شاعری کی کتاب "سہانی شام" بھی آچکی ہے۔ یہ باتیں کم اور شعر و شاعری زیادہ کرتی ہیں، ان کی عادات کی وجہ سے جنتِ نسیم ان سے بیزار ہا کرتی ہیں۔

یہ دو ہوتا سورج کیسی جادوگر کی سیٹھے ہوتا ہے

اپنے اندر جب یہ دو جتا ہے تو کہنے کے اطراف میں ایک بحرِ سادگی اور احساسِ قائم کرتا ہے۔ یہ بھی اخیر و مراد کی طرح اردو ادب میں سائز کر رہی ہیں، عرشِ سکندر کو کھینچنے سے کافی شغف ہے اور ان کی تحریر میں بھی چھٹی رشتی ہیں اور ان کو لکھنے کے ایک دن ان کا تمام کس بڑے بڑے کھادیوں کی فہرست میں شجرہ لکھا ہوا ہوگا۔ یہ اپنی کہانیوں میں میر کا ایسا کردار ادا کرتی ہیں کہ ان کا لفظ موجودہ دور میں ایسا ہیرو نظر آتا ناممکنات میں سے ہے، ہر سڑک کی بات یہ کہ ہے یہ اپنی زندگی میں بھی کوئی ایسا ہی ہیرو جانتی ہیں اور یہ اس دن کے لیے شدت سے منتظر ہیں جب ان کے ماؤں کے ہیرو کی طرح اصل زندگی میں بھی کوئی ہیرو ان کی بارے کا اکثر ان کی متلاشی رہے گا۔ یہ بھی کبھی پارک تو بھی کسی بولن میں اپنے من پسند ہیرو کو تلاش کرتی ہیں مگر ابھی تک ان کی نظروں کو پارک کی کسی سامنا ہے، درمیانے قد کی متاسب جسامت کی کنوینشن تک آتے براؤن کھینے پال جن کا عموماً جوڑا پیٹنے پر مکتی ہے سنہری رنگت اس پر بڑی بڑی آنکھیں اور لمبی سیاہ ٹیکس جو آنکھوں کی کاشی کو ابھارتی ہیں۔ بڑی بڑی آنکھوں میں ہر وقت گہرا کاہل لگا رہتا ہے۔ جو محترمہ کی آنکھوں میں خوب چھپا ہے مگر جب روتی ہیں تو نہایت مضحکہ منظر پیش کرتی ہیں۔ "احرار تم دیکھنا ایک دن میں ایک نامور آرٹسٹ ہوں گی لوگ میری پینٹنگ کو ایسے پسند کریں گے جیسے صدیق احمد ادرگلی کو پسند کرتے ہیں۔" برش ہاتھ میں لیے بڑے جذب سے بولتی ہوئی یہ تائین سکندر ہے، عرشِ سکندر کی چھوٹی بہن جنتِ نسیم اخیر و مراد عرش کی طرح تائین سکندر کی حرکتوں سے کھلی کھلی بیزار ہیں، وہ جان کی ادھت چانگ حویس، ان کی شراؤن سے ہر کوئی بچتا ہوتا ہے یہ پوچھنے سے

قد پر بیزار اور ذیلی ذہالی کرتی زیب تن کی ہوئی

اپنے براؤن کرلی بالوں کی پونی بنا لی ہوئی چہرے پر بچپانی ہوئی تائین سکندر پرانیو جنت پر یونہی سے قائم آرٹ میں سائز کر رہی ہیں رنگوں سے کھینچان کا منتہی ہے اور ان کو یقین ہے کہ ایک دن ان کے فن کی پوری دنیا میں دھوم ہوگی۔

جنت ہاؤس اپنے نام کی طرح پر سکون سا، اس کے بیسیوں کے دل محبت و مخلص سے لبریز ہیں اس گھر کے بیسیوں کی محبت و مخلص کی مثال درود تک دی جاتی اور اس سب میں ہاتھ جنتِ نسیم کی تربیت کا تھا۔ جنتِ نسیم جن کو اللہ نے دو بیٹوں ایک بیٹی سے نوازا بڑا چٹا مراد جس کو اللہ نے ایک بیٹے اور دو بیٹیوں سے نوازا۔ اس کے بعد تائین جو شادی کر کے امریکہ میں اپنے شوہر کے ساتھ تھیں ہیں۔ تائین کو اللہ نے ایک بیٹے سے نوازا اور اس کے بعد سب سے چھوٹا بیٹا سکندر جس کی دو بیٹیاں ہیں جنت ہاؤس جو ہر وقت صبح شام گھر کے کینکوں سے چمکتا رہتا تھا اس کی پر سکون دیواروں میں آج بھی بڑے اظہارہ سال کے حادثے کے نشان ثبت ہیں، مراد کو سکندر اپنی بیگم کے ساتھ گھر سے نکال دیا گیا سے واپس آتے ہوئے پلٹ کر میز میں اپنی بائیں کھوپڑی سے جنتِ نسیم کا اپنے شہر ہر سن احمد کی وفات کے بعد دوسرا احمد تھا جس نے ان کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔ دونوں وہ کتنی کی کیفیت میں رہیں۔ مگر انہوں نے خود کو بہت مشکوک سے اپنے چھوٹے چھوٹے پوتوں کی خاطر سنبھالا اور ان کی ابھی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کو اعلیٰ تعلیم کے زور سے آراستہ کیا اب بیٹی نے اپنی دادی کا مضبوط سہارا تھے اور ان ہی کے دم سے جنت ہاؤس میں روتی تھی رہتی ہے۔ ان ہی بچوں کو کچھ کر جنتِ نسیم جنت ہیں۔ رنگ آتا ہے مجھے ان لوگوں کے دیکھ کر ایک بے حیر سے بچے شجاع اور صوفی کو ہانا کر تو

ایک بے حیر سے بچے شجاع اور صوفی کو ہانا کر تو

تینوں تالاق سدا کی نکلیاں جنتِ نسیم ہاتھ کی نیل پر تینوں کو لاکھ سے گھورتی ہوئی بولیں۔ ان کی اس بات پر شجاع جو پہلے ہی چڑھا ہوا ہے بیٹھا تھا اور جھیل گیا دیکھے بھی اوتار کا دن اسے سب دنوں سے زیادہ اچھا لگتا تھا بقول تائین سکندر کے شجاع جنتِ ہماری لائے بے غری کو بہت انجوائے کرتا ہے دادو تالاق تو نہ بولیں جس آپ کی قابل آرٹسٹ پونی وہ دن دور نہیں دادو جنت آپ کا کوئی اس آرٹسٹ پونی پر فخر ہوگا۔ تائین سکندر اپنی صوفی آنکھوں میں متاخر لیے بولی۔ اے بی بی پہلے تم انسان تو بن جاؤ بعد میں میرا فخر بننا۔ دادو کے ذہن کے بولنے پر وہ دم بسور کر رہ گئی۔ سامنے بیٹھا شجاع اس کی اس عزت افزائی پر اپنے بیس ادواتوں کی فرائض کرنے لگا دل کرہا ہے لہو تیرے دانت تو دوں سارے، تائین اسے ٹھکے سے گھورتے ہوئے دل ہی دل میں بولی جیو دادو کی موجودگی جس جو اپنے پوتے کی شان میں کچھ نہیں سن سکتی تھیں۔

وہ دادی میری کہانی چھپی ہے۔ عرش کے فخر سے تانے پر دادو کا طوطہ پوری کھاتا رکھ گیا اور وہ کافی نظروں سے عرشِ سکندر کے چہرے کو دیکھنے لگیں۔ عرش تجھے شرم نہیں اس کی حسیں کرتے ہوئے دادو کی کرفت آواز پر عرش شہنا کر دادو اور باقی سب کے حیران چہروں کو دیکھنے لگی کیونکہ عرش کی طرح وہ بھی دادی کی اس ذہن پر حیران تھے۔ عرش تو نے کہانی میں کیا کھانا تھا چچ تائین تو نے عمران ان کی مودی تو نہیں لکھ ڈالی تائین کی تشویش زدہ سرگوش پر عرش کو جلدی جلدی سرسئی میں ملانے لگی۔ دادو میں نے کہانی میں تم سے ایسا نہیں کھایا میری کہانیاں تو ہمیشہ بڑی صاف ستھری ہوتی ہیں۔ عرش بڑا زور جلدی سے صفائیاں دیتے ہوئے بولی۔ ہاں دادو یہ اپنی کہانیوں کو محترم وافر

سے صحتی ہے۔ تاہم ان کی زبان میں سنجھی ہوئی۔
چپ کرکوں اورٹ پناگ بولنا ہے تم دونوں نے اور
عروض تم کو کون پاگل بولے گا کہ یہ راستہ ہے مجھے
سامنے والے کرل صاحب نے بتایا کہ آپ کی پوتی
عروض گھروں کی بتل بجا کر بھائی ہے، میں پوچھتی
ہوں عروض کیا تجھ میں تھوڑی سی عقل ہے یا وہی تو
نے سچ کھائی۔ سامنے بیٹھا شجاع عروض کی باقی بپاری
عزت ہونے پر بری طرح سے جھوم رہا تھا کہ سطلے
کی ڈش برقی تھلی پر شاہد ایک منٹ کے لیے تو یہ بھی
کہ شجاع صاحب کو حال آ رہے ہیں اور امیر دہلی کی
آپ بھی کچھ فرما دیجیے اور مجھے بتائیے کہ آپ میں
کتنا بڑا شاعر چھپا بیٹھا ہے۔ دادو کی تو ہوں کہ رنخ
اب امیر و مرادو طرف تھا دادو کی اس بات پر امیر و
مرادو خود کو پرین شاکر سمجھ کر دھیرے سے اس دی
دادو دیر سے لیے تو یہ شعر صادق ہے

میری سمجھ ہے باہر ہے
میرے اندر جو نہ جیسا ہوا شخص

امیر و مرادو وہ ادب دانہ سننے کے لیے دیکھنے کی۔ ہاں بی
ایسے اندر وہ ادب دانہ سننے کے لیے دیکھنے کی۔ ہاں بی
کیوں تھک سکتا ہے تو کوئی ناگلی ہی ہوگا جو کوئی سمجھے
دادو کی اس صاف گوئی پر امیر و مرادو کا سطلے پوری
سے انصاف کرنے لگی۔ ایک ہے یہ میری بچی اپنی
پاپاری ایسی کام کی دادو امیر و کے برابر بھی جائے
نفا کی صورت کو دیکھ کر محبت سے بولیں۔ دادو کی اس
بات پر سب من لگا کر دھمکے صورتی دادو کی تعریف پر
مزید پھول کر کیا ہوئی۔ دیکھو اس کو سوجھا ہوا ترپوز
لگ رہی ہے۔ عروض سونہر کو دیکھ کر کھل کے تائین
کہ کان میں سرگوئی کرنے لگی اور دادو میں بھی آپ کا
فرمان پڑھا تھا۔ ہاں کیوں نہیں تو تیرا چاند ہے دادو
میں پیچھے رہتا۔ ہاں کیوں نہیں تو تیرا چاند ہے دادو
واری مہر سے ہوتے ہوئے بولیں۔ وہ ان تینوں کو

دل چلائے والی مسکراہٹ سے دیکھنے لگا ان تینوں کا
بوس نہیں چل رہا تھا کہ اسے کیا کھا جائیں۔

رات کے کھانے کے بعد وہ چاروں شجاع
آئے آتشکریم کھلانے کی ضد کرنے لگیں۔ وہ گاڑی
میں ان کو آتشکریم پارلے پارلے آیا تائین آتشکریم پارلے
میں بھی اپنی آکس کریم کھ اور سب کی آتشکریم اور
اپنا اسپون زیادہ چلا رہی تھی۔ کیا مصیبت ہے اپنی
کھاؤ۔ عروض جھجھلا کر بولی۔ ہاں اپنی تو کھائی رہی
ہوں پر سب کے لیڈور بھی تو نیست کردی۔ اس کو
نیست کرنا نہیں کہتے بلکہ رغبت سے کھا دیتے ہیں
جو آکس کریم ہیں۔ شجاع اپنی آکس کریم کو آتشکریم
کو کچھ کرمل کر بولا۔ اچھا زیادہ مر دت لیسری بھی
لے لو ایک اسپون اس کے کپ میں ڈالنے ہوئے
بولی دادو بڑا احسان کیا ہے اپنی ڈیمر ڈال کر اس کے
طر پر وہ ڈھانسی سے ہنس دی۔ اوئے جالی سامنے
دیکھ۔ عروض تائین کے کان میں اپنی تائین اس کی
خفروں کے غائب میں دیکھنے لگی جہاں ایک جینڈم
سالار کا بیٹھا تھا دیر سے عروض کو دیکھ رہا تھا۔ اوئے
عروض یہ حیرے ناول کے ہیرو جیسا ہے اس کی
آنکھیں دیکھ کر ہی بڑی بڑی ہیں اور دیکھ بھی تجھے رہا
ہے۔ تائین پر جوش ہو کر بولی اس لڑکے کا عروض کو
دیکھنا سب ہی نے نوس کر لیا۔ یہ ایسے کیوں دیکھ رہا
ہے۔ سب سے پہلے شجاعت بولا۔ ہو سکتا ہے میں
اس کو کسی ناول کی ہیروئن کہ رہی ہوں عروض لیوں
پر شکر ملے گا۔ کان جہاں سے دھیرے سے بولی ہیروئن کم
ذاتی پسماندہ زیادہ لگ رہی ہو اس طرح سے شریانی
بولی۔ امیر و اس کا پتھو پتھو اپن ایک آنکھیں کھلیا
تھا۔ زیادہ دیکھنے کی ضرورت نہیں عروض چپ کر بولی
بیٹھو زیادہ رنگ مہر ہے۔ اس کا ہماری عروض کو سب طرح
سے گھور کر دیکھنا صورتی نشوونہ زد کیسے میں بولی
اس کی اس بات پر عروض رنخ کے بد مزہ ہوئی اچانک

دے دو اٹھ کر ان پانچوں کی سمت آنے لگا گھبراہٹ
میں عروض کا برا حال ہونے لگا بے ساختہ وہ دے دے کا
کوڑا دانتوں میں کھینچنے لگی یا اللہ ناول میں تو بہر دانی
جرات سے ہیروئن کو سب کے سامنے کھڑے کر پھونڈ کر
چیں اے یہ مجھے پھول دے گا میں کیا کروں۔ عروض
سکندر گردن جھکائے بری طرح سے شرارتی تھی۔
سورہی میں معذرت چاہتا ہوں اس طرح سے دیکھنے
پر وہ دل میں میری چھوٹی سسٹر بہت زیادہ آپ میں مل
رہی تھی میری بہن کی وفات ہوئی ہے کسی آپ میں
اس کا چہرہ دیکھا تو میں نے اعتقاد کر لیا کہ گلا کے
کے مسکرا کر اس فرسوی سے کہنے پر عروض کی بھی گردن
جھکے۔ اٹھی اور وہ صدمہ سے اس کو دیکھنے کی مگر
تب تک وہ وہاں سے نکل چکا تھا۔ اوئے ہوئے
چھوٹی بہن شجاعت کی شرارت بھری آواز پر وہ گردن
مٹی۔ ان چاروں کے اس طرح سے ہنسنے پر وہاں
بیٹھا ہر شخص ان کی اس ہنسی کو دیکھ رہا تھا گھبرائے
سب کی نظروں سے بے نیاز عروض کے خفت سے
سرخ ہوتے چہرے کو دیکھ کر اپنی بہن نہیں روک
پارہے تھے۔

اعتقاد ابھی جائے چلاؤ تو کسی چلاؤ تو کسی
یو فوڈر لائی میں بیٹھا ارازا کلا بجاتے
ہوئے گھر کا ہاتھ۔ واہ کیا آواز ہے۔ تائین کی اس
تعریف پر ارازا تھتے پر نگرے سیاہ بالوں کا ہاتھ
سے پیچھے کر تا ہوا مسکرانے لگا۔ "دوسرے نہ تال ہے
بھڑکیا گانے سے مطلب ہے۔" تائین کے جملہ پورا
کرتے پر ارازا سے گھور کر رہ گیا۔
"اچھا ناسا تو گاتا ہے۔" ہانیہ کی تعریف پر
ارازا کے چہرے پر جو رنگ کھرے تھے اسے دیکھ کر
تائین کی کھلی کھلی۔ ٹھیک یو پالی۔ ارازا آنکھوں
میں محبت کے جتنو لیے ہانیہ کو دیکھتے ہوئے بولا جو
بلیک شرٹ پر گولڈن اسکرٹ جینس پیش کی طرح

دکھش لگ رہی تھی۔ ہلکے ہلکے میک اپ میں اپنے
گولڈن ڈرائی بالوں کا ہاتھ سے سنواری ہوئی مسکرا
کر ارازا کو دیکھنے لگی۔ اوئے کئی جہنوں میں بھی بیٹھی
ہوں یہاں۔ تائین کے شرارت سے کہنے پر دونوں
ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس دینے لگیں اس ہی کا تو
افسوس ہے کہ تم بھی وہ چھوڑتی ہی نہیں کبھی تھلا۔ ارازا
علی کے بے جا چنگ سے کہنے پر تائین نے اچانک بیک
اٹھا کر سر پر دے ماری۔ بیٹا ہم تینوں کا ساتھ اسکل
سے ہے اور اب آپ چاہتے ہیں میں چھوڑ دوں۔
تائین کر پر ہاتھ رکھ کر لڑا کا انداز میں بولی۔ ارے تم
ہماری چوٹی چڑا ہونے ہمارے بغیر تو ج میں ذرا مزہ
نہیں۔ ہانیہ اس کے ہلکے ہلکے ہوئے محبت سے
بولی۔ تائین سامنے بیٹھے ارازا کو دیکھ کر زبان نکال کر
مٹ چڑا لنگی اس کے پیچھے ہر ارازا ہنس دیا۔
ارازا علی کے باب علی اے ایک امیر و نامور پڑنس
میں ہیں ان کی بہت خواہش تھی کہ ارازا بڑی کسی تعلیم
حاصل کرنے سے ملگ سے باہر جاتے مگر ارازا علی کو فاس
آرٹس سے لگاؤ تھا اور اس کا اپنا ایک آرٹ اسٹوڈیو
کھولنے کا ارادہ بھی تھا مگر اس شرط پر علی ارازا رضی
ہوئے کہ بعد میں وہ ان کے بزنس پر بھی توجہ دے گا
اور ارازا نے ہاں بھری تھی۔

☆.....☆

"سامنے والے کرل صاحب ان کی جھگڑ اور
ان کا پوتا جولدین سے آیا ہے میں سوچ رہی ہوں کہ
ان کو اس اتوار دن پر ملاؤں۔" جنت بیگم کے سامنے
والے مکر سے کافی اچھے تعلقات تھے۔ ان کے شوہر
حسن اور اشتیاق صاحب بھڑکی دوست تھے۔ اشتیاق
صاحب کی بیگم سے جنت بیگم کی اچھی دوستی تھی اور
ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا کرتا تھا۔ وہ پانچوں
اس وقت دادو کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ
عروض کے کان باندن پلٹ پڑے ہر کھڑے ہو گئے۔

عروش کی چٹکی آ نکھوں میں چھپی خباثت شجاع سے چھپی ندرہ کی۔ بات سنو تم تینوں ذرا کمزیر سے رہنا تم لوگوں کی فالتو حرکتوں سے میں بہت تنگ ہوں۔

دادوان تینوں کو ادارہ کرتے ہوئے بولے۔
 شادو ایک بات تجھ سے سچن سے تک کر نہیں بیٹھا جاتا سربگ بگے ہیں، کیا پورا ریل بلاد رکھا ہوا ہے۔ دادو ہلٹی جلتی غائبیں دہائی شادو کو کھوکھو کر بولیں۔ اس کے اندر صبر اٹھانے والے امپرنگ فٹ ہیں جو ہر وقت اسے ناچنے پر مجبور کرتے ہیں عروش دھڑ سے بولی جس پر پاس بیٹھے دو چاروں اپنی ہلکی ضبط کر گئے۔ ہاں ادارہ ہی چنگے ذرا چھوڑنے اپنے کمزور ہر وقت سرس کی جو کرنی رہتی ہو۔ دادو کی تیز ساتوں پر شجاع عیش عیش کر اٹھا تنہا نے عروش کی دھڑ سے کی گئی سرس کی طرح اس کا دل عروش کھسائی ہو کر اپنے ساتوں کو دیکھنے لگی جس کے چہروں پر دہلی دی سی شرمسکان لگی۔

اتوار رات ڈنر پر اشتیاق صاحب اپنی اہلیہ اور پوتے کے ساتھ آئے۔ ان کا پوتا خادو جو جلدن سے چڑھ کر آیا ہوا تھا کھانے کی کھیل پر مستقل صوفیہ کے ہاتھ کے سنے کھانے کی تعریف کرتا رہا یہاں تک کہ ایک بار تو جذباتی ہو کر یہ بھی کہہ گیا کہ دل چاہ رہا ہے کہ لکائے والے کے ہاتھ چوموں۔ اس کی اس بات پر جنت بیگم کے حلق میں نوالہ انگ مچا اور سامنے ہی بیٹھی صوفیہ شرم سے دوہری ہو گئی۔ باقی ان تینوں کا کسی دور کے سے چکر میں ان قدر برا حال تھا کہ الحیرہ ہوا کہ نہیں چل رہا تھا دھڑ دھڑانے کا گولہ بنا کر منہ میں ٹھونس لے۔ تاہین نے ہنسی روکنے کے چکر میں چادر بھر بھر کر کے چپے میں منظر شمع شروع کر دیئے تھے۔ اس سارے وقت میں خادو کی نگاہوں کا مرکز صوفیہ رہی۔ خود پر دہلی دھتے دھتے اس کی نگاہوں سے وہ غافل نہ تھی۔ اس نظر ان کی چوڑی

کو عروش نے پکڑ لیا تھا۔ اسے بھی صوفیہ کے لیے خادو اچھا لکھا لپکا چڑا صحت مند سا وجہر شخصیت کا مالک خادو سے بھی پسند آیا۔

جنگل میں مشکل سے تیرے ہی دم سے سب نے یہ شر چھایا ہے۔ آج احراز کی سالگرہ کا دن آیا ہے۔ کال پر لپک لپک کر ہیشہ کی طرح سے وہ دوش کر رہی تھی۔ اس کے انداز پر وہ تہہ لپک کر شمس دیا پور سے بارہ بجے نہ لپک سکنڈ اوپر نہ لپک سکنڈ نیچے کیا بات ہے تاہین سکندر کی تھینک یو۔ یو تنگ یہ تانا کھان ٹریٹ دے رہے ہو۔ ٹریٹ یہ کیا ہوئی ہے تالی۔ اس کے بولہ میں سے سوال کرنے پر وہ دانت کھپکھپ کر رہ گئی یہ ٹریٹ وہ بولی ہے جو ہر سال احراز کی کو دیتے ہوئے موت پڑتی ہے جس میں احراز کی کے والد سے پہچنے کاٹنے ہوئے ہیشہ کی طرح اس کا دل بیٹھتا ہے۔ ٹریٹ وہ ہوتی ہے..... ادھر ٹریٹ بس..... اس کو نان اسٹاپ بولتا دیکھ کر چپ کر اترتے ہوئے بولا قسم سے ایسی غیبت ہو تم ہر باندہ نیدوں کی طرح ٹریٹ جلتی ہو پھر بھی باز نہیں آئیں اب شرافت سے گفت دے دینا۔ ارے یہ گفت کیا ہوتا ہے۔ تاہین کے شرارت سے پوچھنے پر وہ تہہ لپک کر نہیں آیا۔ یہ گفت وہ ہوتا ہے جو ہیشہ کی طرح تاہین سکندر سے نہیں دیا جاتا۔ بس کرو بہت بڑے غیبت ہو ہر بار مجھ کے نیدوں کی طرح گفت وصول کرتے ہو پھر بھی کہنے سے باز نہیں آتے۔ تاہین کے فوراً بدلے چکائے پر وہ اس کی چالاکا کی پر ہنس دیا۔ کال بند کر کے اس کے لیے وہ گفت بیک کر گئی۔ لکڑیا احراز کو دوش کرے میں الحیرہ وہ آئی۔ الحیرہ وہ اس کو چھوٹی ہوئی اس کے پاس بند پر بیٹھ گئی۔ خدی کرو یا ممکن انداز میں وہ سر ہٹکائے گفت پیک کرنے میں مصروف تھی۔ تالی ادھر دیکھو الحیرہ اس کے لیے کی گئی تھیں کرتے ہوئے بولی۔ ہاں بلو وہ جو سر

جھکائے کام میں مصروف بولی ادھر دیکھو وہ زبردستی اس کا منہ اٹھاتے ہوئے بولی تاہین چہرے پر زبردستی مسکراہٹ بجائے اسے دیکھنے کی جڑ ہے تاہین سکندر تہا میری غلطی کیا ہے خدوع ہوئی ہے تم بہت جلدانی طبیعت کی مالک ہو صرف تصور کا ایک رخ ہی دیکھتی ہو تم تو یار آرٹ ہو ادارہ ایک آرٹ کی نگاہ تصور کے ہر پہلو پر ہر رخ پر ہوتی ہے تہا میری غلطی یہ ہے کہ تم نے اپنی لائف میں آج کل نہیں رکھا۔ انسان کی زندگی میں دو آہن کے من ہونے چاہئیں اگر اس کو گنگے کی یہ راستا اس کے لیے ٹھیک نہیں پاس راستے میں سوائے اذیت اور درد کے کچھ حاصل نہیں تو وہ اس درد و آزار سے نکل جائے کم از کم اپنی لائف میں اس درد و آزار سے نکلے گا آج کل تو حکومت نے ایک فیض پر اپنی زندگی شروع کر کے وہیں پر ختم کر دی ہے یہ جانتے پوچھتے ہوئے بھی کہ تم اس کی ایک ابھی دوست ہو اس کے سوا کچھ نہیں اس کے دل میں ہانیہ ہے، تاہین سکندر نہیں وہ تاہین کے چہرے پر یاد سے اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے اداسی سے بولی وہ تو کالی دیر سے ضبط کی کوشش میں لگان ہوئے جا رہی تھی اس کے گلے تک کر چھوٹ چھوٹ کر رو رہی۔ میں کہیں رہوں گی اس کے ہاتھ میں کیا کروں گی، الحیرہ اس کے لیے کی بے بسی نے الحیرہ ہونگی رادیا۔ کوئی نہیں جانتا تھا ظاہر یہ شرم چھل نظر سے دالی زندگی سے بھر پور تاہین اپنے اندر محبت کا خاموش سمندر لیے ہوئے تھی۔

پر تاہین منہ ہٹاتے ہوئے بولی۔ یہ ہاتھ کہاں رہی اور اس نے کر یا دوش تھیں۔ ہاتھ کی نوک سے اداسی ہے میری سالگرہ جواب کر س کی وہ ختم مدوش۔ احراز کے مسکرا کر کہنے پر تاہین اس کے چہرے پر چٹکی اداسی کو دیکھ کر چپ رہ گئی۔ لو آئی وہ احراز باندہ روکھتے ہوئے کولا جوان دونوں کی جانب چلی آ رہی تھی۔ بیٹلے ہوئے ہوتے دونوں مسکرا کر دونوں کو دیکھتے ہوئے بولی اور کس پر رکے گفت کو دیکھتے ہوئے حیرانی سے بولی یہ آج کس کی سالگرہ ہے بھی۔ اس کے کہنے پر احراز خیف نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ ادھر دوسری احراز وہ اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارنے سے بولے بولی ہیشہ کی طرح پھر بھول گئی دوسری سالگرہ مہارک ہو۔ تہا مرگفت ڈپ ہے اس کے شرارت سے کہنے پر احراز مسکرا دیا۔ تاہین جلتی آنکھوں سے دونوں کو ایک دوسرے کو مسکراتا ہوا دیکھنے لگی۔ تم نے ٹھیک ہاتھ الحیرہ میری سالگرہ غلطی دیکھنے کی ہے نہ دروازے سے نکلے گا آج کل نہیں رکھا آنکھوں میں آنی کی کو اندر دھکیلنے ہوئے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ سوچنے لگی مگر میری دعا ہے میرے یہ دونوں دوست ہیشہ ایک دو بے کے سنگ شادو آ بار ہیں وہ سارے دنوں کے لیے دل ہی دل میں دعا کر رہی۔

علان یہ ہے کہ مجبور کر دیا جاؤں دگر نہ یوں تو کسی کی سنی نہیں میں نے کیا خوب کہا ہے جون ایلیا صاحب نے الحیرہ ہ سر دھتے ہوئے بولی۔ دے سے شعر الحیرہ تم پر صادق ہے لوند تم کی اذیت ہو کبھی کسی کی نہیں سنیں۔ صوفیہ ہلکی روکتے ہوئے الحیرہ وہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ایک نمبر کی بڑا دق ہو تم صوفیہ اس بات پر وہ شدید بدحوہی بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی جاوڑی لیے یا دقت کے بحر میں گرفتار ہو کر اس میں

بکرا لیا گیا ہے پھر تاہم چاہے بھی تو چھٹا کارکن نہیں اس کا۔ عروش اپنی کہانی کا اقتباس سناتے ہوئے سب کو داخلہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ چلو گی ان کو بھی دور درگیا تاہین بیٹ پر اپنی ہزار سی جیوگم چپاتے ہوئے بولی چپ کر دھوئی بندریا۔ عروش اسے کھوتے ہوئے بولی۔ اس کی خود بہت عالم چتا ہو رہت سی خود کو نال کی ہر ہون جیستی میں جڑے اگر تھاری زندگی میں کوئی بھی آجائے نہ تو شکر بھیجنا۔ تاہین کرے میں راضی بولی جائے لائی شادو کو کچھ کر اس کے گھیت کا نام لیتے ہوئے بولی۔ تاہین کی اس بات پر شادو کے ہاتھ میں پکڑی جائے کیڑے لڑائی جسے اس نے بڑی مشکل سے تھیل پر رکھا انکر کے تانی لی میرا ہونے والا شادو ہے میں اسے کسی کے ساتھ شریک نہیں کر سکتی۔ اچھا چلو شادو تم شریک نہ کرنا چاہتا کر لیتا۔ اس کے شریک کو شریک نے تاہین شریک لہجے میں بولی۔ کمرے میں بھی صوفیہ اور ائمہ وہی اپنی بھی روکتے ہوئے شادو کی ملکہ جذبات ناچا۔ ٹینگ۔ دیکھ کر سی نہیں۔ میرے لیے وہ پوری ہر گیا ہے نہ عروش کے بل کر بولنے پر شادو اچھل کر مڑی وہ پورہ میرے اور خبردار کسی نے میرا ہونے والا سہاگہ جینے کی کوشش کی شادو عروش کو دیکھتے ہوئے لپکے بولی جیسے واقعی عروش اس کا ہونے والا سہاگہ جینے لگی۔ تھارا تو داغ خراب ہو گیا ہے فلیس دیکھ دیکھ کچھ کچھ بولی ہوگی عروش کھور کر شادو کو دیکھتے ہوئے بولی ہوئی پھر جیستی کمرے سے نکل گئی۔ ان کو کیا ہوا۔ یہ کیوں اتنا داغ ہوئی شادو تھوڑی پر اٹھی رکھے جیروگی سے ان تینوں کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ائمہ اپنی شادو سی اتنی عجیب افقت سے کہ اس کے ساتھ بندہ باہر سے داغ بونا جائے۔ تاہین انکھ مار ائمہ وہ مخاطب ہوئی جس

☆.....☆

بھکی سی مسکراہٹ ہوئیوں پر سچا کہ بولا اس اتوار ثانیہ وہی سے اس کے ساتھ تم لڑائیوں ذرا تھیرے رہنا صوفیہ کا تو مجھے پتہ ہے پرانی تم جیستوں سے تو جیڑے مجھے کی تھیری امید نہیں، انسان بن کے رہنا، دادو کی بات پر وہ تینوں منہ بکا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

تاہین بہت دنوں سے عروش کر رہی تھی احراز کافی با سبٹ لگ رہا تھا پیلے والی شریک تو نہیں م نظر سی نہیں آ رہی تھی اور کچھ ہانیہ کر رہی بھی کھلی کھلی معلوم ہو رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ جان کر انکھ کر رہی ہے، تاہین ان دونوں کے دینے پر پکرا گئی تھی ہانیہ سے دیکھتے ہی کچھ کام کا ہانا کر کے اٹھ جاتی اٹھرا اٹھرا عجیب گم گم۔ آج اس نے سوچ لیا تھا کہ معلوم کر کے رہے کی ناہرا گیا ہے آخر احراز مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے وہ اس کے پاس لاہری کی میں آئی ہوں بلوہ وہ کتاب پر سے نظر بنا کر بولا۔ یہاں نہیں کی رہے نورنٹ چلو۔ وہ اس کو لیے رہے نورنٹ میں چلی آئی۔ بڑا کوئی بات ہے۔ کیا بات ہے کے پچے پہل کیا رہا ہے، کیا تم کھیل رہے ہو تم دونوں وہ میرے ہاتھ نہیں لگ رہے سی پانیہ کی ہر اہم ہو گئے کا کو کھائے بیٹھے ہو، تاہین کھلی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی اور یہ تھارے منہ پر بارہ کیوں بیٹھے تھے ہیں۔ اس کے کزور چرے کو دیکھتے ہوئے بولی جو نہیں ہوا اور ذرا زبردستی مسکرا کے بولا اور اس پانیہ تھارے ہاتھ لگے بھی کیوں اس کو زور ہے کہ تم بھی نہیں کسی طرح سوالات کی ہو چھانڈ نہ کرو۔ ذرہ پر کسا؟ نا بھی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ جو ایک جھوٹے کو سچے سے ہوتا ہے پتا ہے جو انسان جھوٹا ہوتا ہے نا وہ سب سے فرار حاصل کرتا ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کو کوئی جگ کا آئینہ دکھائے جگ کے آئینے میں تو ہمیشہ اپنا چہرہ بیا کھ

☆.....☆

آج صبح سے ہی جنت ہاؤس میں رونق لگی ہوئی تھی ثانیہ پورے دس سال بعد پاکستان آئی تھی ساتھ ان کے زوار بھی تھا۔ وہ سب لوگ دادو کے کمرے میں جمع تھے۔

"کیا قتال بھی آجاتا۔"

"اماں جمال کے آنے کا قہر طبیعت بھی ان کی ایسی ہوئی کہ وہ آنے کے۔ ثانیہ بیٹ پر ماں کے برابر بیٹھی ان کا ہاتھ پکڑے محبت سے بولی۔" بول رہے تھے جمال کہ صوفیہ کی شادی میں ضرور آؤ گا۔ ثانیہ محبت سے سامنے صوفیہ پر پیٹتی بیٹھی کود دیکھتے ہوئے بولی۔

"اماں آپ نے شجاع کے لیے کوئی لڑکی دیکھی۔" ثانیہ ماں سے اٹھنے کے پوچھنے لگی۔

میں کیوں اتنا جذباتی ہوئی وہ سن رہے ہاتھ رکے افسوس
 کیے جا رہی تھی۔ "کیا ہوا کیا سوچ رہی ہو؟" احمیرہ
 اس کو سوچوں میں گم کر دیکھ کر پوچھ گئی۔ "تائین نے
 اسے ساری بات بتا ڈالی۔" "اُسے یہ تو بہت اچھا
 بات ہے۔ نہ تائی دیکھتے ہمارے چہرے ہمیں قدر ہے
 اور خالص تھے۔" احمیرہ بے تحاشہ خوش ہوتے ہوئے
 بولی "میں یاں بھی بہت غیب سالگ رہا ہے۔ اعزاز
 کیا سوچ رہا ہوگا میں کس قدر چالاک ہوں، ہانیہ کے
 جانتے ہی جگہ لینے کی پرکھی، میں بس خود پیچھے ہٹ
 جاؤں گی۔" "تائین کے پیچھے گئے۔ کنبے پر احمیرہ
 تیراگی سے اس کو دیکھنے لگی۔

☆.....☆

احمیرہ دیر میں بیٹھنے پر بیٹھی "میرے دل
 میرے مسافر" چھڑ رہی تھی کہ دوبارہ وہ اس کے
 پاس چلا آیا اور اس کے ساتھ ہی جو ملے میں بیٹھ گیا
 احمیرہ نے برابر بیٹے زاویار پر ایک نگاہ مسکرا کر ڈالی
 اور جھرتاب میں گم ہوئی۔ "کالی شوق لگتا ہے آپ
 کو شہر و شاعری سے۔"
 "جی ہمتی زیادہ۔" اس کی بات پر وہ دھمے
 سے مسکرا کر بولی۔

آؤ چپ کی زبان میں ناصر
 اتنی باتیں کریں کہ تھک جائیں
 زاویار نے مسکرا کر شہر کہنے پر احمیرہ خوشگوار
 حیرت سے اسے دیکھنے لگی یعنی کہ آپ کو بھی شوق
 ہے:

ایک نہ ایک بات سب میں ہوتی ہے
 وہ جو ایک بات بھی نہیں کیا تھی
 زاویار کے اس شعر پر احمیرہ مڑا کر رہ گئی۔
 اب روڈوں کی اکثر اس شعر و شاعری کو لے کر باتیں
 ہونے لگیں۔ زاویار کا ہر انداز آہستہ آہستہ احمیرہ
 مراد کے دل میں جگہ بنانے لگا وہ احمیرہ مراد جواہری

دنیا میں ممکن رہتی تھی اب اس کی باتوں میں خود بخود
 زاویار کا ذکر آئے گا جس کو تائین نے کالی محسوس کر
 تھا۔

شام وہ چاروں داک پر لگی ہوئی تھیں کہ ایک
 چلی کا موڑ مڑتے ہوئے عروش اچھل کر ان تینوں
 کے سامنے آگئی۔ کیا ہوا تھیں کرنٹ کیوں لگ رہا
 ہے۔ صوفی عروش کو اس کے عزائم سے باز رکھتے
 ہوئے ڈپٹ کر بولی "اُسے نہیں یاد سن تو لو پہلے
 میری۔ وہ تینوں کو دیکھتے ہوئے بولی عروش اس کو
 آنکھوں میں صاف تاج رہی تھی۔ یہ جو کھر ہے نہ وہ
 سیاہ روزہ از سے کھلے گیٹ کی جانب اشارہ کرتے
 ہوئے بولی "ہاں تو ہم نے کب کہا ہے یہ چڑیا کھم
 ہے" تائین جس نے بولی۔ "اُسے سن تو لو میراں دار
 میں نے کہاں آپ بہت چٹم چٹم ہیرودیکھا۔ اس کو
 تو عروش بھی شہر نہیں ہوتی چلو آ۔" ہر دو کو
 ضرورت نہیں "احمیرہ وہ اس کو پیچھے سے گھورتی ہوئی دان
 دلوں کو دیکھتے ہوئے بولی "یار ایک منٹ تم دو کچھ تو
 اسے" عروش زبردستی روکتے ہوئے بولی اس کے
 کنبے پر وہ تینوں بھی اس کے ساتھ اس کھلے گیٹ
 سے اندر بھاگتے گئیں "حالات ہے تو بڑی غیر اخلاقی
 حرکت یوں ہی کے کھر کے اندر بھاگنا پر کیا کرے
 بہن کی عروش کے آگے مجبور ہے۔" صوفی انداز ان کا
 دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ ہے تیرا ہیرود۔ تائین لان میں
 کھڑے کھڑے کہہ کر دیکھ کر حیرت سے بیٹھی۔ دار
 غراب سے تیرا عروش پا کھا جانے والی ناٹوں سے
 تائین کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "اُسے بھاگو وہ ہمارا
 طرف آ رہا ہے۔" احمیرہ کہنے کو اپنی طرف دوڑ
 دیکھ کر چیخا "کون ہیرود آ رہا ہے۔ صوفی بدحواس ہو کر
 پوچھنے لگی۔ اُسے نہیں کتا۔ تائین چیخ مار کر دوڑنے لگا
 ہوئے بولی۔ یہ ہیرود کتا کیوں بول رہی ہے۔ صوفی
 ناجی سے احمیرہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ بھاگ صوفی

آگیا ہیرود۔ احمیرہ صوفی کا ہاتھ پکڑ کر دوڑ لگاتے
 ہوئے بولی۔ ہائے میری کر۔ بھاگتے بھاگتے صوفی
 کا پاس پہنچے لگے۔ جانتے ہی نہ تھے جن پر جانتے ہی
 ڈکارے تھے احمیرہ۔ اس کی محنت مند جسامت پر
 چوٹ کرتے ہوئے بولی۔ اُسے عروش کہاں رہ گئی
 بھاگتی تائین چاہک رک کر اپنے ساتھ عروش کو موجود
 نہ پا کر پوچھنے لگی۔ وہ تینوں دوبارہ تیزی سے واپس
 چلی آئی۔ ہیرود اور اُسے تک جہاں عروش لیٹی اپنا ہیر
 پکڑے سے مشکل رو رہی تھی اور ایک لاکاس کے قریب
 ہی گھٹنوں کے تل چکا ہیرود سے اس سے کچھ
 پوچھ رہا تھا۔ دیکھو اس لٹی کو رات بھر کیسے لیا اس نے
 ہیرود۔ صوفی ان دونوں سے پوچھتی ہوئی اس کے پاس
 چلی آئی۔ کیا ہوا عروش زیادہ لگتی وہ دونوں بھی گھر
 مندی سے اس کو دیکھنے لگیں۔ میں کب سے پوچھ رہا
 ہوں شہر بتا رہی نہیں رہیں۔ عروش کے شرت سے
 رونے کی وجہ ان تینوں کو بچھا آگئی تھی بمشکل اپنی پٹلی کو
 ضبط کرتی وہ تینوں اس کو سہارا دے کر اٹھانے لگیں
 رات تک وہ اس کا ریکارڈ لگتی رہیں۔ رات شباب
 بھی اس کے کمرے میں چلا آیا سن کن تو اسے کھلی
 گئی تھی اب کیا ہے تمہارا ہیرود۔ گھر مندی سے اس کا
 ہیر دیکھنے لگا۔ ہیر سے زیادہ ہیر اول ٹوٹا ہے وہ بچوں
 کی طرح منہ بسور کے بولی۔ اس کی اس بات پر
 شباب لوں پر ہیکلی کی مسکان لا کر مسکرایا۔ کیا ہوا
 شباب کچھ کچھ چپ ہے۔ نہیں سکتی ہے چلو میں
 چلا ہوں۔ تینڈ آ رہی یہ تم خیال رکھو اپنا۔ اپنا کھد
 کھڑا ہوتا ہوا کھرے سے نکل گیا اس کے رویے پر
 عروش حیرت زدہ رہ گئی۔ شباب کو کیا ہو گیا آج وہ اس
 کے انداز پر سوچنے لگی۔
 آج سب سے ہی سب پکچ پر قادم پاؤں
 آئے ہوئے تھے۔ اب سب کتا اچھا لگ رہا ہے
 ناں۔ لان میں کرسی پر بیٹھی تائین ماں سے بولیں۔

ہاں بہت اچھا لگ رہا ہے اللہ میرے گھر کو ہمیشہ آباد
 رکھے۔ جنت بیگم محبت سے کرکٹ کھیلنے بچوں کو ہنستا
 مسکراتا دیکھتے ہوئیں۔ کاش محمود اور ادھر میری بہو
 آج زندہ ہوتی جنت بیگم آتے آنکھوں سے بولیں۔ کوئی
 آج صوفی یا زاویار ہوتا جنت بیگم کی آنکھیں ان کی یاد
 کر کے کم ہو جاتیں۔ ان کو دیکھ کر اپنے بھی افسردہ ہو
 جاتے تھے۔ ہاں اماں کا اپنا سیاہ ہوتا وہ بھی ہمارے
 ساتھ ہوتے تائین بھائیوں "بھائیوں کو یاد کر کے اپنی
 آنکھوں میں آنسو آتے آنسوؤں کو دیکھتے ہوئے بولیں
 آپ کے ہاتھ کے کھانے بہت لذیذ ہوتے ہیں
 خاندان میں جائے بناتی صوفی کو دیکھ کر اس کے
 پاس چلا آیا۔ خاد کی کھلی کو بھی داد دے قادم پاؤں
 پر چلے گا کتا پر کسی کام کی وجہ نہ چل سکے۔ شباب کے
 بہت اصرار پر فاختہ آنے پر راضی ہوا تھا۔ مجھے آپ
 کے ہاتھ کے ہار مجھے بہت پسند ہیں بہت ذائقہ
 ہے آپ کے ہاتھوں میں۔ صوفی اس کی تعریف پر
 مسکرایا اور پرانی کتا جو سب اس کی تعریف پر
 صوفی کے بولوں کی مسکان پہلے سے اٹکی پڑی اور دنیا
 تو آپ ایسا لذیذ بناتی ہیں۔ میں اب کی بات اس
 کے بولوں کی مسکراہٹ بالکل معدوم ہو گئی۔ بات میں
 ذرا اب کس میں ابھی کی ہو یا میرے ہاتھ کے بنے
 کھانے ایسا کریں کسی باور میں سے کریں شادی۔
 وہ ناراضگی سے فاختہ انداز میں بولی۔ اُسے میں
 نے تو سنا تھا آپ کو کھانے پکانے کا اور اپنے کھانوں
 کی تعریف سننے کا شوق ہے۔ ہاں شوق ہے۔ یہ پ
 تھوڑی کس آپ کھانے کی کریں جائیں تعریف
 میری بھی تو کریں۔ درہر بھاگ کر شہر سے آئے ہوئے
 آپ تو پہلی ہی ملاقات میں دل میں گھر گئی تھیں
 جی۔ خاد کے شوق سے بولنے پر صوفی دونوں
 ہاتھوں میں منہ چپا کر بری طرح شرما گئی۔ دیکھ کچھ
 اس کو بھی جتنی پسماندگی برس رہی ہے۔ اس کو اس

طرح شرابدار کچھ تائین سرکشی کرتی ہوئی ان دونوں سے بولی۔ وہ تینوں چھپ کر گھوڑی کے اندر لیگیں میں خادار اور صوفی نکالا پھر چھوڑا مین ملاحظہ کر رہے تھے۔ ہاں دادو کے سامنے کسی سرہن پرتی سے دل چاہ رہا ہے وادو کو ہلا کر دکھاؤں ان کی لاڈلی کی اور ادا بیکنگ۔ عروش جلتے دل کے پھولے پھوڑے ہوئے بولی اس کے اس طرح سے بولے پر الحیرہ کی ہنسی نکل گئی۔

گھر میں آئے ہوئے اتراز کے پر پوزل نے تائین سکندر کو چکرار کر دکھایا تھا اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ایک ناکہ ہوا کیا اس نے اس کو اتراز کو کال کر کے شام کی رینٹورٹ میں لے کر لاوا تھا۔ اتراز یہ سب کچھ پریشانی سے اتراز کے پر سکون چہرے کو دیکھ کر سوال کر کے گئی وہ دونوں اس وقت رینٹورٹ میں بیٹھے تھے کیا ہے۔

کیا وہ اجماع بن کر جو کس کا سب لینے ہوئے بولا میں تمہارے پر پوزل کی بات کر رہی ہوں وہ اس کو گھور کر بولی۔ ہاں تو کیا غلط ہے۔ اتراز اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کے اس طرح سے دیکھنے پر تائین سکندر پہلی بار گھبرائی نہیں سمجھے کچھ عجیب لگ رہا ہے ہانیکہ پانچا کا کیا سوچے گی کہ فوراً ہی اس کے جاتے ہی میں نے جگہ لے لی۔ کیا میں انتظار میں تھی تم تینوں کو اتراز میں نے بھی ایسا نہیں چاہا۔ میں نے تم دونوں کے لیے بیٹھ بچے دل سے ساتھ رہنے کی دعا کی۔ تم صفائی کو دے رہی ہو تائین سکندر وہ اس کی صفائی دینے پر بولا۔ اور یہ سب مجھے الحیرہ ہوتا چکی ہے جس میں لگ رہا ہے اور کیا نہیں۔ کیا مطلب الحیرہ بتا چکی۔ وہ حیران ہوتے ہوئے بولی۔ اس کی چار دن پہلے میرے پاس کال آئی تھی اس نے مجھے بتایا کہ وہ سب جو آپ برسوں سے دل میں چھپائے

بیٹھی تھیں۔ تائین کو الحیرہ سے اس غدار کی امید نہ تھی یہ تائین بعض اوقات مجھے تیار ہار دے لیگیں نہ کہیں چوڑا کلا تھا ہر میں سوچنا کہ نہیں ہو سکے گا وہ سب نہ ہو جو میں سوچ رہا ہوں۔ تم جس طرح سے میری ہر خوشی مجھ سے وابستہ ہوں کہ یاد رکھی ہو تو میں سوچنا کہ کاش ہانیہ بھی تمہاری طرح یاد رکھا کرے ایک بار ہانیہ نے مجھ سے کہا میں تمہارا کسے لگتا ہے کہ تائین مجھ سے محبت کرتی ہے میں نے اس کا وہم سمجھ کر اتراز کا ہر اس دن کلاس میں جس طرح تم نے مجھ سے آکر پوچھا۔ محبت کیا ہوتی ہے میرے شک کو یقین میں بدل دیا تھا وہ اس کو اس دن کا حال دیتے ہوئے بولا میں پر وہ مجھے نہیں کی اور ہر الحیرہ دیکھ کال نے سب کچھ ثابت کر ڈالا میں نے سوچا چاد بہت سوچا کہ میں اس شخص کو اپنی زندگی میں کیوں نہ شامل کر دوں جو بہت میری قدر کرتا ہے۔ یہاں سے یہ قدر لفظ جو ہے تائین سکندر اس کی اہمیت بہت ہے جو لوگ قدر کرتا جانتے ہیں نہ تو وہ محبت کرتا بھی جانتے ہیں کہتے ہیں قدر نہ کر دو چھن جاتی ہے نعمت پھر چاہے وہ رزق ہو یا محبت اور ہانیہ کو بھی ایک دن ضرور قدر آئے گی کہ اس نے کیا کیا ہے۔ تائین اس کی بات پر بولی۔ میں نے ابھی تھوڑے دن پہلے ہانیہ کو کسی اور لڑکے کے ساتھ دیکھا تھا میری خوشی ہانیہ کی بھی مجھ کی اس لڑکی کے لیے کوئی مشکل نہیں اپنی زندگی میں کسی کو بھی جگہ دینا۔ محبت ہے میں سمجھتی ہوں اس کے ساتھ تھا مجھے اتنا اندازہ ہو ہی نہیں سکا۔ بعض اوقات اتراز کی کوئی بھی عمر گزر جاتی ہے اور کسی کو سمجھنے کے لیے ایک لمحہ بھی کافی ہوتا ہے۔ مجھے نہیں افسوس ہے کہ اس نے مجھے جس طرح دودھ میں سے عسلی کی طرح نکالا۔ انسان اگر جانوروں کی پالتا ہے تو اس کو چھوڑے ہوئے بھی تکلیف ہوتی ہے اگر اس جانور کو لیگیں چھوڑ دیں تو

ہلت کر ضرور پوچھتا ہے کہ اب تم ٹھیک تو ہو میرے بغیر رہنے کے ہو گئے گا دی۔ اتراز پر غم لینے لگیں بولا۔ اتراز حلی بہت سے لوگ جانور پالتو تھے لیکن پر وہ یہ ثابت بھی کر دیتے ہیں کہ ان میں انسانوں والی انسانیت بھی تھی وہ اس پالتو جانور سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔ ہاں یہ سب شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ نے مجھے پہلی ہی اصلیت سے واقف کر دیا تم میری بہت اچھی دوست ہو تالی اور ایسے وقت میں جب انسان ٹوٹ کے ٹھہرا ہوا اور اس کو سنبھالنے کے لیے جو ہاتھ آگے بڑھتا ہے جو آپ کے دکھ میں دھکی ہوا ہے ان کی قدر کرتی جائے اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں اور قدر بھی کیونکہ عزت اور قدر سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ اتراز مجھ سے تائین کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کے اس خوبصورت اقرار پر تائین سکندر سرکائی۔

انا کہ جانہ بہت خوبصورت لگ رہا ہے پر اب ایسا بھی نہیں کہ بندے کو اپنے ارد گرد کا ہوش ہی نہ رہے۔ عروش چھت پر کھڑے شجاع کو چا کر کھانا دیکھ کر اس کے پاس پہنچی آئی۔ کیا بات ہے شجاع میں بہت دنوں سے ٹوٹ کر رہی ہوں تم بہت بدل گئے تھے اب پہلی کی طرح بات کرتے ہو ناہ وہ انداز ہر ہے تیرا ہر عروش اولڑکے کر نے کی۔ تمہارا دم ہے بس آفس کا کام نہ زیادہ ہو گیا ہے آج تک تو میں مصروفیت بڑھ گئی ہے اور اچھا آفس کا کام خیر میرے لیے ہی زیادہ ہوا ہے اور مجھ کو دیکھ کر میری عزت بڑھی ہے باقی سب کے لیے تو ویسے کے دیے ہو تم بس مجھے اٹھو کر رہے ہو اور اب تو دادو تمہارے لیے لڑکی جو نہ رہی میں تمہاری شادی ہو جائے گی تو تم بالکل دل چاہو گے شجاع واقعی تم اب وہ نہیں رہے عروش فرد کی سے منہ جھکا گئی۔ تم سے کس نے کہا میں ناد کی بعد بدل جانوں گا دیا ہی رہوں گا آخرو

ہم نے کل تمہارا ہیر دیکھی تو در فانت کرنا ہے۔ شجاع ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ لاکر بولا کراس مسکراہٹ میں اس کی آنکھوں سے ساتھ نہ دیا۔ مجھے نہیں ڈھونڈنا کوئی ہیر دروغ کر بس عروش ایک دم روتے ہوئے بولی۔ وہ اس کے اس طرح روتے ہوئے ہونٹوں کی طرح اس کو دیکھ لگتا ہے کہ میری ہیر وہ نہیں جانتی ہیں کیوں روتی ہوں پر میں اپنا اچھا دوست میں کھنکھناتا چلتی جب سے دادو نے تمہاری شادی کا ذکر چھیڑا ہے جب سے پتہ نہیں کیوں لگ رہا ہے کہ میں کچھ کھوئے دالی ہوں۔ مجھے ابھی تک نہیں سمجھی اسے جذبات کی خبر نہیں ہے چاہتی تھی کہ کوئی خوشی کوئی غم ہو یا کچھ بھی جو شجاع کو بتائے بغیر گزرا کہ نہیں۔ وہ مسکرایا لینے ہوئے بولی۔ روتی ہوئی عروش اس کی وقت شجاع کے چہرے پر پڑے عروش کی رنگ دیکھ کر دھوکہ دے جاتی وہ اس کا ہاتھ پکڑے وہیں چھت پر آتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ پتا ہے عروش یہ جو محبت ہوتی ہے نہ وہ محبوب کی خوشی میں خوش ہونا سکھائی ہے اور اب چاہے محبوب کی خوشی چاہے کسی اور میں ہو میں سوچتا تھا کہ محبت میں کرتا ہوں عروش سکندر تو میں کیوں اسے مجبور کر دوں کہ تم بھی مجھ سے ایسی ہی محبت کرو میں شاید ہی نہ جانتا تھا کہ جہیں کہ میں تم سے کس شرف سے محبت کرتا ہوں پر یہ میری محبت کی شدت ہی تو تھی کہ اس نے تمہارے دل و دھبہ دیکھ دی۔ وہ حیرت سے آنکھیں میچاڑے شجاع کو دیکھ کر ہنسی گئی۔ ہاں یہ تمہاری محبت کی شدت ہی تو تھی کہ ہر اچھا لڑکا مجھے بہن بنالینا تھا وہ انداز کہ بولی اس کی بات وہ قہر لگا کر نفس دیا۔ اتراز پر پکڑتے چاند کی روشنی بھی ان دونوں کے ملن پر مسکرا دی۔

یہ مجھے چہین کیوں نہیں پڑتا ایک ہی شخص تھا جہاں میں کیا

تائین شرارت سے شعر کہتے ہوئے المیرہ کو دیکھنے لگی جو بے چینی سے ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی اسکی جانب بڑھتے میں پورا آدھا گھنٹہ سے بیٹھ جاؤ آرام سے کیا بیٹھری سے میں تو بس ایسے ہی المیرہ دھجھکتے ہوئے ہوئی۔ المیرہ دیکھتے زاواریا بھائی سے بہت محبت ہوگئی ہے تا تا میں اس کے جھپٹکتے چہرے کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔ بہت زیادہ باتیں چاہا کہ کس طرح وہ المیرہ مراد کی زندگی میں اس کی باتوں میں عداوت میں شامل ہوئے۔ وہ تائین کے پاس دین بیٹہ پر چھٹی محبت سے ہوئی۔ میں کہاں اپنے آپ میں تم رہنے والی سی ایک لڑکی اپنے ارد گرد ایک مضبوط حصار قائم کی ہوئی اور کیسے زاواریا نے اس حصار کو توڑ کے میرے دل کے دروازوں کو توڑ کر پرے مڑے سے اس پر برا جمان ہو گئے۔ محبت ہوئی ہی اسکی ہے یہ پوچھتی نہیں ہے میرے نزدیک ہے بڑی غیر قانونی چیز سے اجازت بھی نہیں لی اور آکر ٹھٹھ سے آپ کے جسم کے سب سے اہم حصے جسے آپ دل کیسے ہیں پر قبضہ جانتی ہے تائین مسکرا کر بولی جاؤ بارہ بج گئے۔ تائین کی بات پر وہ گھٹ اور کارا تھا کہ کھٹکی کی سنو میٹ آف لگ دو تائین کے کہنے پر چڑھتے دل کے ساتھ زاواریا کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ کاہنتے ہاتھوں سے اس کا دروازہ ٹاک کرنے لگی تھی زاواریا کے دروازہ دھوئے پر وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر اسے ساگر و مہارک کہنے ہوئے اس کی جانب گھٹ اور کاؤ کا پڑھا دیا جسے خوشدلی سے وہ تھا تا ہوا سے اندر آئے کا اشارہ کر کے کمرے میں رکے صوفے پر بیٹھ کر گھٹ دیکھنے لگا وہ بھی وہیں بیٹھ پرک گئی۔ اب وہ کاؤ پر کھٹے شعر کو پڑھنے لگا داستانِ فتنہ ہونے والی ہے تم میری آخری محبت ہو اس شعر میں ہی بہت کچھ تھا۔ یہ کیا ہے وہ

شعر پڑھتے ہوئے المیرہ کو دیکھنے لگا المیرہ اپنے کاہنتے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں بیوست کر کے ہوئے زاواریا کے چہرے کو دیکھنے لگی جہاں سرف سنجیری تھی اور کچھ بھی نہیں۔ اتنا آگے کیوں بڑھی المیرہ مراد اس کے سوال پر وہ آنکھوں میں حیرت لیے اسے دیکھنے لگی۔ ٹھیک ہے مجھے آپ ابھی کچھ مفردی پر یہ مطلب ٹھوڑی ہے کہ آپ سے محبت ہوگئی تھی۔ زاواریا کی اس بات پر المیرہ دھندلے سی کیفیت میں بھی زاواریا کے کہنے پہنچے کہ میں نے ساری فطرتی میری ہے وہ دھجھکتے ہوئے کہہ کر اس کے کمرے سے نکل گئی۔ تائین جو بے چینی سے اس کے انتظار میں تھی اس کو اس طرح سے کمرے میں آنا دیکھ کر دھک سے باہر آگئی۔ المیرہ و کیا ہوا کیا بات ہوئی ہے زاواریا بھائی سے۔ تائین اس کا ہاتھ پکڑ کے بے مہربانی سے پوچھنے لگی وہ درجین زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ المیرہ وہ ناہیلز۔ اس کے پوچھنے پر وہ اسے ساری بات بتا کر عجیب طریقے سے ہنس دی۔ پر المیرہ دزاواریا بھائی کو تو انداز باتیں سب خراجِ کھج کر اعلان کر رہا تھا کہ انہیں المیرہ مراد سے محبت ہے۔ تائین کا بھی میں نہیں چل رہا تھا کہ جا کر زاواریا جمال کا منہ توڑ دے نہیں۔ تائین سکندر شاہیہ پر مہر کی فطرت سے ہر مفرد چیز پر پکٹے کی اس کو میں اپنے آپ میں کچھ بھی نہیں کہتی اس نے سوچا ہوا کہ چوس کی پرکھوں زندگی میں، میں محبت کا پتھر مار کر اس کا حصار توڑتا ہوں وہ مرد ہے اس پر سب جا تے رہے وہ سب کچھ کرے بھی بہت مزے سے بڑھتا ہے کہ میں نے تو کچھ نہیں کیا ام اس سارے عمل میں اگر کوئی مرتا ہے کسی کی روح زخمی ہوتی ہے تو وہ عورت کی ہوتی ہے۔ المیرہ اس سے کچھ گف کر پھوٹ کر روئی۔ تائین بھی بچنے کے اس طرح سے روئے پر روئے گی۔

پورے ایک ہفتے بعد جنت ہاؤس میں ان کی تینوں پوتیوں اور پوتے کی منگنی تھی۔ دادر کی خوشی دیکھنے والی تھی۔ بس شریہ میری المیرہ وہ مکی اللہ اس کے لیے مکی بہت اچھا کرے۔ جنت بیگم بیٹہ پر نہیں زیادہ دھجھکتی ہوئی تائین سے مخاطب ہوئیں۔ ماں المیرہ مجھے بہت پسند ہے اور میں اسے اپنے زاواریا کے لیے چاہتی ہوں اور خود زاواریا نے مجھ سے کہا ہے۔ میری تو بڑی خواہش تھی کہ اپنے ہر حرم بھائی کی کوئی بیٹی لوں پر رہے کہ کچھ کر چپ ہو جائی تھی میں کل رات زاواریا نے مجھ سے خود بولا تو میں ان کو کہتا ہے ہوئے ہوئیں۔ ان کی بات پر تائین بیگم بھی بے انتہا خوش ہوئیں۔ کمرے میں داخل ہوئی تائین ان دونوں کے مابین ہوئی گفتگوں کر لے پڑاؤں المیرہ کے پاس دوڑی اور اسے آکر بتانے لگی ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا اب الماری ٹھیک کرتی المیرہ بے خودی سے بولی۔ پر المیرہ دزاواریا بھائی نے خود آجرا نام لیا ہے وہ میں نہیں جانتی کہ انہوں نے میرا نام کیوں میری میری طرف سے نکالے بلکہ یہ بات میں خود زاواریا صاحب کو بتائی ہوں۔ وہ کمرے سے باہر نکل کر لان میں چلی آئی جہاں زاواریا بیٹھا تھا۔ زاواریا صاحب نے کیا شوش پھوڑا ہے آپ نے۔ وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی ہے پوچھنے لگی وہ جو کجی پر بیٹھا جائے گی پر اچھا تھا اسے دیکھ کر مسکرایا۔ کیوں شادی کرنا کچھ غلط ہے وہ دھجھکتے ہوئے پوچھنے لگی آپ مجھے کیا ہیں خود کو جب دل چاہے گا نہ ہوئیں سے جب دل چاہے گا ہاں میں انسان ہوں بیٹی جانتی کوئی گھٹا نہیں۔ آپ کا دل نہیں بھرا کیا میرے جذبات سے ٹھیک کر جو آپ کو یہ نیا پلان سوچا۔ مسئلہ کیا ہے آپ مردوں کے ساتھ آپ مجھے ہیں کہ محبت عورت کی مجبوری ہے جب چاہیں گے

انہیوں پر نیا سچے گے وہ دہری طرح سے چپختے ہوئے بولی۔ یا انداز المیرہ مراد کا نہ تھا اس طرح سے چپختے پر اس کو لگ رہا تھا اس کی برداشت جواب دے گی ہے۔ میں جانتا ہوں میں نے بہت غلط کیا میں دن گھیا۔ مراد کی اما کو بڑی تکلیف تھی جب کوئی عورت اس سے محبت کا اعتراف کرے۔ میں بھی اس وقت مجھ ایسا ہی محسوس کر رہا تھا پر میں اس وقت حیران ہو گیا جب آپ بہت آرام سے کہہ کر ہاں ساری فطرتی میری ہے کھل میں نہ آپ جاہل لڑکیوں کی طرح مجھ پر چڑھتی چلائیں نہ کوئی طعنہ۔ آپ کی اس وقت کی جو خاموشی تھی وہ مجھے بے چین کر گئی کہ ہاں اگر کوئی کچھ سے اعتراف کر رہا ہے اپنی محبت کا تو میں کہہ رہا ہے کہ اسے یہاں لانے میں میرا کچھ ہے۔ میرا المیرہ وہ نہیں تھا کہ میں ذرا صحت سے اس کو بھلا دیتا اور نہ ہی میں کوئی بڑول مراد تھا کہ جو دقت پڑنے پر ساتھ چھوڑ دیتا۔ میں نے بولا اس وقت ایسا صرف اس لیے کہ میں سنا جا رہا تھا کہ آپ کیا بولیں گی پر آپ تو محبت کے معاملے میں بھی بڑا درست نکلیں چپ چاہتے محبت سے دستبردار ہو چلی آئیں اگر اس وقت میں غیر کو سلا دیتا نہ تو ساری عمر کے لیے یہ ضمیر مجھے نہ سوئے دیتا معاف کرنے والا ہوتا رہا ہے المیرہ مراد اور وہ دیکھو کوئی اتنی بھی دور نہیں ہوئی کہ وقت باگھ سے نکل گیا ہو۔ زاواریا کی بات پر المیرہ دفاؤنی سے ہلکتی گئی۔ وہ گھٹتے خود وہ سارے جانا دیکھتا رہا ہے لگا شایاں اسے واقعی میری کردی۔

☆.....☆

تائین اعزاز کے ساتھ مال میں شاہک کر رہی تھی وہ شاہک کے اداوت پناہگر حریف زیادہ کر رہی تھی جس پر وہ مستقل اس سے ڈانٹ کھاتی تھی۔ تائین اعزاز اپنے پیچھے سے آئی پکار پر وہ دونوں رک

کر آواز کی سمت دیکھنے لگے۔ وہ ہانیہ بھی مسکرا کر
دوڑوں کے پاس چلی آئی۔ کہنے ہو تم دونوں۔ کسے آ
ہوا۔ اور دونوں کو دیکھتے ہوئے سوال کرنے لگی۔
پاؤں وہ کسی شاہک کے سلسلے میں آئے تھے تاہیں کچھ
مجھکتے ہوئے ہوئی وہ اسٹکی کی شاہک بنیں تھیں
ری کی اس ارازا بھی تم سے کچھ بات کرنی ہے کیا تم
کہیں بیٹھ سکتے ہو۔ ہانیہ کے کہنے پر وہ تینوں نوڈ
کورٹ میں چلے آئے۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتی
ہوں۔ ہانیہ کے سر جھکا کر بولنے پر ارازا شدید
اشتعال میں آ گیا۔ تاہیں عجب کی کیفیت میں مبتلا
مگنی۔ وہ جس کو تم نے میرے ساتھ دیکھا تھا وہ
میرے ذیل کے دوست کا بیٹا ہے اہر سے آیا ہوا تھا۔
میری اس سے کافی ناچھی دوستی ہوئی مجھے کھلے لگا
وہ اچھا لائق باطن میں سکا ہے پر میری آواز پر روشن
بہت غلط مگنی اس میں وہ چوہاں نہیں میں جو تم میں
ہیں وہ اس کو سکر کر دیکھتے ہوئے ہوئی۔ اودو تم اس
کو آواز پر روشن میں رکھو گے ہوئے تھیں ارازا کے سوال
پر وہ سر ہلانے کی جگہ سے ہانیہ تم جیسوں کے لیے ایک
بات فٹ بیٹھتی ہے کہ کہ جو درد سکتے ہیں وہ فقیر ہوتے
ہیں اوسے تم کو کسی ایک دور کی ہوئی تھیں۔ ارازا کے
لے میں ہوتی تجارت کو کھوس کر ہانیہ نے پتلی سے
اسے دیکھ کر دی تھی۔ ایک بات یاد رکھنا ہانیہ کبھی کسی
کے منہ پر درد و زمت بند کرنا اس کی جواز تے ہوئی
ہے تاں وہ بڑی بری ہوتی ہے میں بھی آتا تھا اپنی
فراڈ لے کر تہارے درد و زماں سے ہر سب کچھ اختیار
میں تہارے ہوتے ہوئے بھی تم نے خواہے با ہانوں
جھ سے درد و زماں دیکھ کر کیا کہنا ارازا میں تہارے
قابل نہیں ہوں کہ تم اپنی فراڈ لے کر میرے درد و زماں
سے کبھی بھی آؤ اور ایک بات اور جو لوگ دوسروں کو
آواز پر روشن میں رکھتے ہیں تا وہ خود تہارہ جاتے ہیں
کیونکہ کوئی انسان پر قیاس نہیں ہوتا۔ میرے پاس

مشہور ماہر نفسیات و مکمل گھومنے کا کہنا ہے کسی انسان کے لیے یہ کافی نہیں کہ اس کی اپنی شخصیت ایسی ہو کہ وہ دین اور
جذبات کا بہترین استعمال کر سکے حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں صلاحیتیں بہت کم لوگوں میں یکجا ہوتی ہیں۔ ایسے لوگ
جذبات اور جذبات پر ایک وقت کا پورا پورا دھیان رکھتے ہیں کامیاب ہوتے ہیں خوش رہنے کا راز جانتے
ہیں اور ساتھ ساتھ معاشرتی رویوں پر خوشگوار اثرات مرتب کرتے ہیں۔ (خوشنما اقبال نگرانی)

کی گھبراہٹ اور فزائی دار پاجامے میں مغلیہ
دور کی شادی لگ رہی تھی بلکہ ڈسروسٹ میں بیٹھا
زادیا بائیر کے کان میں سر کوئی کرتے ہوئے بولا تم
نے مجھے معاف کر دیا۔ جی کر دیا کیا کر میں میں بھی
مجبور تھی دل کے ہاتھوں المیہ کے شرارت سے کہنے
پر زادیا مطمئن ہو کر سس دیا۔ پر ہل کر کے گاؤں
میں جس پر ہلکا سا کام ہوا تھا اپنے لیے لوگوں کو
اس کے ذیلی عام دونوں سے ہٹ کر تیار ہوئی موزین
برابر کے سوٹ میں بیٹوں خادو کی گناہوں کا مرکز
بنی ہوئی تھی کسی مشکل ہے تم تک کہ نہیں جانتی سٹین
سفید قیاس شلوار پر سبز کوئی میں بیٹوں ارازا ہتی سٹین
تاہیں کوڈہتے ہوئے بولا تم کو کیا میری مرضی جواب اس
کو کھو کر دیکھ کر بول دو تاہیں کوڈہتے ہوئے دیکھنے لگا
جو گوری رنگ کی چھوٹی سی بیٹیں اور تھیر دار شرارے
میں ڈانگ کی گزیا لگ رہی تھی۔ یہ عرض کیا تاک
جھاگ میں لگی ہے کھانے کے وقت وہ آج سے اتر
کر اپنے دوستوں کے پاس چلے آئے تھے خلیج اور
زادیا پر کواھر اور کھیتی عرش کو دیکھ کر زادیا رانچ کی
طرف دیکھا ہوا خلیج سے بولا۔ رائٹر سے بھی اور
رائٹر میں بیٹھ سے درد یافت کرنے کے جراثیم موجود
ہوئے تھے خلیج شرارت سے آکھ مار کر بولا۔ بیٹا
ب دھواں رکھنا کہیں نہ نہ ہو کہ آج پر بیٹھے بیٹھے
تھر سکوئی ہیرو درد یافت کر لیں۔ زادیا کی بات پر
نہجہ لگا کر سس دیاتم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو۔ چلو
آج پر چل کر بیٹھو جانیہ دونوں کے پاس آ کر مجھ
سے بولیں۔ آج تو آپ لوگ سس سے زیادہ ہی ہوتی
ن لگ رہے ہیں۔ شاد آج پر کھڑی سب کو دیکھتے

ہوئے خوشی سے بولی۔ ہوئی لیں نہیں شاد ہوئی دل۔
زادیا پر ہتے ہوئے بولا۔ ہاں ہاں ہی نہیں شادی کی بھی
تیار ہی آج دیکھنے والی تھی۔ اماں شادی کی انگریزی
آئی اچھی ہے اس کو انٹیل پالیٹ میں کام کرنا چاہیے
جنت دیکھ کا کچھ چکر کے کراچ پر آئی تانیہ ہتے ہوئے
بولیں۔ ان کی اس بات پر شادی کی گردن فخر سے تن
مگنی۔ ہاں اس کجبت کو دوسری لے سکتے ہیں۔ ہر وقت
بندوں کی طرح دردشوں پر چڑھی رہے گی۔ وادو کی
اس بات پر رانچ پر موجود سب نے مشترکہ تہقید لگایا۔
جنت دیکھتے جنت سے اپنے بچوں کے ہتے مسکراتے
چہروں کو دیکھتے تھیں ان کو کواہر آخرت میں بھی مرفو
ہو جائیں گی۔ اپنے بیٹوں بہوؤں کے سامنے کہ
انہوں نے ان کی اولادوں کو مصروف اچھی پرورش کی
بلکہ ان کو اچھے ہاتھوں میں بولا۔

جنت ہاؤس کے کھینوں کے سکون میں ایک
راز چھپا ہوا ہے اور وہ راز یہ ہے کہ یہاں کے کھین
بیار کے بول بولے ہیں۔ ان میں لوگوں کو معاف
کرنے کی اپنی مفت پائی جاتی ہے اور لوگوں کے
بیار کی قدر کرنا بھی جانتے ہیں لوگ۔ جس جنت
ہاؤس کے پرکھن کے پاس ایک میڈیسن ہے اور وہ
ہے بیار کے بول۔ یہ لوگ کم طرف لوگوں کو بھی اپنے
اپنی طرف کے مطابق بیار کے بول سے نوازتے
ہیں کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ بیار کے بول بولے والوں
پر اللہ بہتے ہیں یہاں سے بھی اس بیار کے بول کی
میڈیسن ہے ہر شخص کو دیتے ہیں اور ان کا چنا گھر
خوشیوں اور بیار سے ہمک ہا ہے۔ زندگی میں جنت
خلو میں ہوتو ہر گھر جنت ہاؤس میں جانتے ہیں۔ ☆

بیٹھا کرتے درمیان والا کر فرما دینی صاحب کا تھا جو کے خاموس میں اکثر ہوتے تھے (جعفر بھائی یہ لوگ بیٹھا



زندگی کا سفر یقیناً بہت اعصاب شکن عمل ہے کہ اس میں بے شمار لوگ
بچھڑ جاتے ہیں، بکڑ جاتے ہیں بدل جاتے ہیں مگر بس یہ اطمینان ہوتا ہے
آخری پڑاؤ منزل پر ہی ہوگا۔ تین لسوں پر محیط سفر کی دلچسپ داستان جو
آپ کو شیرہ اور درد شیرہ والوں سے جوڑے رکھے گی

.....

دو شیرہ کا خراب طابق ردو سے شفت ہو کر آدم مرحوم سلیم ناصر صاحب (آئین صبر والے) آفس میں
آرکیڈ بہادر آباد آچکا تھا..... دفتر کے ہر کوئے کی سجاوٹ بطور پردہ موجود تھے لہذا طے یہ ہوا کہ پہلا کرہ طابق عزیز



فرنجی کا انتخاب ای کا کر کوں سا ہوگا اب وہاں نہیں گئے صاحب اور اس کے سامنے والا ای کا ہوگا جو بعد میں میرا
اس زمانے میں طابق عزیز صاحب نیلام کر والے لار کرہ بیان... اور اور سلیم ناصر صاحب آخری کرے میں

لم ڈی لی لی دی کی رہے۔ مجھے اپنا دفتر بہت پسند تھا۔ کرتے سب سے زیادہ رشتہ اور ہلاکا اسی کرے میں ہوتا
ہاں میں مارکیٹنگ والے بیٹھا کرتے تھے جن میں ریاض تھا ایک بار فریڈ نوڈ بلوچ مرحوم (راش اور مار نوڈ کے



رذا صاحب پروین شروانی صاحبہ انجیل صاحبہ (جیجا والدہ) آئے تو ابوں کو بڑی خوشی سے سب سے ملوا

روہ گئے۔ پورسک کی ٹہن ساری میں سوتیل کی ملا پئے ڈیپارٹسٹ خوب بھل بھول رہا تھا دوشیزہ کے نقش میں



جسٹس غزل اور طارق بٹ انور محمود صاحب کا انٹرویو لیتے ہوئے

جب پروین آئی آفس میں قدم رکھ کر ہر جانب نیچے کھنکھناتی مبراہ ہوئی علی احمد اور اطہر ادا لے اپنے کورے روشنی کی روشنی ہوئی۔ لیوں پر سرخ لالی اور سیاہ تراشیدہ پورے تھان نی بندھ دیا کرتے فلیپس ٹھان مصلے



جسٹس غزل اور بیٹھنے کے باہمی صاحب کے ساتھ

زلفوں کو سنبھالتی دو راہی میں لہر کنگ ہیڈ میس۔ اُن کا ڈان پر پائی آئی اے میگل چیک اور دھڑ ہے تیار

رہے تھے جب اسی سے تفراف کا موقع آیا تو ابورے اسی سے پوچھا۔ "دشنام بتاؤ کون ہیں؟" (دیکھئے ایوکی یہ بات ہمیشہ بڑی پریشان کرتی تھی بعض اوقات آپ کے ذہن میں اس شخص کا نام نہیں آتا اور بڑی شرمندگی ہوتی ہے) بہر حال ای کی خود اعتمادی پر تو کتا نہیں جاسکتی کسی فوراً لوگوں میں ہاں سپام انہیں کون نہیں جانتا یہ تار چسکاں ہیں یہ سن کر ابورے جو شرمندہ ہوئے سوئے فریہ کو از بلوچ مرحوم بہت گڑبڑائے اصل میں تار چسکاں سندھ کا بہت بدنام ڈاکو تھا۔ سن 83 میں گجگ کیا بایاں کا اجڑا ہوا اور اس کے بعد چند برس بعد شوہر کی سبڈنگل وراکتی اور بچوں کا سالانہ شوہر جس کی وجہ سے ہر وقت خضر کی ہی



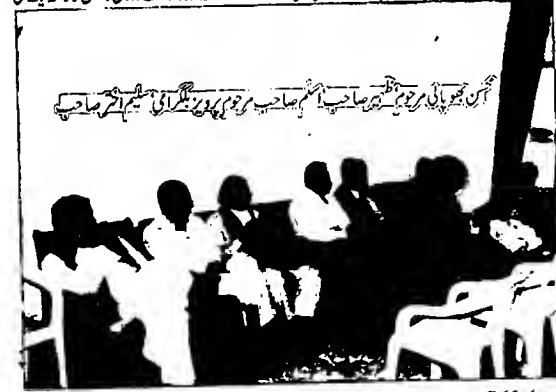
جسٹس غزل اور بیٹھنے کے باہمی صاحب کے ساتھ

اور کم سے جڑے لوگوں کی آمد رفت رہتی تھی۔ ابورے فیصلہ کیا کہ بچوں کے رسالے پر اپنی کلاں میں فرسٹ آنے والے بچے کی تصویر اپنی بڑی شخصیات کے ساتھ ہوگی تو ایک طرف خضر میں مشہور شخصیات کے انٹرویوز ہورے ہوئے اور دوسری جانب پھولے چھوٹے ڈیزائن اپنے اپنی رپورٹ کارڈ کے ساتھ مختصر ہونے کے کب اُن کا انٹرویو لیا جائے۔ اب احساس ہوتا ہے کہ ابوصرف

وہمت اللہ مراد قریشی صاحب مجالس اسلامی مرحوم موجود سوہیا کے بعد شام کا اخبار انجم بھی پوری جگہ رنج کے ساتھ



ہوئے اب وہاں ایک افرا تفری کا عالم تھا۔ اخبار کا عملہ سحر عام ہوا کیا تھا۔ روزنامے اور ڈائجسٹ دونوں کا تعلق حالانکہ ایک ہی



میدان کو دیکھ کر لگتا جیسے رفیعہ فنڈوں میں پھنس گئی ہے۔ میڈم سے ہے جس کو پرنٹ میڈیا کہتے ہیں مگر مزاجوں

ایشیاری کہیں کی معصومات تحفوں میں دی جا رہی ہوتی... اب کو ارادہ تھا کہ جلد وہ اپنے بہترین نگار کو گاڑی تھے میں دیں گے... وہ گاڑی نہیں جو آج کل مختلف گیم ٹائمر میں دی جاتی ہے بلکہ اصل گاڑی مختلف کہیں سے بات چیت چل رہی تھی کہ اچانک ایک دن خیا راجن مرحوم کے پرنس بکری کی جناب صدیق سالک مرحوم کا فون آیا کہ مرزا صاحب آپ اور تیمم صاحبہ فوراً اسلام آباد پہنچیں کچھ گرم کپڑے رکھ لیں شاید صدر صاحب کے ساتھ چھن جانا پڑے۔ پاسپورٹ امرالائے گا کی ابو اسلام آباد چلے گئے۔ خیا راجن صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ اخبار نکالیں... پرنس کے لیے جگہ اور دیگر سہولیات میں فراہم کروں گا



چمن جانے کا ارادہ تھا مگر میں جو نیچر کی حکومت گزارا ہوں لہذا بتائے فوری طور پر اخبار کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہے۔ ابو نے کہا صدر صاحب اپنی ٹیلی پرنٹر کی لائیں نکالو دیں میں اخبار شائع کروں گا بے فکر ہے۔ راتوں رات ٹیلی پرنٹر کی لائیں ڈال دی گئیں۔ دوپہر تک جزیئر آدم آدھ کھیلے میں شائع ہوا دیا گیا۔ خیا راجن صاحب کے بہترین دوست خیا راجن انصاری صاحب نے بطور

وقت وہ بھی آجایب سویرا ایک ہی دن میں دو بار چھینے لگا۔ اشتہارات اور کاغذ کا کوڈیکسل ہو گیا۔ یہ وقت بہت سخت



ابو کی ساری قوتہ اخباروں کی جانب تھی۔ صحت گری ہوئی تھی۔ تمام کاغذوں کی کٹیاں بک گئیں ابونے پیدل دو تیرہ سویت تمام ڈائجسٹ عدم توہمی کا شکار ہونے دفتر جانا شروع کر دیا ہمارے بچپن کے ڈرائیور شیر گل روز



گئے..... پھر حکومت وقت کو سویرا کی کسی خبر پر غصہ آ گیا اور اسی طرح ڈیوٹی پر حاضر ہوتے اور ابو کے پیچھے پیچھے اٹکا

میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ایک بہت ٹھنڈا پانی جاتا ہے اور اخبار میں کیونکہ روزی جی خیر روزگار



دن پرا ناخبر بکڑے پیٹنے پاتے رکھنے کے کام آتا ہے۔ ہوئی ہے اس لیے اس سے وابستہ لوگ عام طور سے کچھ مگر ڈائجسٹ کو پڑھنے والا سالوں ڈائجسٹ کو سینت جلد ہار غصوں ہوتے ہیں۔ خیر آئی گیا وہ شاہکار جس کا تھا



سینت کرو گھٹا ہے۔ لہذا اس میں کام کرنے والوں میں بھی انتظار اخباروں کی تہل میں روز بروز اضافہ ہوا تھا اور ایک

بریف کس لے کر پیدل دفتر کی طرف روانہ ہو جائے۔
 ای اس دوران شاید ڈیریشن کا شکار ہو گئیں پر پے ایک
 ایک کر کے بند ہوتے چلے گئے۔ مگر دوشیزہ اور نجی کہانیاں
 شیریں گل کی طرح وفادار رہے۔ دوست احباب نے
 ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ دفتر جہاں ابو کے پاس کا گھونٹے کے
 لیے وقت نہیں ہوتا تھا اور وہ سارا کام لاکر پوری پوری
 رات جاگ کر کرتے تھے اب وہاں سناٹوں کا راج تھا۔۔۔۔۔
 دانش داخل دوشیزہ اور نجی کہانیاں کو سننے سے لگنے بیٹھے
 تھے۔ اسی دوران اشی شدید بیمار ہو گئیں اور کمرے میں چلی



گئیں۔ یہ دہری پریشانی تھی جس نے ہم سب کے
 اعصاب کھل کر دیے۔ میری عادت تھی میں ابو کے کمر
 آتے ہی ان کے جوئے آتار کرتی تھی بنیادیں دیے میں
 باپاں کی لالائی ہوتی ہیں اور اپنے ہاتھوں سے ان کے کام
 کر کے خوش ہوتی ہیں۔ کچھ عرصے سے وہ مجھے ایسا کرنے
 سے روک رہے تھے ایک دن میں نے خند کر کے ان کے
 راجی دوشیزہ کو روز بروز نگاہ رہی تھیں۔ پردہ بکرا می اور

دانش روزی کی کہانی کیسیں پر امتحان تھے۔ ایک بار میں نے پاس نامہ پیش کیا ابو نے بڑی محنت کر دانی تھی



پرنسپل خورشید اور نجی کی چلنرنگ دفتر میں گھرنے کے
 دوشیزہ اور نجی کہانیاں پورے طعنائے سے ابھی صبح



دکھانے لگے۔۔۔۔۔ 99 میں جب دوشیزہ کا نشانہ ہو جا ب
 انہوں نے پاس نامے میں ایسا کوئی لفظ ہی نہیں لکھا جو حق

عباسی اہل گھر جانے کی بہت کوشش کی مگر بھانجی کی شادی نے موقعہ نہ دیا آج بھی عباسی اہل گھر کے دو محلے یاد ہیں۔

”یار آج بڑی یاد آتی ہے۔“ اور اب مجھے ان کی بہت یاد آتی ہے ہمیں اپنے بیلوں کے لیے ضرورت نکالنا چاہیے اور نہ شاید کچھ ملتا رہا ہے۔

اللہ نے مجھے دو شہزادوں سے نوازا دانیل اور زین
 بیٹے تو وہ میرے تھے مگر قبضہ ابو کا تھا۔ اب اُن کی زندگی کا
 محور صرف یہ دونوں تھے۔ دفتر اور دفتر سے گھر..... اُن کی ہر

ابن فریدہ مسرور اور سونیا دو شیراز کی تین دہائیوں
 میں معروف ہیں اور زندگی سبک خراشی سے آگے بڑھ کر
 مٹی، انسان بھی بڑا عجیب ہے پریشانوں پر شکم جاتا ہے
 ٹوٹ جاتا ہے مگر اچھے دن آنے پر سارے دکھ اور درمچوں
 کو پھر سے کھڑا ہو جاتا ہے نئے دکھوں کو جھیلنے کے
 لیے.....

2001ء میں روح فرسا خبر ہم سب کی سماعتوں پر پہلی
 سن کر گری کہ ابو کو ہیٹ کا کیسز ہو گیا ہے اور بقول ڈاکٹر
 کے زندگی کے صرف چھ ماہ ان کے پاس ہیں۔ شوکت خاقان

[illegible]

اپنے آپ کو موت کی طرف براہ راست کھینچے گا مگر اس نے بھی دیکھ دیکھا دیا ہے وہ دہائے تھے اور سائیں مری ایک بڑی تھیں۔ ابو کے انتقال کے بعد جب پہلے دن آفس کی ٹیپ ان کا کالکا آخری چپک کا کاؤنٹر پر لے سامنے تھا۔ ”میرے کون دفن اور کھانے کے ہے۔“ روز سارا اسٹاف گھر آگیا کوشا کوشت کرنے کے بعد کھانے کی نہیں چھوڑا۔ بڑا اسٹاف ہوتا ہے روز کی کوئلہ، قطرہ، چکھتا دیکھنا۔ روز بچ دفتر آئے وہ دالوں سے ان کی خیریت پوچھتے اب دالوں روز کی دیکھی ہوئی تھی۔ شریگ ان

تیسری نسل زمین ششی اپنی مانو کے ساتھ.....



کہا بہت روز گام تھا وہ آخری دن جب وہ دفتر سے اٹھے سب کو خفا مانا تھا کہ اب کربا خدیجہ کی بیڑیاں چڑھ چکی ہیں۔ نہیں مگر ٹوٹ سنبھالو اب اس آئیں کو۔ یہ سنا مشکل ہوتا ہے جب انسان کو چل جانے کے اب وقت رخصت ہے وہ اب اُن راستوں پر بھی نہیں لوٹ سکے گا۔ جہاں سے روز گزرتا تھا سب سفر بدل چکا جس کے گاموں کی پیاد کی کے دلوں میں مجھے احساس ہوا کہ انسانی ہے شاعرانہ فطرت میں سے ایک نعمت موت کا تانا بے اچھا لگا جاتا ہے انسان آج بھی ان متعصب و فانیوں کو کھو

دوسرا دستار اداوار کے مومن پر ہونے والی امر اسید صاحب (عنف ہیز)

ہاتھ اور ہر صوفی صرف دایہاں زین کے گرد کھینچتی تھی نہ
 میں ابو کے سامنے ان دلوں کو ڈانٹ سکتی تھی نہ کوئی سختی
 کر سکتی تھی۔ استخوان کے کلوں میں ایک دن دایہاں کی
 پٹائی کر دی، اور ڈانٹ انھوں میں اُس لوے کر آئے جس نے
 انھیں اس طرح بھرتے تو اس وقت نہیں دیکھا تھا جب
 جوتوں میں چھب دو گئے تھے۔ جب آپ چائے ہو گئے
 تھے۔ جب صبح شام میں رات کا ہی سطر پڑھتا تھا انہوں
 نے مجھ سے وعدہ لیا کہ میں بچوں کو بھی نہیں ماروں
 گی۔ ”سوری ابو میں نے بہت بار وعدہ خلائی کی اور اب
 تک کرتی ہوں۔“

کی گزرا ہے کروڑھ میں پر موجود رہے ہیں اور انسان چلا جاتا ہے..... اور مجھے اپنے اس سوال کا جواب ہمیشہ ہاں ہی کی صورت ملا انسان تو سب سے کمزور ہے..... مگر مانتا نہیں۔ سوائے انجی مت اور اپنی محبت دلوں میرے اندر اتاری۔ وہ جوتن وہ عشق جو انہیں دوشیزہ اور پھر بچہ کی کہانیاں سے تھا مجھے دے گا..... میں خیرہ سرور اور خالد شیرہ کے ساتھ اس سفر پر نکل کھڑی ہوئی۔ جودہ اور اصرار چھوڑ گئے تھے۔ سلیم نادونی مرحوم ناصر رضا صاحب کا بی چران رفوئانہ پرنس اور پرنس بکری بھی اس سفر کا حصہ بنے رہے۔ دوشیزہ اور بچی کہانیاں تو تادور درست تھے..... مگر دانیال زین بہت معصوم بہت چھوٹے میری زندگی کا تقدیر دوشیزہ کی جھان میں ایللی لولا کو پر دان چڑھا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی جن بچوں کو مارنے پر ابوبکر آجکھوں میں اسوقت مجھے تھے ان کی تربیت میں کوئی کی رو جائے۔ زندگی کا سلا کیلئے ہی کاٹنا ہوتا ہے..... ہر شخص اپنی پیٹھ پر اپنا بوجھ لادے ہوئے ہے۔ میں بھی اپنی ذمہ داریاں پہنی کر رہی ہوں۔ آج ان کا ٹواہ یعنی تیری نسل نے دفتر کی تقریباً ساری ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں..... لوگ کہتے ہیں مرزا صاحب آپ کے تو بیٹے نہیں کون سنبھالے گا یہ سب؟ کیوں کرتے ہیں انہی محنت؟ تب وہ مسکرا کر خاموش ہو جائے مگر ایک نظر مجھ پر ضرور ڈالتے اور مجھے گلا پیسے ان کی آنکھیں کھدیں ہیں سوئی سنبھالنے کی یہ میرا بیٹا ہے۔ ابو میں اعتراف کر لی ہوں ساری زندگی بھائی کی بہت محسوس کی آپ کے جانے کے بعد بہت سال ڈرتی بھی رہی لڑتی بھی رہی ٹوٹ ٹوٹ کر کھڑکی بھی رہی نگراں تھیں..... بیٹیاں کمزور نہیں ہوتیں وہ والدین کے در سے کم سنبھالنے کی اہل ہوتی ہیں۔ نے جو ابو سے سیکھا تھا وہ ان کے شکرے کو لانا دیا ہے۔ دانیال کو کھلی کا شوق چرایا ہے وہ دن بھی میری زندگی کا بہترین دن ہو گا جس دن وہ عدالت میں یہ کرک سنبھالے گا اور ایمان داری سے فیصلہ کرے گا۔ مجھے یقین

☆☆☆☆☆

دوشیزہ ڈائجسٹ میں اشتہار کیوں دیا جائے؟

- ▶..... پاکستان کا یہ واحد رسالہ ہے جس کا گزشتہ چالیس (44) برس سے چار نسلیں مسلسل مطالعہ کر رہی ہیں۔
- ▶..... اس لیے کہ جریدے میں شائع ہونے والے اشتہارات پر قارئین بھرپور اعتماد کرتے ہیں۔
- ▶..... اس میں غیر معیاری اشتہارات شائع نہیں کیے جاتے۔
- ▶..... پوری دنیا میں پھیلے اس کے لاکھوں قارئین متوسط اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو مستند اور معیاری معنوعات کی خریداری کو ترجیح دیتے ہیں۔
- ▶..... اس لیے کہ دوشیزہ ڈائجسٹ کو گھر کا ہر فرد یکساں دلچسپی سے پڑھتا ہے۔
- ▶..... جریدے کے ہر شمارے کو قارئین سنبھال کر رکھتے ہیں۔
- ▶..... اس جریدے کے بڑی تعداد میں مستقل خریدار ہیں جو اندرون اور بیرون ملک پھیلے ہوئے ہیں۔
- ▶..... آپ کی معنوعات کے اشتہار کا کفایت اُن تک پہنچ سکتے ہیں۔
- ▶..... جریدے کی اعلیٰ معیار کی چھاپائی آپ کے اشتہار کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہے۔

شعبہ اشتہارات: دوشیزہ

88-C II ریسٹ فلور، ضیاء بنی ٹکرسٹ، ونس، ڈسٹ انڈسٹری، فلیٹ-7، کراچی

فون نمبر: 35893122 - 021-35893121

واپسی

”چھ ماہ کا تھا جب ظالموں نے اس کو ماں سے جدا کر دیا تھا

لیکن وہ لوٹ آیا، باہر سال اور مذہب بھی رکاوٹ نہ بنا... بینک
وہ خوش نصیب ماں تھی...“

میری بڑی میرے ہزار کہنے پر بھی اتنا مامور

کرا بھی اس کا دقت نہیں آیا ہے لیکن آئے گا، اسے
امید بھی انشاء اللہ امید ہے اور ہمیشہ رہے گی یہ



کہتے ہوئے اس کی آنکھیں عجیب انداز میں جھکنے
لگتی تھیں مجھے اس کی امید سے جھکنے کی آنکھیں ایک
طرح شرمندہ کر دیتی تھیں کیونکہ جب بھی میں نے
اپنے دل کا جائزہ لیا تھا امید کو اتار دین بھی نہیں پایا۔
تم اپنے بیگ میں کیا رکھ رہی ہو؟

میں اسے بیگ میں ایک ختے سے کچھ نہ کچھ
رکتے دیکھ رہا تھا اس کی تیاری عروسی پر تھی لیکن وہ
اپنے اس جوش اور جذبے کو ہر ایک سے چھپا رہی تھی۔
میں اب تک کہنے آپ سے بھی... ایک نوٹ بک
اس کے بیگ کے ساتھ رکھی تھی۔ اس دن مقررہ
تاریخ میں ابھی دو دن باقی تھے... میں نے کام پر
جانے سے پہلے اس کی نوٹ بک کو اٹھا لیا۔ خفیہ
باد پر جی میں میرے لیے کافی بنا رہی تھی۔

میں نے اس کی یاد دہانی کے نکات پر نظر ڈالی
جو کچھ یوں تھی۔ چاکلیٹ دودھ کا ڈبہ خوشبو کی شیشی
تصادف پر ایک بالوں کا برش۔

ہونہ۔... تیاری تو دیکھو جیسے وہ وہاں اسے
لٹے دیں گے۔ مجھے تو ذرا بھی امید نہیں ہے۔ چہ
نہیں وہ وہاں ہے بھی یا نہیں... اللہ کرے جو کچھ ہو
وہ ایسا ہو کہ اس کے اعصاب اسے سہا سکیں۔
مجھے بے تاب آپ کی گرامر مگن کا حاضری ہے
خدیجہ کا جوش و جذبہ اور خوشی چھپانے نہ جانتی
تھی۔

میں نے کئی انکھوں سے اس کو دیکھا اور کافی
کا پیالہ حاکم کر کر کے کے دوا مدد دینے کی طرف رخ
کیا۔ اس درہ دینے کے سامنے کوئی منظر دور تک کھلا نہ
تھا۔ نغمہ اسٹون اور پھر اس کی دیوار... ہمارا ایک
کمرے کا بیٹا سا گھر جس میں ہم کئی مہینوں سے رہ
رہے تھے۔ لیکن اس سے پہلے مقدس شہر القدس کا
مغلہ "مغلہ" ہے "جہاں ہمارا خاندانی گھر تھا۔ جس کے
سامنے کا باغ تو بڑا تھا یہ لیکن پائیاں باغ بھی

ہمارے اس موجودہ گھر کا چار گنا تو ہوگا۔
مجھے دو بچے کے سامنے ہر دنی دیوار پر اپنے
گھر کے سارے منظر نظر آنے لگتے۔ زمینوں کے
درختوں اور سیب کی خوشبو سے مہلکا ہوا ہمارا گھر
داؤد ابدال الدین کی سفید براق داڑھی جو مسلسل ہلتی
رہتی تھی جب وہ آرام کر سی پر بیٹھ کر ہمارے کھیل
سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ چچا بشام جن کی پیشانی
اور کمر کی ناک ان کے مراسم سل سے ہونے کی
گواہی دیتی تھی۔ دادا تو ہم کو بار بار یہی بتاتے تھے
ورنہ ہمیں چچا بشام کی وسیع پیشانی اور کمر کی ناک سے
زیادہ ان کی توپ کی سیبوں اور ان کے نئے نئے
طرح کی کھیلوں کی ایسا پوسے دے چکی تھی۔

دادا بابا، بشام چچا اور نیٹے شام کو تودہ کی
چسکیوں میں اکثر اس بات کی چھوٹی چھوٹی تفصیل
سنایا کرتے تھے جب ان کا خاندان مراسم سے
سلطان صلاح الدین ابوبی کے جھنڈے تلے
مسلمانوں کو مسیحیوں کے ظلم سے نجات دلانے کے
لیے آ کر شامل ہوا۔

یہ جولائی ۱۱۸۷ء کی بات ہے جب سلطان
صلاح الدین ابوبی نے مسیحیوں سے صلیب کی فیصلہ
کن جنگ لڑی اور انہیں شکست فاش سے
دوچار کیا۔ اور اکتوبر ۱۱۸۷ء میں فاتحانہ اسلامی افواج
اپنے امیر کے ساتھ فلسطین میں داخل ہوئیں۔

دادا جان! تو کیا اس سے پہلے فلسطین میں
مسلمان حاکم نہیں تھے۔ میں جبرانی سے پوچھتا
کیوں نہیں تھے میرے بچے مسلمانوں نے تو
حضرت عمرؓ کے دور میں پندرہ ہجری ۶۳۶ء میں ہی
فلسطین فتح کر لیا تھا اور امیر المومنین نے خود پر وہ
آ کر وہاں کے مسیحی بطریق سے شہر کی چابیاں لی
تھیں جو اس نے ایک معاہدے کے بعد خود حضرت
عمرؓ کے حوالے کی تھیں اور خاص بات یہ کہ اس وقت

مسلمانوں نے بغیر کوئی خون بہائے یہ کامیابی حاصل کی تھی۔

حضرت عمرؓ کو وہاں کے لوگوں نے یوں اپنے شہر کی چابیاں دے دی تھیں؟ میں جیرانی سے پوچھتا۔۔۔۔۔

ہاں میری جان یہ سنا کر بطریق نے ہتھیار ڈالنے کی یہ بھی شرط رکھی تھی کہ امیر المومنین خود آکر اس کے ہاتھ سے شہر کی چابیاں لیں۔ اس وقت مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان وہ مشہور معاہدہ ہوا جسے تاریخ میں ”عہد العمرہ“ کہا جاتا ہے۔

یہ کہ بات کا عہد تھا؟
اس سوال کے پوچھنے والے چارہاں تھے۔
دادا بگٹی کی سکرپٹ سے ان کو کہتے اور
سوال کی تہہ میں بیٹھا ہوا مفقود چاہتے۔ مگر میری
طرف دیکھتے ہوئے سوال کا جواب دیتے۔ اس
مجاہد کے کہ روئے مقامی آبادی کو پہلی بار مذہبی
آزادی حاصل ہوئی اور ان کے کلیساؤں کو بھی محفوظ
رہا گیا۔ سلسلوں کے ضمن فلک سے یہاں کی
پوری آبادی جو کھانڈیوں اور کھنڈیوں کے متصل
مقام ہوئی، ان دور میں مقام سرعان پر کنبہ حمری
جیسی خوبصورت عمارت تعمیر کی گئی۔

مقامی آبادی عرب سے آنے والوں کے ساتھ ان کے انصاف اور واداری کے باعث خوب عمل لگتی۔ خوشحالی کا دور شروع ہوا اب مقامی اور غیر مقامی کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ عربی زبان سب کی زبان بن گئی۔

پھر صلاح الدین ایوبی کو یہاں آنے کی کیا ضرورت ہوئی؟؟

بیٹا مسلمانوں کی حکومت جاری تھی لیکن ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں نے القدس پر حملہ کیا اور اس پر تاہض ہو گئے خوب لوٹ مار پائی یہاں تک کہ انسانی خون سے گھوڑوں کی ٹانہیں ڈوبنے لگیں۔

میرے دل میں غمراہت ہوتی۔
ہاں انھیں سی سال تک یہاں مسلمانوں کو تباہ و
برباد کرنے میں مجھ رہے آخر کار انہی کی تلووار میدان
میں آئی جس نے مسلمانوں کو ان کے ظلم سے نجات
دلائی۔ جھٹپن کی فیصلہ کن جنگ میں مسلمانوں نے
صلیوں کو کھیت ہاک گھست سے دوچار کیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے حملہ المغرب پر کیا یہ قطعہ زمین ان مراکشی مجاہدوں کو وقف کرویا تھا جنہوں نے صلیبیوں کے مقابلے میں ان کا ساتھ دیا تھا۔

تو ہم ان امریکی مجاہدوں کے وارث ہیں؟
چچا بشام کہی یہ جوش و زوار آئی۔۔۔
ہاں میرے بچوں ہم ان کے وارث ہیں۔
اور یہ مغلہ مغرب یہ مسلمانوں کی وقف جائیداد ہیں۔
بہرہ دی چال بازی کے ساتھ ان کا تقاضا ہوتا
چاہے ہیں۔ دیکھتے ہوئے کہ انوغشم کی پہاڑی یہودی
کالونی بن رہی ہے۔۔۔۔۔

ہاں بابا یہودیوں کی نیت ٹھیک نہیں نظر
آتی..... مجھے ان کے ہاتھوں سے لہو چھٹکا محسوس ہوتا
ہے۔

ہاں لیکن یہ جگہ ہم خالی نہیں کریں گے۔ ہرگز خالی نہیں کریں گے۔ ہذات یہودیوں کے لیے۔ دادا کی آواز مستحکم اور پر عزم تھی۔

پاپا نے دادا کے قول کو نبھایا۔ اگرچہ یہاں رہنا انتہائی خطرناک ہو گیا تھا بلکہ حملے اور بلوہ کا ڈر... خبر آئی کہ فلاں فلاں محلے میں یہودیوں نے

وہاں بولا اور شقاوت اور درندگی کی ساری حدیں
پھلانگ ڈالیں سب سے پہلے بلدہ اشخ پھر حبر دن
ابو قمر دیر باسین خان یونسؒ تقلیلہ آئے دن ایک
بولناک خبر آتی۔۔۔۔۔

آخر ان ہی حالات میں میری شادی ہوئی۔
 چند ہی میری زندگی میں آئی۔ رانا وارو باا کے قول کے
 معاملے میں ڈنگر کا تاؤ آگے بڑھ کر مجھے سہارا بنی۔
 ”میں تجھی احسن، حسین میراں سے نہیں جاوین“
 ان کے شتی بہو دیوں کے لیے اپنے محلے کوچھوڑ کر ہم
 کہیں نہیں جاوین گے۔“

حالات خراب تھے المغربہ کے مسلمان اکثر
 ہمت کے ساتھ ڈنٹے تھے۔ یہودی ابھی اس محلے
 کو خالی کرانے میں دلچسپی لیتے نکلے نہیں آتے تھے۔
 وہ ابھی انچی سرحدوں میں اضافے کے لیے کوشاں
 تھے۔ شاید ان کے ذہن میں تھا کہ اس پر نام جب
 جاہل قابض ہو جائے گا۔

وہ ایک سخت گرم دن تھا۔ میں کام سے گھر سے نکلا تو دو بارہ اس گرمی کا فیاض نہیں ہوا۔ لکڑیوں کے پاس انہوں نے مجھے گرلے بغیر کسی شات کے انہوں نے مکوں اور ٹھوسوں کی پوجا شروع کی ابتدا میں میں نے بدافعت کی لیکن میں تنہا وہ دو پورا اچھا... بے ہوش ہو کر گراؤ تو اُس آنے کے بعد اسے آپ کو بیس کی کفری میں ماں۔

دس سال کی اس قید کے دوران مجھے اپنے بچوں کی شکلیں بھی بھول گئی تھیں خدیجہ ایک دفعہ بتادیں مجھ سے ملے آئی تو میں نے اسے آنسو آنسو سے سختی سے منع کر دیا اور بچوں کو لے کر فوراً ملاطینی مہم کا رخ کرنے کو کہا۔

دادا اور بابا تو پہلے ہی اپنے آخری سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔ بعد میں پچاسیام کے بارے میں خدیجہ نے خط میں بتایا کہ اسراہیل فوج نہیں بھی

مگر فادر کر کے لے جا چکی ہے۔
خند یہ میری ہدایت پر چوں کو لے کر کرب چلی
مئی تھی۔ میں مطمئن تھا۔ کال کو ٹھہری میں بھی پر امید
تھا۔ اسرائیلیوں کے غیر انسانی سلوک کا اندازہ کسی
دوسری تیل کا قیدی نہیں لگا سکتا بس ایک پتھر چلی
زمین بھی جس پر ہم کو چھینک دوایا تھا۔ انتہائی ناگانی
خوراک اور اذیت کے منت بنے گئے۔

ایک صبح میں کوٹری میں بیٹھا سو رہا کہ اس
کرن کا نظارہ کونسا دکھاتا جو ایک دیوار پر کبھی کبھی نظر
آتی تھی۔ نہ جانے کیسے اور کس رخ سے وہ کوٹری
میں داخل ہوئی تھی میرے برابر سرانگ لگانے کے
باوجود کبھی مجھے کسی پتہ نہ چل پایا۔ شاید یہ اس امید کا
استغناء تھی جو میرے دل میں جاتی تھی۔ جہاں
انجیروں کے باوجود.....

چاہوں کہ ٹھکانا ہو ان کو کھڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔ میں نے چونک کر اس کو دیکھا..... اس کی آنکھوں کی مٹائی میں کسی چیز کی طاقت تھی..... یہ وہ آنکھیں نہیں تھیں جو مجھے اذیت خانے لے جاتے ہوئے نظر آتی تھیں جوش اور خوشی کے ساتھ ہی جلی سفاکت سے لہرے..... آج کچھ کچھ بھی ہوئی تھیں۔

کیا بات ہے؟؟؟ کہاں جانا ہے؟؟؟
اس کے باہر نکلنے کے اشارے پر میں نے
پوچھا۔

”چپ چاپ باہر آ جاؤ“ وہ فرمایا۔
طویل باہر ادا ریل سے کرتے ہوئے وہ مجھے
کسی انجان جگہ کے چار ہاتھ شاید آخری نیند سنانے
سوت کی واہوں میں اتارنے کے لیے..... اسی
سوچ کے ساتھ ہی میری زبان پر کچھ شہادت احمد
ن لا لائے جاری ہو گئی۔ میں نے دل ہی دل میں
تھجھو اور بچوں کو خدا حافظ بھی کہہ دیا۔

لیکن وہ مجھے جیل سے باہر لے آیا جہاں بہت سے دوسرے فلسطینی قیدی بھی مسجود تھے یہ جلا کر ہمیں ایک اسرائیلی فوجی کے کپڑے لہرایا جا رہا ہے۔ میں نے سجدہ شکر ادا کیا میری بھی امید کی کرن روٹی پھینکا چلا گئی۔

ہاں انہوں نے حفاظت کی..... حسنیٰ جہاں
تک وہ کر سکتے تھے..... پھر..... پھر کیا ہوا؟؟
بس اس سے آگے مجھے کچھ خبر نہیں..... میرا
لالہ، میرا شہزادہ ہشام پرنس کہاں ہے؟ ہے بھی یا

بولتا واپسی کے لیے مجھے اس نمبر پر کال کر لیتا۔
میں نے سہلایا۔
حلہ ابھی اتنا سہیل نہیں ہوا تھا، اگرچہ کافی
جدید مگر، مرنے سے ہماری کئی کئی آخری گھر جو ہمارا
تھا ابھی تک دیا کا ویسا ہی تھا۔ سوئی و ہاروں اور
سیخ ناخوں کے ساتھ لیکن صددرواز و بدل دیا گیا تھا۔
سوئی لکڑی کا تراش ہوا ایک بڑا کتاب کا پھول
صددرواز کے اوپر لگا تھا۔

’سچی کہانیاں‘ پڑھنے والوں کو اگر پرچہ ملنے میں دشواری ہے تو ’سچی کہانیاں‘ کے دفتر فون کر کے مطلع کریں ہم آپ کو پرچہ آپ کے گھر کے پتے پر ارسال کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کا نام قمرہ اندازی کے لیے بھی شامل کر لیا جائے گا۔

پہلا انعام.....موبائل فون

دوسرا انعام.....6 ماہ کے لیے ’سچی کہانیاں‘ جاری

تیسرا انعام.....3 ماہ کے لیے ’سچی کہانیاں‘ کے ساتھ ’دو شیزہ‘ کی بھی اعزاز کی کاپی ارسال کی جائے گی۔

اس کے علاوہ آپ آن لائن بھی پرچہ منگوا سکتے ہیں، مزے سے

گھر بیٹھے بٹھائے آپ کا پسندیدہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں.....

pearlpublications@hotmail.com

ماں کی نمٹا ہے، ماں کی چاہت سے
گھر میں خوشیاں ہیں ماں کی نعمت سے
ماں کے منصب سبھی مقدس ہیں
ماں کو نسبت ملی ہے بہت سے
’میر‘ برداشت، ’حاصل‘ بہت
ہے عطا ماں کو دہشت قدرت سے
ماں ہے نورِ سحر زمانے میں
صبحِ خنداں ہے اس کی صورت سے

اپنے بچوں کی ماں ٹکھیاں ہے
ان کو رکھتی ہے وہ حفاظت سے
حق ادا ایک رات کا بھی نہیں
زندگی بھر بھی ماں کی خدمت سے
گھر ہے یا کائنات مادر ہے
دہ چلائی ہے جس کو حکمت سے

ایک گہوارہ علم و دانش کا
قوم بنتی ہے ماں کی محنت سے

☆☆☆

میں نہیں چاہتی کہ دو جہیں آگ کا ابدی سن
بنائیں۔ چلو بچی ہماری تلاش ختم ہوئی۔ خدیجہ نے
میرا ہاتھ پکڑا۔
میری بھی برداشت ختم تھی..... ہمیں واپس
جانا چاہیے۔

ہم دونوں تیزی سے صدمہ دروازے سے باہر
نکل گئے۔
فاصلے قدموں سے لیٹ رہے تھے۔
میں نے عبداللہ باسم کو کال ملائی۔ بچی کے اختتام پر ہم
کو قہوری دروازہ پر آکر ملے۔ خاموشی کا دبیز پردہ
مزید دبیز ہوتا جا رہا تھا ہم دونوں ایک دوسرے سے
آنسو چھپاتا چاہتے تھے ٹھنسی میں ہم دونوں کھڑکی
سے باہر نظر نہیں جمائے ہوئے تھے اچانک موبائل کی
ٹھنکی نے خاموشی کا دبیز پردہ چاک کر ڈالا یہ عبداللہ
باسم کا موبائل تھا۔ چند لمحوں بعد عبداللہ نے موبائل
کاٹوں سے لگا کر پھینک دیا ”آپ کا فون ہے“
کون؟ میں حیران تھا.....

میں ہوں آپ کا بشام..... بابا..... مام ڈیڈ
کے سامنے ذرا مدھکنا لازم تھا..... بھلا وہ اور اسرا نیکی
حکومت صحیح سالم آپ کے ساتھ جانے دیتی؟؟؟
میں ششدر سا رہ گیا پھر میرے منہ سے بے نیکی کے
عالم میں نکلتا ہوا ہے پاس عبداللہ کا گھر کسے آیا؟؟؟
اس کو میں جانتا ہوں اس کو یہ ٹھنکی مام ڈیڈ
نے ہی کرائے پر لے کر دی ہے۔ بس آپ جا سکیے
اور اپنا اور ماں کا خیال رکھیے انشاء اللہ
میں بھی جلد آپ سے ملنے آؤں گا..... اور
پھر ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں گا.....
”میں سوچ رہا تھا کہ یہ اتنی بڑی خوشی کی
خبر خدیجہ کو اس انداز میں سناؤں کہ اس کے اعصاب
سلامت رہیں!!“

بے رُخی

غرد اور اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھنا ایک بیماری ہے۔
کاش شبیر کبھی یہ بات سمجھ آ جاتی۔

از حد مشکل تھا۔

رات گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھی پردہ ایک فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ بٹھے اس رشتے کے لیے ہاں کرنی چاہیے یا نہیں۔ آج صبح ہی پچھو اس کے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آئی تھیں۔ اما، بابا سوچنے کے لیے اسے پوری ایک رات دی گئی جو کہ ان کے خیال میں کافی تھی اور جواب میں ہاں کے خطر تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ انہیں اس سے پیار نہیں تھا ان کے لیے وادی کی کبھی ہوئی بات زیادہ اہم تھی جو کہ انہوں نے مرتے ہوئے اپنے دونوں بیٹا، بیٹی سے وعدہ کی صورت میں لی تھی کہ ان کے مرنے کے بعد وہ اپنے بچوں کو اس رشتے میں باندھ کر ہمیشہ کے لیے ایک ہو جائیں گے۔ یہ اما، بابا کا بڑا این تھا کہ انہوں نے اسے سوچنے کے لیے وقت دیا تھا تاہم یہ دیتے تو وہ تب بھی اسے اتنا پیار کرتی تھی کہ ان کی خوشی کے لیے اپنی زندگی قربان کر دیتی۔
شبیر دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ کزن کی حد تک تو ٹھیک تھا لیکن اس نے رشتے کے لیے خود کو تیار کرنا

از حد مشکل تھا۔
شبیر کو پیار سے سب شاہ پکارتے تھے اور کیوں نہ پکارتے اس کی طبیعت شاہوں والی تھی۔ لہذا قد گندمی رنگت ستروں ناک اور مردانہ وجاہت کا شاہ پکارتا تھا لیکن تمہارا کھڑ مزاج خود سر اور اپنی من مانی کرنے والا تھا شاید ہی کوئی دن ہو جب وہ اپنے کزن سے کبھی ہنس کر ملتا ہو اس کے باوجود شبیر کا رشتے کے لیے ہاں چاہا کسی انہوں نے سے کم نہ تھا۔
”اما آپ سے کتنی بار کہہ چکا ہوں میں شادی نہیں کرنا چاہتا اجمالا سے آپ مجھے کیوں نورس کر رہی ہیں؟“

”شاہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ بہت خوش رہو گے اس کے ساتھ۔ اور بھر تہراری دلاؤ ایس کی آخری خواہش بھی تو ہے نا۔“

”وہ تو یوں کہیں نا کہ آپ کے لیے مرے ہوئے لوگوں کے فیصلے زندہ لوگوں سے زیادہ اہم ہیں چاہے وہ اپنی زندگی کتنی ہی ان چاہی مگر ان میں۔“

196 دوشنبه

روئے دھوئے گرد آجاتا تھا۔" شبیر نے نہایت بے بسی سے اپنی اس کو سمجھاتے ہوئے کہا مہدف یکم سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"شاہ یہ کیا بے تیزی یہ ہے یہ کس طرح بول رہے ہو تم اپنی ماں سے....." ریز صاحب نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دونوں ماں بیٹے کی گفتگو سن لی تھی۔

"سنانی چاہتا ہوں بابا لیکن میں تو....."

"بس بہت ہوئی تمہاری سن مانی؟" ریز صاحب نے ہاتھ کھڑا کر کے بولنے شبیر کو دہن ردک دیا۔ "اور تم نے کیا یہ وہ لڑکی کی رٹ لگا لی ہوئی ہے مجھ کو شرم تو بہار سے ماموں کی بیٹی ہے اور تم سے تو بڑا درجے اونچے ہے۔"

شاہ باپ کے غصے کو اچھی طرح جانتا تھا اس لیے فوراً نرم کچھ میں بولنے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا آپ چاہتے ہیں کہ میں ماموں کی بیٹی سے شادی کروں تو پھر آپ میرا کے لیے میرا رشتہ لے لیں مجھے کوئی اعتراض نہیں....." شاہ نے سر جھکاتے ہوئے اپنے دل کی بات کہی۔ میرا کے لیے شاہ کے دل میں کوئی خاص جذبات نہیں تھے پر وہ اجالا کے ساتھ بے سلف کھٹی سی چھوٹی سی لڑکی اسے اچھی لگتی تھی۔

"کیا..... تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟" ریز صاحب کے ہونٹے لگ گئے۔

"میرا کیا ایسی عمری سن ہے میرا وہ سال چھوٹی ہے تم سے۔" اسی بیٹی ہے تم انکی بات سوچ بھی کیسے سکتے ہو..... مجھے افسوس ہو رہا ہے تمہاری ذہنیت پر..... ایک اتنی اچھی اہلکار لڑکی تو اس چھوٹی بیٹی پر قیامت دے رہے ہو۔ اجالا پر لحاظ سے تم سے بہتر ہے۔ تمہارے پاس شکل و صورت کے سوا بے ہی کیا ہاں؟ وہ تم سے زیادہ پڑھی لکھی ہے تم سے زیادہ پختہ

ہے۔"

"مجھے اس کی پختہ نہیں چاہیے جس سے دل نہ ملے اس کو سو پرین کو کیا کرتا ہے آپ نے....."

اور مجھے دیے بھی شروع تخیل لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔

بابا آپ کچھ نہیں رہے میری بات پلیر خرابی تو اغیر اسٹیڈ..... شاہ نے اپنا سر ہلایا۔

"بول لایاب میری سنو۔ تمہاری تانہا رار شہر اجالا سے لڑنے کے کی ہیں اور تمہاری شادی اسی سے ہونی ہے اب میں دوبارہ تمہیں اس معاملے میں بحث کرتے نہ دیکھوں اب تم جانتے ہو۔" ریز صاحب نے دونوں کہتے ہوئے بات ختم کر دی۔

"ٹھیک ہے آپ نہیں سمجھ رہے تو اب تمہیں اب جو بھی ہوگا نتائج کے ذمے دار آپ دونوں ہوں گے۔" وہ غصے میں سن ٹنٹا کر سے باہر نکل گیا۔

"ریز یہ کیا کہہ گیا۔" انشا غصے میں تو میں نے شاہ کو بھی نہیں سمجھا کہیں کچھ غلط نہ کر بیٹھے۔"

"بیکم آپ خواہ مخواہ میں پریشان ہو رہی ہیں کچھ نہیں کرے گا وہ اور جب اجالا سے شادی ہو جائے گی تو وہ کتنا بھرا اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔" ریز صاحب نے آپ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

اور شہر شہر سے صدف کے قریب ہوتے ہوئے کہا صدف کی طرح جب سب گئی۔

شادی کے دن جیتنے قریب آتے جا رہے تھے اتنی ہی اجالا کی فینشیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ شاہ اس رشتے پر خوش ہے یا نہیں۔ دعا کی تو خوشی کا کھلا دیکھیں تھا۔ کئی بار دل چاہا کہ دعا سے ہی معلوم کر لے کہ شاہ بھی خوش ہے یا نہیں لیکن پھر جب ہوئی یہ سوچ کر کہ دعا یہ نہ کہہ دے کہ شاہ راضی ہو جائے تو اسی رقم کر کے گئی ہیں اور نہیں پوچھنے پر وہ راضی ہی نہ ہو جائے اس لیے خود ہی چکر چکر کاٹا ڈیٹ نہیں ہونے کے بعد سے اب تک اس کا سانس

شاہ سے نہیں ہوا تھا اور وہ چاہتی تھی کہ وہ سانس آئے اور اس کا رول مل جان سکے۔ یہ موقع اسے زارا کی منگنی میں مل گیا۔ اگرچہ اجالا خود اس رشتے پر اپنے ماں باپ کی خواہش پر راضی ہوئی تھی اور شبیر سے بھی اس کی اسکا جان بچان۔ یہی کہ اس رشتے سے اس کی دل کی جذباتیت ہوئی لیکن اس نے سوچا تھا تھا کہ اپنی زندگی کی شروعات پوری سچائی اور ایمان داری سے شاہ کو ہمیشہ کے لیے نہ آپ سوچ دے گی اور اس کا مکر زمانع ان کو محبت سے جیت لے گی۔

اجالا کی شادی سے چند دن پہلے زارا کی منگنی طے ہو گئی۔ اور شہر تھا لڑکا دعائی کی فرم میں ایک اچھے عہدے پر فائز تھا۔ کوئی زرداری سر پر نہیں تھی اس لیے بڑوں نے منگنی میں دہنیں کی ایک ایسی اور بڑی عمر جب کا اہتمام کیا گیا تھا۔

"اور شاہ بھائی شرم کی کو شکل تو دکھائی آپ نے..... اتنا تو اجالا آپ پر وہ نہیں کر رہی ہیں جتنا آپ کر رہے ہیں۔" شبیر ایک تخیل کے پاس کھڑا ایک ہاتھ میں لوگ کاش پکڑے اور دیگر ہاتھ لڑکے ہاتھ کے میرا کی بات پر اچانک چونک گیا اور بے ساختہ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔ "بے چوٹی کل گرل ایسی ہو؟" میرا بیرون فراق میں جس پر ڈاکٹر گرین نے غری کی انیڈری ہوئی تھی بہت جاری لگ رہی تھی۔ "میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں بڑے کم دردن کرتے ہیں۔ کیاں غائب ہوتے ہیں آج کل؟ آپ دونوں منگنی کروا کے کچھ زیادہ سے آج نہیں ہو گئے؟ ایک وہ میری آلہ بی بی حال ہے جو کمرے سے نکلتی اور ایک آپ جیسا ایسے بیٹوں بعد شکل دکھاتے ہیں جیسے تمہارا چارلس ہیں۔"

"میرا تم اس طرح میں واحد فرد جس سے میرا دل کرتا ہے کہ میں وہی ساری باتیں کروں اور کرتا رہوں۔" شاہ نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھتے

ہوئے کہا دیے میں شہزادہ چارلس سے کم بھی نہیں ڈیڑ۔" اس نے میرا کو آکھ مارتے ہوئے کہا۔ دور کہیں دروازے میں کھڑا کوئی نہ سوچ رہا تھا کیا یہ شخص ہنستا ہے؟ کیا یہ بندہ دماغی بدل چکا ہے؟ کیا وہ اس رشتے سے اتنا خوش ہے؟ شاہ کو ہنسنے دیکھ کر اس کے دل میں سکون انڑا گیا لیکن یہ سکون کچھ دیر کا ہی ثابت ہوا ہنسنے ہوئے ایک شاہ کی نظر دروازے کی اوٹ میں کھڑی اجالا پر پڑی جو کولڈن شرٹ جس پر بلیک انبر اینڈر ہوئی تھی کا پیاری لگ رہی تھی اس کی ہنسی وہیں گئی تھی۔ اس نے سرد نظروں سے دیکھتے ہوئے فوراً رخ بدلا اور میرا کو ایک سیڑی کی پتلاں سے بہت گیا۔ میرا کو سمجھ نہ آئی کہ شاہ بھائی کو اچانک ہوا کیا ہے۔ وہ چلی اجالا کے پاس آ گئی۔ "اجالا آئی ایک بات تو بتائیں؟ آپ کے ہونے والے بھائی خدا عجیب و غریب دم بندے ہیں۔ اچھے کھلے ہاتھ ہیں کہ ہونے ایک دم سے سجدہ ہو کر یہ جاہ جا۔ ان کے ایک دو اکروڑ ڈھیلے ہیں کیا؟" میرا نے منہ ہاتھ سے ہونے کہا۔ اجالا اس کے انداز پر ہنسنے پڑی جبکہ حقیقت میں خواہنے اندر سکوت تھا ہاتھوں کو رگڑتی تھی۔ "کوئی کام یاد آ گیا ہوگا چھوڑ دو تم کیوں فینش لے رہی ہو ذرا میرا چلو آؤ زارا کے پاس چلیں دیکھیں وہ لایا میاں کے ساتھ بیٹھی نروس تو نہیں ہو رہی؟" اجالا نے کہانے سے بات بدلتے ہوئے میرا کو دہان سے اٹھادی اور خود بھی بدول ہو کر اس کے ساتھ چل پڑی۔

"شاہی میں صرف دو دن رہے ہیں میرا رضا کوئی کام ہے تو بتاؤ؟" سعد نے بڑا بھائی ہونے کے ناتے پر چھٹا اپنا فرض سمجھا۔ "میں سعد بھائی سب تیاریاں مکمل ہیں بس آپ کی دعا چاہیے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے بیٹھا اجالا کو اپنی اسی اولاد کی

طرح چاہا ہے۔ وہ اپنے گھر خوش رہا ہے اس سے بڑھ کر میرے لیے کچھ نہیں۔ اور آپ کا بڑا احسان مجھ پر کہ آپ نے اعلان مجھے سوئے کرمی احساس نہ ہونے دیا کرتی ہیں بے ادب اور دلالت۔“

”اور رضا کیسے باتیں کر رہے ہیں وہ درحقیقت تو تم نے میرا بوجھ بٹا دیا۔ ایسے مت کہیں بھائی مجھے شرمندہ نہ کریں۔ آئیں اندر چلتے ہیں۔“ وہ دونوں اپنے گھر کے بے مشرک کھن میں کھڑے تھے۔ چلو رضا کے کانٹے پر اچھا مارتے دونوں اندر کی طرف بڑھ گئے۔

سجایا گیا تھا اجمالا شام کے انتظار میں بیٹھی اراد کر رہی تھی
 جاتو وہ رے بھی دھڑکی ہوئی، کڑی تھی کمرے پر ایسے لگے
 تختہ بین میں بھی۔ انتظار تھا کہ قسم کوئے نام نہیں لے
 رہا تھا۔ شاو کوہ آتھا نہ وہ آ۔ اجالا بیٹھے بیٹھے سو
 مٹی صبح کے چار بجے اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔
 شاو کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے بیڈ پر اجالا بھی
 دروازے کی ایک طرف سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ایک لمبے کے
 لیے تو وہ ڈنگ کی ایک دروازہ باقی رہی جسے خوبصورت لگ
 رہی تھی۔ کچن دوسرے سے اس کے لیے خود پسندی خود
 کر آئی۔ کچن کرسی چاروں کے گھر سے تو اس تک بھی
 نہیں ہے اجالا کو کچن کرسی پر خود کر آ رہی
 جارحانہ انداز میں اجالا کی طرف بڑھا۔

کہ وہ کچھ بولے گی..... پھر وہاں بالکل سکتا تھا۔
 ”میں نے اتنی کوشش کی کہ کسی طرح یہ ریشہ رک
 جائے پھر وہاں جو تم اور تمہاری دادی جا چکی تھی تم
 بہت خوش ہو گئی نا آج کھینچے بٹھائے تمہیں ایک
 چنڈس لڑکا مل گیا ہے۔ مانو جاتے جاتے تمہارے
 ساتھ بھلائی کر گئی ہے نا۔“ شاہ نے غصے سے
 اجالا کی ٹوٹری کو پکڑ لے ہوئے خطرے انداز میں کہا
 ”مجموعی تو کوشش کر سکتی تھی یہ ریشہ نہ ہوتا.....
 اوہ..... تم کیوں کرتی..... تم تو خود دوسروں کے
 ٹکڑوں پر چل رہی تھیں..... تمہارے تو باپ نے بھی
 تمہیں نہیں رکھا۔“ وہ غصے میں ہوش دھواں سے
 بیگانہ ہو رہا تھا۔ اتنی بے رحمی سے کہتے وہ اس کی
 ذات کے پڑنے اڑا کر اجالا کو شاہ سے اس قدر
 ظالمانہ دروہے کی توقع نہ کی۔ جس کے لیے وہ اپنا گھر
 باد چھوڑ کر آئی تھی وہ مسلسل اس کی ذات کی نفی کیے
 جا رہا تھا۔ لہجہ میں اس کے ارمانوں کا کلر نہیں
 ہوس چکا تھا اسے یقین نہ آیا کہ کوئی اپنا بھی اس
 قدر گرا ہوا ہو سکتا ہے۔ وہ دکھ سے کٹ کر رو گئی اور
 بے اختیار اس کی انگلیوں سے آنسوؤں پڑے۔
 ”اوہ.....“ بولتا یہ خوارخواہ رو رو کے اپنی
 ازنی ضائع نہ کر دو۔ مجھے تمہارے یہ آنسو بھی
 مٹاؤ نہیں کر سکتے۔“ اس نے ایک ایک اجالا کے
 کمال سے اٹھا کر اپنی انگلی پر اسے اٹھکے ہوئے
 کہا۔

میں چل دی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ باہر کیمیں
دور افق پر دن کا اجالا نمودار ہو رہا تھا اور اندر کا اجالا
مانہ پڑ رہا تھا۔

جب وہ داش روم سے آئی تو شاہ کو بے خبر
سوئے پایا۔ ایسے شاہدار انسان کی سوچ اتنی نکلیا۔
کاش اس کی شکل اتنی اچھی نہ ہوتی دل خوبصورت
ہوتا ستے شاہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے تاسف سے
سوچا۔ ساری رات اندر سوئی جاگتی کیفیت میں بھی
اکلائی تھی۔ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ اس
سے پہلے کر کوئی دروازہ کھٹکھٹاؤدہ لگا پھٹکا میک اپ
کر کے بادلی مسکرا ہوا چہرے پر سجائے کرے

سے باہر نکلتی۔
”اسلام یتیم“۔ اجالا نے صدف اور ریز
صاحب کو سلام کرتے ہوئے کہا۔
”وہیک سلام جیتی رہو۔ سدا ساگھن رہو۔“
صدف نے اجالا کو گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔
”کیسی ہے ہماری بیٹی؟“
”جی ٹھیک ہوں۔ اجالا بیٹا شاہ اٹھ گیا ہے یا
ابھی نہیں اٹھا؟“

”جی نہیں سو رہے ہیں۔“
”اے بھی اٹھا اٹھا داس کی بہت بری عادت
ہے ہر یک سوئے کی۔ جاؤ شاہ شای جا کر اٹھاؤ۔ بھالی
لوگ ناشتے لے کر آنے والے ہیں۔ نہ چاہتے
ہوئے بھی اجالا کو کمرے کا دروازہ نہ پڑا۔
شاہ کو سوتا دیکھ کر اجالا کادل نہ چاڑھا کیسے شخص
کو مخاطب بھی کرے جس نے رات اس کی ذات کی
دھجیاں بکھیری تھیں۔ اس کا دل ایک لمحے کے لیے
جا پا کر کاش شاہ نے اسے اتنا مان اور جاہت ہوئی
ہوتی تو وہ بھی اسے اپنی محبت کی پائن میں بھگو دیتی۔
اس سے پہلے کہ اجالا آگے بڑھ کے اٹھائی شاہ
نے اپنا چاک کر لٹائی اور بیزار ہو گیا۔ ”محترمہ اگر

جائزہ لے لیا ہو تو آپ جا سکتی ہیں مجھے اٹھانے کا
تقدیر آپ نہی کر دی تو آپ کے حق میں بہتر ہوگا۔
”شاہ نے اجالا پر چوٹ کی۔ اجالا کی تو سر پہ گئی
توکے پے جا چکی۔ ”مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کو
اٹھانے کا وہ چوہو مجھے نہ کہا تھا کہ آپ کو دغاؤں ورنہ
آپ سوئے ہی ٹھیک ہیں۔“ اجالا نے بھی جیسے رات
کا ٹھوڑا بدلہ لگا دیا تھا اور ہر پختی ہوئی کرے سے
باہر آ نکلتی۔ باہر سب ناشتے پر منتظر تھے۔ اندر مٹاؤ
تاب کھ رہا تھا۔

آج دلیسے کی تقریب کا کافی بڑی اور شاندار تھی۔
ریز صاحب کے اگلے تے چشم و چراغ کی دعوت
دیگر تھی۔ شاہ بلیک پینٹ کوٹ میں کافی پینڈم لگ
رہا تھا۔ اجالا نے لائٹ چمک لڑکی کیسی زیب تن کی
ہوتی تھی جس کے بارڈر پر گولڈن کام ہوا تھا گینک وہ
مرہمائے اور اتارے چہرے کے ساتھ اس کا دکھائی
دے رہی تھی اور وہ روپ غائب تھا جو پہلے دن کی
لہن پر ہوتا ہے۔ سب ہی نے اس کا یہ اداس چہرہ
نوٹ کیا اجالا سے پوچھا بھی سب نے لیکن اس نے
سرور کا ہانڈ کر کے ٹال دیا آج بھی شاہ کا دغا حال
تھا کیمیں سے نہیں لگ رہا تھا کر وہ دونوں ایک دن
کے دوہا دہن ہیں نہ وہ خوشیاں نہ وہ شروٹس اور نہ
یہ وہ چمپیر چھاؤ۔

”الما میں آپ کے کہہ رہا ہوں میں کیمیں نہیں جا
رہا۔ اگر آپ کی بیو جانا چاہتی ہے تو بے شک بلی
جائے مجھے کوئی اعتراض نہیں جینے مرضی دن وہ
آئے۔“ دیر سے واپسی پر جب فائزہ یتیم نے
جانے کی اجازت چاہی اور شبیر کو پتہ چلا کہ ان
دونوں کو ساتھ جانا ہے تو وہ مجھے سے اکر گیا۔ ”بیٹا
ایسے نہ کر تو یہ رسم ہوئی ہے ہر کوئی جاتا ہے اور ایک
رات کی ہی تو بات ہے کل ہم ایسے آجائیں گے۔“
صدف نے شاہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”رسم ہوئی

ہوگی ان کو جو جاہت اور محبت سے بیاہ کر لاتے ہیں
جن پر زبردستی مسلط کیا گیا ہوا نہیں کسی رسم کی کوئی
کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اپنی ضد پوری کر تو رہی ہے
آپ دونوں نے اب آپ کیا چاہتی ہیں، میں کب
تک آپ کے اشاروں پر چلتا رہوں۔ سوری مجھ
سے اب کسی قسم کی اچھی امید نہ رکھیے گا، آپ کی بات
مان لی آپ کی ماں کی خواہش پوری کر دی کا کافی ہے
آپ خوش ہیں اپنی ضد پوری کر کے میں خوش رہا ہوں
یاد رہوں کیا فرق پڑتا ہے؟ یہی بات کہانی کے کھر
جانے کی تو آپ کو مسافرانیاں پیش کرنے کی ضرورت
نہیں میں خود ہی انہیں منہ کر دیتا ہوں۔“ شبیر نے
بڈیڑی کی حد کرتے ہوئے صدف یتیم کو جبران و
پریشان کھڑے چھوڑ کر گاڑی کی طرف قدم
بڑھا دیے پیچھے صدف آوازیں دیتی رہ گئیں۔

سب لوگ شاہ کا انتظار کر رہے تھے جو صدف
کے ساتھ ٹوکھا کام تھا۔ اسے دور سے آتا دیکھ کر سب
گاڑیوں کی طرف بڑھے ہی تھے کہ شاہ کی آواز سنائی
دی۔ ”بیٹا جان سوری میں آپ کے ساتھ نہیں
جاسکتا اچھے کی مجھے کسی ضروری کام سے جانا ہے، ماں
اگر آپ کو اگلا کہلے جانے چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض
نہیں ہے۔“ شاہ نے سہولت سے اشارہ کر دیا۔
شاہ کے نگارے دگر نرہ ہوئے۔ ”شاہ بیٹا بیٹا
والے دن اپنی دین سے بڑھ کر کوئی کام نہیں ہوتا۔“
زارا نے پر جوش ہو کر شاہ کو گھڑا لگایا تو سب ہنس
پڑے۔ شاہ کو اپنی ہنگ محسوس ہوئی اس کے ماتھے پہ
ٹپ ٹپ پڑ گیا۔ ”میں نے کہا تھا کہ مجھے ضروری کام سے جانا
ہے۔ میں نہیں جاسکتا۔“ اس نے سب کو نظر انداز
کر کے اجالا کی طرف دیکھا۔ ”اجالا تم گھر میں رہی
ہو یا ساتھ جاری ہو؟“ اس نے ڈائریک اجالا سے
مخاطب ہوئے ہوئے کہا۔ اجالا ایک منٹ کے لیے
گڑبڑائی امیدیں بھی کر شبیر سب کے سامنے اسے

مخاطب کر لے گا۔ ”انہیں میں بھی آپ کے ساتھ چل
رہی ہوں۔“ اس نے بغیر سوچے کچھ جواب دیا۔
”اچھا میں پھر کسی دن چکر لگائیں گے۔“ اجالا
نے سب کو گلے ہوئے فائزہ یتیم سے کہا۔ ”اچھا بیٹا
کوئی بات نہیں جہاں رہو خوش رہو کل برسوں چکر
لگائیں۔“ فائزہ یتیم نے شاہ کو پیار دیتے ہوئے کہا۔
”جی ضرور۔۔۔۔۔“ شاہ کو یاد چاتے ہوئے بھی ماں کو پناہ
۔ سب گاڑی میں بیٹھ کر اپنے گھر دل کو روانہ ہوئے۔
”رضابا نے مجھے محسوس کیا شاہ کا رویہ پوری
شاہی میں باطل اچھا نہیں رہا۔ اجالا بھی ٹھیک نہیں
لگ رہی تھی۔“ پیلے دھڑلے پانی اس طرح لپک کر
اور پھر گل ہمارے گھر آتا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے اسے کوئی
کام نہیں تھا وہ جان بوجھ کر نہیں آتا چاہا رہا تھا۔“
فائزہ یتیم نے گھر مندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”ماں
میں نے بھی محسوس کیا ہے لیکن ہو سکتا ہے شاہ کو کوئی
ضروری کام ہو۔ ہمیں ایک دن میں کوئی رائے نہیں
قائم کرنی چاہیے۔ ابھی ان کی کئی بیٹی شاہی ہے۔
ایک حسرت ہوئے میں تمہارا وقت تو لگتا ہے۔ آپ
پریشان نہ ہوں۔ اللہ بہتر کرے گا۔“ رضابا صاحب
نے فائزہ یتیم کو گلے دیتے ہوئے کہا جبکہ حقیقت وہ شاہ
کے رویے سے خود بھی پریشان تھے۔
”بھابی آؤ باہر بیٹے ہیں تمہارا گھوٹیں گے۔
بڑھنگ کر رہ گئے۔ شاہ بھائی کے آئے تک داہیں
آجائیں گے۔“ دعانے اجالا کو بھی کدہ کر
چھپڑتے ہوئے کہا۔ اس کو یہ تھا چلا چڑ جائے گی۔
اس لیے جانے جاؤ کہ کدہ کر رہی تھی۔ اور وہ اپنی چڑی
”دعا تم انسان ہیں جاؤ۔ تمہارے منہ پر یہ بھابی
داہیں نہیں جتنا نہ مجھے تم سے کھلوانے کا شوق ہے۔
میں چاہتی ہوں تم میں منہ بھابی سے زیادہ دوستی کا
رشتہ ہی مضبوط رہے اور تم جو بات چاہو ہو۔ جب
تمہارے بھائی نہ مجھے جیوی ہی تسلیم نہیں کیا تو

تہمارے بھائی کہہ دینے سے حقیقت بدل تو گئیں جانی۔ رہی بات بھر جانے کی تو میرا سوا نہیں ہو رہا اور یہ ہے جسے اب مجھے وہ چیزیں جو پہلے خوش دیتی تھیں اب اس طرح نہیں دیتیں اور جس چیز میں خوشی ہی نہ ہو وہ کر کے کیا کرتا۔“

”یہ کیا کہہ رہی ہو اجالا اتنی مایوس..... مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تمہارا رویہ۔ تمک سے دقت بدل جاتا ہے لیکن انسان چاہے تو بعد میں بھی چیزیں اسے اتنی ہی خوش دیتی ہیں جتنی کہ پہلے کیونکہ چیزیں آپ کو تب تک ہی خوش دیتی ہیں جب تک آپ ان سے خوش لینا چاہتے ہو۔ اور جب آپ اپنی کے اندر عروں میں جھٹکنے لگتے ہیں تو کوئی بھی خوشی آپ کو کسی خوشی کی رسکتی نہیں چاہے وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ تم تو کسی نہ نہیں پا رہے۔ اور ہم بھی تو میں نہیں چھیڑنے کے لیے کہتی ہوں۔“ اچھا بابا اب نہیں کہوں گی۔ پلوں سر کر دکھاؤ تم اچھی طرح جانتی ہو میری تم سے بچپن سے صرف یہی لڑائی ہے اسے اور بڑی مایوس والی اور عجیب غریب کیٹی ہو خود تو ذرا نہیں دوسروں کو ڈرا رہی ہو۔ ایسے تم میرے بھائی کو کیا قابو کرو گی لڑکی.....“ دکانے بظاہر سڑو کو تو کھارہا نہ بتاتے ہوئے کہا جیکند اندر سے وہ شاہ کے روپے پر بہت برٹ ہو رہی تھی کہ ایک پیادری ہی لڑکی کو اپنے برے روپے سے مایوسیوں کے اندر سے میں دھکیل دیا تھا۔ اسے کیا سے کیا بنادیا تھا۔

”اُٹو۔ تمہارا بھائی کسی عام انسان کے قابو میں آئے والا بھی نہیں ہے مائی ڈر۔ اور بڑی مایوس تم ہو گی کیوں ہوں ابھی تو میری نئی نئی شادی ہوئی ہے۔“ اجالانے ہنستے ہوئے اپنے روپے کو فوراً تارل کرتے ہوئے کہا۔ وہ دعا کو پٹپٹ سے جانتی تھی کہ جب تک اجالا جس کے نہ دکھائی دکانے کہاں

باز آتا تھا، اس لیے عافیت اسی میں تھی کہ نہس کر دکھاراجاتا۔“ اوہ بھالی اب تم میرے اسٹے ڈھنگ بھائی کی شان میں گستاخی کر رہی ہو۔“

”تم یہ رکھو اپنے پاس اپنے ڈھنگ بھائی کو۔“ اس بات پر دونوں ٹھٹھکلاٹس پڑیں۔ دکانے شکر ادا کیا چلوں کہہانے اجالا کے چہرے پر ٹپکی تو آئی۔ دن تیزی سے گزر رہے تھے۔ شاہ کا روپیہ دن بہ دن بگڑتا جا رہا تھا۔ مصالحت کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا پہلے صرف اجالا سے الجھتا تھا اب گھر کے باقی افراد کے ساتھ بھی اس کا یہی حال تھا بہت بد لحاظ ہوتا رہا تھا تو ریز صاحب کی دھمکیاں بھی کام نہ کر رہی تھیں۔ شاہ کو وہ بدتر ہونے لگا۔

ختم سے پریشان تھے۔ شاہ پانچ لاکھ ہو گئے؟“ شاہ ابھی دکان سے واپس آ رہا تھا۔ ”کیوں میں خود نہیں بیسکا کیا؟“ اس نے اجالا کو کھدوتے ہوئے کہا۔ ”شاہ تم ایسا ہی ہو کیوں کرتے ہو میرے ساتھ؟ ہم خوش تھی تو وہ سکتے ہیں۔ تو ہوا تم کو کم و ماثر تو ہوا میں کرتی ہوں، مجھے یقین میں اپنی زندگی کو اچھا نہیں لگے۔ تمہارا دل نہیں چاہتا کہ ایک خوشیوں اور سکون بھری زندگی گزارو؟ تمہاری زندگی میں بھی کوئی تم سے محبت کرنے والا ہو؟ ہم لڑکیا ایک ابھی لائف کر رہے ہیں۔“ اجالانے شاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”تم آخر کیوں اتنی اچھی بننے کی کوشش کر رہی ہو جبکہ تم جانتی ہو مجھے ختم سے کوئی دیکھیں ہے اور نہ دیکھیں ہوگی۔ ہاں دل کرتا ہے، بہت دل کرتا ہے اچھی سکون بھری زندگی گزارنے کو پر اس کے ساتھ جسے میں پسند کرتا ہوں۔ جو بڑی دیکھتی ہو مسئلہ کیا گیا ہوا اس سے محبت نہیں کر سکتا۔ اور تم تو میرے دل میں نہیں نہیں ہو دو روز تک اور نہ دیکھیں ہوگی۔ اس لیے اپنا اور میرا خاتمہ ختم نہ ہی کر دو بہتر ہے۔“ شاہ

نے اجالا کا ہاتھ جھٹکنے ہوئے کہا اور پھر ہر ٹکڑا گیا اور اجالا کو چوں کے صورت میں اکیلا چھوڑ گیا۔ باہر کھڑی دعا جو کسی کام سے اجالا کو بلائے آئی تھی ساری گفتگو اپنے کانوں سے سن چکی تھی اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا کہ اس کا بھائی اس حد تک سنگدل ہے۔ اندر اجالا اپنی آنکھوں کے موتیوں سے اندھیرا کر رہی تھی اور باہر دعا اشرہ کھڑی ان دونوں کو دعاؤں کے حصار میں لیے ان کی زندگی کی دانگی خوشیوں کی تسلی تھی۔

دعا اجالا کی کزن سے کہیں بڑھ کر دوست رہی تھی اسے کسی طور بھی اپنی دوست کے ساتھ اس قدر شک آجیز رویہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے اجالا کو کارادہ بھڑکی کیا اور میری کاپ کے پاس پہنچ گئی۔ ”بابا مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔“

”آؤ بیٹیا بیٹو خیریت کوئی ضروری بات گلگی ہے، ہماری بیٹیا اتنی پریشان کیوں دکھائی دے رہی ہے؟“ ریز جو ابلجہ پڑنے میں مصروف تھے اخبار سائیل پر دکھ کے دعا سے پوچھنے لگے۔ ”مئی باخبریت نہیں ہے میں بہت پریشان ہوں۔“ اور دعا نے اول سے آخر تک ساری گفتگو ان کے گوش گزار کر دی۔ ”آپ پلیز شاہ بھائی کو سمجھا نہیں کچھ بھی کریں میں اپنی دوست کے ساتھ اکتاہر اسلوک برداشت نہیں کر سکتی مجھے یہ بدبو بھائی ایسا سلوک کریں گے اجالا کے ساتھ تو میں یہ شادی کسی نہ ہونے دیتی۔“

”تم پریشان نہ ہو بیٹیا میں آج شاہ سے بات کرتا ہوں۔“ دعا کو تسلی دیتے ہوئے حقیقتاً ریز صاحب خوشی پریشان ہو گئے تھے۔ آج اجالا کی سانگرو بھی۔ ہر ایک کو اپنی سانگرو کا افتخار ہوتا ہے۔ اجالا کے لیے بھی یہ دن بہت خاص تھا۔ یکے میں تو ہمیشہ سے جڑی اچھی منائی آئی تھی

لیکن سرال میں یہ اس کی پہلی سانگرو تھی۔ اجالا آج بڑے دنوں بعد دل سے تیار ہوئی تھی۔ بڑے شعلوں کی شرٹ جس پر بہت خوبصورت گولڈن کام ہوا تھا ساتھ میں چوڑی دارا جامہ اور دم رنگ دو پینڈ زیب تن کیا تھا۔ بلیک سے میک اپ نے اسے کش بنا دیا تھا۔ آجئے میں آخری بار خود کو دیکھ کر کمرے میں چکر لگائی ہے جتنی سے شاہ کا انتظار کرنے لگ گئی۔ آج تو اسے یقین تھا کہ اور کچھ نہیں تو شاہ اسے دس ضرور کرے گا اور وہ اسے میں ہی خوش ہو جائے گی۔ اب تک گھر کے سب افراد اسے دس کر کے تھے لیکن اسے جس کا انتظار تھا وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ شاہ شیخ اسٹور کے لیے کسی چلدی نکل گیا تھا اجالا جب سو رہی تھی اس وقت کے دس بچے شاہ کمرے میں داخل ہوئے۔ ”السلام علیکم“ اجالانے کے لیے بٹاش بناتے ہوئے سلام کیا اور شاہ کے خالی ہاتھ دیکھ کر دل تو اس کا کٹ کر رہ گیا تھا۔ ”علیکم سلام۔“ اکتاہر تو کرات کے دس بچے کہاں جانے کی تیاری ہے؟“ شاہ نے بھی سنواری اجالا کو دیکھ کر کہا۔ ”وہ مم..... میں.....“

”وہ کو اگر کہیں جانے کا موڑ ہے اچھیلی ماموں کی طرف تو یہی کہنا نہیں ہے کہیں جانے کا۔ منجھ سے امید رکھنا نہیں لے جانے کی اور میرے سامنے ایسے تیار ہونے کی ضرورت نہیں نہ مجھے شوق ہے نہیں اس طرح اسٹور ادا کھینے کا۔ میں بہت تھا ہوا ہوں مجھ سے سنا ہے اس لیے جاؤ یہاں سے میرا نام ضائع نہ کرو۔“ شاہ یہ کہہ کر ابھی آگے بڑھا تھا کہ اجالانے آگے بڑھ کر اس کا راست روک لیا۔ ”تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو؟“ میں نے ایسا کیا ہے جو تم مجھ سے ایسا براؤ کر رہے ہو؟“ اجالا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ”اپنے سامنے نہیں جڑی چیز تیرے نظر آتی ہے۔“ اکتاہر چھات اور شہر کے منہ کے مل کر

اور پھر ساری زندگی اٹھ بھی نہیں پاؤ گے، خود اپنے آپ سے نظریں بھی نہیں ملا پاؤ گے۔" اجالانے بغیر لحاظ رکھتے اپنے دل کا سارا غبار نکال کر رکھ دیا۔ "اوردو۔۔۔ یوں۔۔۔ تم مجھے کراؤ کی منہ کے بل ہاں؟ تمہاری اتنی ہمت۔۔۔" شاہ نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جھجھوڑ ڈالا۔ "اف شاہ۔۔۔ چھوڑو مجھے درد ہو رہا ہے" اس نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا "ہااا۔۔۔ درد۔۔۔ تم کیا جانو درد کیا ہوتا ہے؟" شاہ نے استہزا سے اس کی طرف دیکھا اس کے بازوؤں پر شاہ کے ہاتھوں کی تختی زیادہ بڑھ چکی گئی۔ آج پہلی بار وہ ظالم غریب آنا بھی تو کس انداز میں۔۔۔ اف۔۔۔ اجالانے آنسو بھرنے کی طرح پینے لگے۔

"میں تمہیں بتا رہا ہوں اجالاد رکھنا ہوتا ہے؟" جب کسی کی زندگی کو اس کے جان سے زیادہ چاہنے والے لوگ ہی جہنم بنا دیں تو درد ہوتا ہے۔۔۔ جب اس کی زندگی میں ان کا چاہا شامل کر دیا جائے تو درد ہوتا ہے۔۔۔

جب کسی کی بات کو اس کے جان سے پیارے ہی اہمیت نہ دیں تو درد ہوتا ہے۔۔۔ جب کسی سے اس کی زندگی جھین لی جائے تو درد ہوتا ہے۔۔۔ جب کسی کو ایک لمحے کے لیے بھی سکون نہ ملے تو درد ہوتا ہے۔۔۔

تم کہہ رہی ہو تمہیں درد ہو رہا ہے۔ نہیں اجالاجالو درد دیکھیں جو شبنم دن رات سہرا ہوں کیونکہ بظاہر درد دیکھیں ہوتا وہ تو تکلیف ہوئی ہے درد تو دل میں ہوتا ہے۔۔۔ تکلیف برداشت ہو جاتی ہے درد برداشت نہیں ہوتا۔ "شاہ کی آنکھیں اذیت اور کرب سے سرخ ہو رہی تھیں ایسے جیسے ابھی ان میں سے خون بہہ نکلے گا۔۔۔ اجالاکو ایک لمحے کے لیے

رکھنا آتا ہے؟؟؟ آپ تو اتنے گھٹیا انسان ہیں کہ۔۔۔ چنان۔۔۔ "جو اس بند کو اپنی تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے ایسے بات کرنے کی۔۔۔ تم اس لائق ہی نہیں ہو کہ تمہیں ایک منٹ بھی برداشت کروں۔ میں اپنے سب غلطی تم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کرتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے ہوش و حواس میں غلطی دیتا ہوں اجالاجالو۔۔۔ غلطی دیتا ہوں۔" غلطی دیتا ہوں۔۔۔

شاہ نے ایک زوردار حقیر اجالا کے چہرے پر دے مارا درد زندگی کا برا غلط ہمیشہ کے لیے توڑ دیا۔۔۔ اجالا ابھی چھوڑے سے سنبھل نہ پایا تھی کہ شاہ کے اگلے لفظوں نے اس کے پیروں سے زمین سمجھ لی۔۔۔ اس نے بے ہوشی سے شاہ کو دیکھا۔۔۔ چہرے پر ناقابل یقین دکھ تھا۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک زوردار پکرنے اس کے حواس سلب کر لیے اور وہ ہوش و

خود سے بیگانہ ہو کر زمین بوس ہو گئی۔۔۔ باہر سے کڑی صدف نے جب چھوڑی آواز سنی تو شبیر کے کمرے کی طرف نکلیں اچھی درد اڑنے پر ہی نہیں کہ شاہ کے اگلے الفاظ نے ان کے آگے بڑھنے کی طاقت سلب کر لی شبیر کوئی ہوشی اجالاجالاکو نظر ڈال کر صفحے میں کمرے سے نکل گیا۔ صدف نے خود بے حال ہوتے ہوئے بے ہوش اجالاکو کسی طرح اٹھایا اور باہر چل پھٹایا۔

"آپ کو کون نے بالکل اچھا نہیں کیا میرے ساتھ ماہا، ماہا، مرے ہوئے کی خواہش پوری کرنے کے لیے آپ کو کون نے زندہ لوگوں کو بھی مارنے سے گریز نہیں کیا کیا ملا آپ سب کو یہ کہ میری زندگی سے کھیل کر؟ بتائیں جواب دیں؟ میں نے تین بیٹوں میں ایک دل وہاں سکون سے نہیں گزارا، ایک دل بھی شاہ کی آنکھوں میں اپنے لیے چمک نہیں دیکھی۔ اس کے دل میں اپنے لیے جیت نہیں

دیکھی۔ آپ نے جو کہا میں نے مان لیا کیا فائدہ ہوا اس سب کا میری زندگی تو جادہ ہو گئی۔۔۔ کل جب شبیر نے اسے غلطی دی تھی جب سے ایک بندہ کہ ہسپتال میں بے ہوش پڑی تھی اور جب ہوش آتا تو بیانی ہو کر چلائے لگ جاتی تھی۔ کل اس کی سانگرہ تھی۔ اسے تو یقین تھا کہ شاہ اسے قتل کرے گا۔ گفت دے گا اور ساری مارا مٹھی بھلا کر اسے گلے لگانے کا اور وہ بھی سب بھول کر اسے اپنانے کی لگیں یہ کیا سب سے زیادہ خوشی دینے والے دن کو شام نے اس کی زندگی کا رنج ترین دن بنادیا تھا۔ سب لوگ اسے سنبھال کر تھمک تھمکے تھے وہ بھی کہ شاہ اسے باہر ہی نہ رہی تھی۔ جب وہ شاہ کے باہر آئی تھی تو بالکل خاموش تھی۔ آج اسے پچھل سے ڈیڑھ گھنٹہ گزر رہا تھا۔ آگے زندگی کیا بھی لایا ہوئی تھی کچھ بچنے نہیں تھا۔

سعد اور رضا شاید ہی صفحے کی کیفیت میں پہنچ تاب کھا رہے تھے۔ مگر میں ایسے خاموشی کا راج تھا ایسا لگتا تھا کوئی بندہ بشر یہاں رہتا ہی نہیں اور تو اور آج تو میرا کی خوشیاں شراذیب بھی مانہ پڑی ہوئی تھیں۔ اجالاجالانے کمرے میں بند ہو کر رہی تھی۔ کھانا پینا چھوڑا ہوا تھا۔ "سعد میں زندہ نہیں چھوڑوں گا شبیر کو، اس نے زندگی کو غرق کھج کھا ہے۔ کیا تمہارا جانی اجالاکو لیا لارٹ ہے؟۔۔۔ دونوں کا ہنس نہیں چل رہا تھا کہ شاہ کو جان سے مار دیں۔" رضا اب جو ہوا تھا وہ تو ہو گیا ہے۔ میرے بھائی اجالاجال میرے بھر کا کلا ہے۔ میرا خون ہے۔ مجھے سختی تکلیف ہو رہی ہے میں تانہیں سکا۔ صدف کو اس کی بہت بڑی سزا بھگتی پڑے گی۔ اس نے اچھا نہیں کیا مجارے ساتھ۔" سعد نے آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے رضا کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "شاہ تم نے ہم سے کس چیز کا بدلہ لیا ہے۔ تم

تو ہمیں خاندان میں مدد کھانے کے لائق نہیں سمجھوا۔“ صدف نے شبیر کو بازوؤں سے پکڑ کے جھجھوٹے روئے ہوئے کہا۔ آج صبح سعد اور رضا جھجھوٹے سے سارے رشتے تاتے تو ذرا سے تنہا جھجھوٹا ہوا تھا۔ دو بھائیوں کی اکلوتی اولاد لڑی بہن سے بیٹھ کے لیے رشتہ توڑ دیا تھا۔ صدف اس صدمے سے عیاذ ہو سکتی ہوئی جاری تھی۔

”شادی میری زندگی کی خوشیاں میری..... اور فیصلہ کسی اور کا۔ نہیں اما بابا نہیں..... ہر بار میرا والدین کے ہاتھ میں نہیں ہوتا کہ وہ جب چاہیں جس رخ چاہیں اسے موڑ دیں۔ کبھی نہ مگر وہ اولاد کے ہاتھ میں آجاتا ہے میں چاہتا تو اچالا کو ساری زندگی نہ جھجھوڑا اور اسے کوئی حق بھی نہ دیتا لیکن نہیں میری لڑائی اس کے ساتھ نہیں تھی میری لڑائی آپ لوگوں کے ساتھ تھی وہ بے جاری تو خود اس رشتے کے بندھن میں پھنسی ہوئی چڑا تھی اور اس چڑا کو پھنسا یا آپ لوگوں نے تھا۔ اب یہ نہیں ماموں کا سیڑھیلے اسٹور کے لالچ میں جوا جالا کا تھا یا پروا تھی آپ کو اما اپنی ماں سے اتنی محبت کی کہ آپ نے اپنے اکلوتے بیٹے کی زندگی کی خوشیوں کی بھی بردار.....“ چنانچہ..... اس سے پہلے کہ شادا اپنی بات مکمل کرنا صدف نے ایک زمانے کا داغ چھڑا کر کے چہرے پر دے مارا۔

”اما آپ نے مجھے تھپڑ مارا.....“ شاد کو یقین نہ آیا کہ اس کی بیجاری پاؤں سے جس نے بھی اسے ڈانٹا تھا نہیں آج اپنی بیٹی کے لیے کھڑے بیچے مارا۔ ”تم میرے بیٹے نہیں ہو شادا۔ میں نے تمہاری تربیت ایسی نہیں کی تھی جن میں اتنی خور پسندی کہاں سے آگئی۔ میں نے تمہیں تمہارے لیے برابر نہیں چاہا۔ تم نے اچھا نہیں کیا اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نہیں سمجھی معاف نہیں کر دوں گی۔“ دلیج ہو جاؤ میری

نظروں سے۔ میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھتا چاہتی۔

دعا کو یقین نہیں آیا ہاتھ کر اس کا بھائی اس قدر خود پندہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسے یہی لگتا تھا کہ تھوڑے دن کی بات ہے دووں میں سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن اس کے خواب دخیال میں بھی نہیں تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ اسے شاد سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ وہ اپنی دوست کی حالت پر دکھ سے کٹ کر رہ گئی۔ شاد کو اچھا لگتا تھا وہاں تک وہاں تک آتا تھا۔ نہ ہی فی الحال کسی کو اس کا انتظار تھا۔ صدف جیسے کہ اپنے بھائیوں کے چھٹ جانے کے صدمے سے ہی نکل نہ رہی تھی۔ ریمیز صاحب ایک ہفتے کے لیے کام کے مسئلے میں شہر سے باہر کھے ہوئے تھے۔ جنوں جیسے جیسے گھر ایک ہفتے سے غلط فیصلے کی بحث کر رہے تھے۔

”اما نے مجھے تھپڑ مارا۔“ زندگی میں پہلی بار اور گھر سے بھی نکال دیا۔ نہیں وہ اپنی بھانجی کے لیے اپنے تنگے بیٹے کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتیں۔ کیا وہ مجھ سے اتنی نفرت کرنے لگی تھی کہ میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہیں۔ شاد کو ابھی تک یقین نہیں آیا ہاتھ دوں گے سے بغیر کھائے پائے سڑکوں پر ایک دوڑا ہوا تھا نہیں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا اما آپ مجھ سے نفرت کریں۔ ایک فیصلہ آپ نے کیا تھا ایک فیصلہ میں نے کیا ایسا کیا برا کیا میں نے؟ اگر آپ کو بیٹا نہیں چاہیے تو مجھے بھی اپنی زندگی نہیں چاہیے۔ میں چاہیے مجھے بھی اپنی زندگی۔ اس کی حالت بہت خیر ہو رہی تھی تم نے اپنے ماں باپ کو دکھ پہنچایا۔ تم جیسے مر جانا چاہیے شاد۔ ہاں۔ تمہیں مر جانا چاہیے۔ اچالا نے ٹھیک کہا تھا کہ کسی سے گناہ دور کر دے کہ وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے۔ کل سے اب تک اسے ایک لمبے کے لیے بھی سکون نہیں ملا تھا۔ اس کا خمیر اسے بری طرح ملامت کر رہا تھا۔ وہ ہڈیانی

اندا میں چلا رہا تھا ساتھ میں اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔ اس کی بانگ لڑکھڑا رہی تھی۔ اس کی ہڈی کیفیت بگڑ رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ بے ہوش ہو کر گرے ایک تیز رفتار ڈالے نے اس کی بانگ کو کھر دے مارا۔ وہ لڑکھڑا کر بہت دور جا کر۔ بانگ بھی بری طرح بگڑ گئی۔ ٹرک ڈرائیور خون میں لات پت اس لڑکے کو دیکھ کر جس کے بچنے کے چانغز بہت کم تھے موتی سے ہی فرار ہو گیا۔

راج کے چار بیٹے کا وقت تھا۔ سڑک پر ادا کا گاڑیاں ہی نظر آ رہی تھیں۔ کسی درجن انسان نے خون میں لات پت پرے انسان کو دیکھ کر بیوی بولیں کو فون کر دیا تھا۔ فوراً ہسپتال پہنچا دیا گیا۔

ریمیز آج صبح ہی گھر پہنچا تھا اور وہ گھر گھر نہیں رہا تھا۔ سب کچھ نہیں ہو چکا تھا۔ ٹھنڈے والوں سے پتہ چلا تھا۔ گھر پر ایک ہسپتال پہنچا۔ صدف نے سمجھنے کی ہون سدا اور رونا کو کیے پر انہیں صدف سے نہ کوئی رابطہ رکھنا تھا نہ ہی انہوں نے رکھا۔ کسی کو کچھ نہیں سمجھی کہ ان کی لاڈلی بہن پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے صدف کو رونا کے آخری الفاظ یاد آئے۔ تم ہمارے لیے ہمیشہ کے لیے مر گئی ہو۔ تمہارا ہمارا اب کوئی تعلق نہیں۔ کوئی رشتہ نہیں۔ ہم سے بھی دوبارہ رابطہ بھی کرنے کی کوئی دشمنی نہ کرنا صدف نے ٹھیک بار کر فون دیوار پر دے مارا اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

”ریمیز کچھ اچھا نہیں ہوا سب کچھ ختم ہو گیا۔“ آپ نے کہا تھا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔ بھائی تو مجھ سے چھٹی ہی گئے ہیں میرے شاد کو کچھ ہوا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔ ان سے کچھ میرے شاد کو چاہیے۔ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔“ صدف نے چلائے ہوئے ریمیز کو جھجھوڑا۔ اس کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی۔ وہ اس وقت

آپریشن تھپڑ کے باہر کھڑے تھے۔ اندر شاہ زندگی موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔ ریمیز صدف کو کٹا رہے خود بھی تھک گئے تھے۔ ان کی بھی اپنی حالت قابل رحم لگ رہی تھی۔

”ہم نے اچھا نہیں کیا ریمیز..... ہاں اچھا نہیں کیا بچوں کی زندگی کے فیصلے ان کی مرضی کے خلاف نہیں کرنے چاہئیں..... اس نے ہمیں لکھا روکا تھا اس رشتے سے پرہیز نہیں مانے۔ ہم نے غلط کیا، بہت غلط کیا۔“ ریمیز اب کچھ بھی نہیں سے میرے ہاتھ ہاں خالی ہیں۔“ صدف نے ریمیز کے آگے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔ اس کی کیفیت اس دیا نے ہی کی گئی تھی جس کے پاس اب کھونے کے لیے کچھ نہ تھا۔ ”میں اس کو ریمیز صدف۔ خدا کے لیے اس کو ریمیز۔“ پہلی ہی میں بہت اذیت میں ہوں نیچے اور تکلیف دہ..... میں نے ہی اپنے بیٹے کی زندگی پر یاد کی ہے..... میں نے ہی اسے فورس کیا تھا۔ میں مذکور کرتا اور نہ ہی سب کچھ ہوتا۔ میں اپنے بیٹے کا بھرم ہوں۔“ ریمیز صاحب کی آنکھیں مضطرب شدت سے سرخ اور گھبراہٹ ہو رہی تھیں۔

اس سے پہلے کہ ریمیز کھڑا اور کھینٹے ڈاکٹر انہیں نے انہیں اپنے روم میں آئے کو کہا۔

”میں شریف دھصل۔“ سوری مسٹر میز آپ کو یں کے بہت دکھ ہوگا کہ آپریشن کا کامیاب رہا ہے آپ کے بیٹے کی زندگی تو بچ گئی ہے لیکن آپ کا بیٹا ساری زندگی کے لیے معذور ہو گیا ہے کبھی چل نہیں پائے گا۔“ ریمیز کے تو چہروں تلے زمین نکل گئی.....

”نہیں ڈاکٹر صاحب وہ جی نہیں پائے گا۔ ایسے ایک غلط فیصلے کی اتنی بڑی سزا ملے گی اس نے ایسا کیا نہیں سوچا تھا۔“

آج شبیر کو ڈاکٹر سراج کے گھر لایا گیا تھا۔ ڈاکٹر نے شاد کے بارے میں جو بتایا وہ کوئی یقین نہ

محبت نمبر

طویل کہانی نمبر کی شاندار پندہ رانی کے بعد نئے سال میں آپ کے لیے ایک اور تجلہ محبت نمبر کا مارچ کا شمارہ محبت نمبر ہوگا۔ وہی محبت کی وارداتیں، محبت کی گہائیں، محبت کی فتح اور محبت کی ناکامی سے جڑی وہ کہانیاں جن سے اپنی آدم اپنی زندگی میں ضرور گزرا ہوگا۔

جی ہاں! سچی کہانیاں کا مارچ کا شمارہ محبت نمبر ہوگا

پراسرار کہانی نمبر

خوف اور دہشت میں لپٹی سچ بیانیاں ارواح خبیثہ کا شاخسانہ بننے والوں کی کہانیاں، فراغ نہ کی سرزمین سے اسرار بھرے راز عیاں کرتی خصوصی داستانیں حیرت پوشیدہ دنیا سے بہت خاص ظلم کدے میں قید کرتی وہ کہانیاں جو آپ کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔

تو پھر دیکھیں کس بات کی ہے۔۔۔۔۔

ماہ فروری میں پڑے اسرار نمبر اور مارچ میں محبت نمبر کی کا پیاں آج ہی بیک کر لیجیے۔

انجمن حضرات نور انارکلی

سچی کہانیاں کا فروری 2018ء کا شمارہ پڑ اسرار نمبر ہوگا

سچی کہانیاں کا مارچ 2018ء کا شمارہ محبت نمبر ہوگا

مغز

حامد علی سید

ہم بھی گزرے تھے ایک محشر سے
تم نے دیکھا تھا دیدہ تر سے
تھی کبھی آرزو ہمیں تیری
اب یہ سورا نکل گیا سر سے

مگر کھراہش میں جس نے دکھ جھیلے
دور ہونے لگا وہی مگر سے
جو تھے برقاب اپنی فطرت میں
جل گئے آج باد صرصر سے
ہیں بظاہر یہ پڑسکوں لیکن
لوگ ٹوٹے ہوئے ہیں اندر سے

گرش دقت یہ بتا ہم کو
کوئی محفوظ ہے ترے شر سے!

ہم نے حامد جنہیں دچھایا تھا
آج آنکھوں سے کیوں وہ غم برے

کر پار تھا۔ شاہ کو بھی جب اس حقیقت کے بارے
میں پتہ چلا تو وہ دل دہلا دینے والے انداز میں
پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور آخر کار خاموش ہو گیا۔

سب اس سے بول بول کے ٹھک گئے تھے۔ پر
اس کی خاموشی فتنہ نہیں ہو رہی تھی۔ صدف سے اس
کی یہ حالت دیکھی نہیں جاری تھی۔ اس نے روتے
ہوئے شاہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

”بیٹا! ہمیں معاف کر دو۔ ہم تمہارے قصور
دار ہیں۔ پاپے شاہ کچھ تو بول رہے ہیں اور نہ پھٹ جائے
گا۔ میں سر جاکوں کی بیٹا۔ میں نے تمہاری زندگی
ایسے نہیں چاہی تھی شاہ۔۔۔۔۔“ اس کوڑ پتا دیکھ کر شاہ نہ
چاہتے ہوئے بھی بول پڑا۔

”یہ میرے گناہوں کی سزا ہے ماما۔۔۔۔۔ میرے
ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔۔۔۔۔ مجھے میرے غرور کی
سزا ملنا چاہیے تھی۔۔۔۔۔ ماما آپ کو پتہ ہے اجالا نے
فحش کہا تھا کہ میں منہ کے غل کروں گا اور اٹھ بھی
نہیں پاؤں گا۔ دیکھ لیکن بالکل ایسے ہی ہوا ہے۔
مجھے اپنی وجہات پر براؤنا تھا میرے ساتھ کبھی ہونا
تھا۔۔۔۔۔ میں نے اس کا دل دکھایا تھا مجھے سزا ملنی تھی
نا۔۔۔۔۔ ماما مجھے کبھی آگئی ہے جب کسی چیز کی مسلسل
تقدیر کی جائے اللہ وہ آپ سے جوچن لیتا ہے پھر
آپ کو اس چیز کی قدر ہوتی ہے اور جب آپ کو پتہ
چلتا ہے کہ جو اللہ نے آپ کے لیے لکھا تھا وہی
بہترین تھا۔ آپ مت روئیں اور نہ معافی مانگیں مجھ
سے۔ میں اپنی سزا کاٹ لوں گا۔۔۔۔۔ شہر نے ماں کو
شدت ضبط سے بے حال دیکھتے ہوئے کہا اور خود بھی
رو پڑا۔

دعا دار درمیز بھی اس کی دل دہلا دینے والی باتوں
پر آدہ دیدہ ہو گئے۔۔۔۔۔

ابھی امکان باقی ہے

قسط 17

ان کرداروں کی کہانی جو معاشرے میں بکھرے پڑے

ہیں..... مگر جب یہ کردار اسر ہو جائیں تو مزید کا بھی امکان باقی رہتا ہے...

Pakistanpoint

ان کرداروں کی کہانی جو معاشرے میں بکھرے پڑے

☆.....☆
مجھے نہیں معلوم تھا کہ فائق نے انہم کو اس طرح کھڑا کر دیا ہے۔ انہیں شام بھائی کیسے خاموشی سے دیکھ کر آگے میں ہوتا تو اسے گریبان سے ہاتھ پکڑ کر پوچھا کہ "اسم سے اپنا خفیہ کنٹرول نہیں ہو رہا تھا اور ہر اکروہ مسلسل انہم کے حوالے سے اپنی پریشانی کا اظہار کر رہا تھا۔" انہوں نے اس پر اس کے مسئلہ مسائل خود ہی حل کرنے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ ان کے گھر والوں کو کسی قسم کی پریشانی نہ ہو اور وہ ان کی عزت پر بھی کوئی حرف نہ آئے۔
"ہماری پریشانی اس کی خاموشی نے کہیں کی مزید بڑھائی ہے۔" اسم نے اردو کی یہ بات سن کر مزید سختی دیکھی سے کہا۔

انہم نے جو بھی کیا ہے۔ اب معاملہ سارے آگیا ہے تو آپ لوگ جا کر پوچھیں۔ انشا اللہ کوئی بہتر حل نکل آئے گا۔ اردو نے شوہر کے موڈ کے مطابق بات کی تھی تاکہ وہ اس کی کسی بات کو نہ پکڑے۔ "ہاں۔ وہ تو پوچھیں گے ہی جا کر..... انہم کو کھر سے نکال کر وہ خود سکون سے نہیں رہ سکتا۔" اسم نے بھی گہری سانس لے کر پیسے خود کو سنا کر ایمینان دلایا۔ اردو نے مزید کیا کہتی۔ وہ گھر کے کسی بھی معاملے میں اپنی رائے دینے کی اہل نہیں تھی۔ اسے ابھی تک اپنے لیے یہی محسوس ہوتا تھا۔ اسم بھی مزید کچھ کہنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اسی لیے خاموشی سے لپٹ گیا۔

☆.....☆

بال درانی کافی دنوں بعد کھانے کے وقت گھر میں موجود تھے۔ لیکن فائق غائب تھا۔ کھانے کے کافی دیر بعد تک بھی وہ اس کا انتظار کرتے رہے تھے لیکن وہ نہیں آیا تھا۔ تب آکر وہ گیارہ بجے اپنے کمرے میں

آرام کرنے چلے آئے تھے۔ صالو کے پچھنے پر بھی انہیں سے نہیں ہاتھ پٹا کیا کہ وہ اس کا انتظار کیوں کر رہے ہیں۔ صالو کو بھی گھر لانا تھی کہ یہ نہیں کیا بات ہے۔ آخر انہوں نے پوچھ لیا۔ "کوئی خاص بات ہے جو آج بیٹے کا اس شدت سے انتظار ہے۔"

"بات خاص ہے یا تم کو سمجھنے والے پر Depend کرتا ہے۔" بلال درانی نے باپ کو لایٹر سے ملگے ہوئے ایک نظر بنوڑی کو دیکھا۔

"کیا مطلب؟" وہ ابھی ہوئی نظر آئیں۔

"اب تمہیں بھی مطلب سمجھایا جائے تو تمہارے ماں ہونے پر شک ہوگا۔" بلال درانی کی سنجیدگی بڑھ گئی۔

ایسا کیوں کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ اپنے انڈیشوں سے ہراساں ہو کر بولیں "تو اس میں غلط کیا ہے۔ آپ کی نظر اپنے بیٹے کے کسی فعل پر نہیں؟ وہ اپنی بیوی سے بچن ہے اور دوسروں کی بیٹیوں کو لیے لیے گھومتا ہے آخر وہ چاہتا کیا ہے۔" ان کی سنجیدگی میں دباؤ غصہ تھا۔

"آپ کسی کی بات کر رہے ہیں؟" صالو انجان بن کر بولیں

"تم انہی بے خبر نہیں ہو جاؤ گی طرح جانتی ہو میں کسی کی بات کر رہا ہوں۔" انہوں نے تشریح سے کہا بھی اور دیکھا بھی۔

"وہ تو اس دن ہم سب اس کے ساتھ تھے میرے بڑے آئی تھی مجھ سے ظاہر ہے شہری اور ذہب نے بھی ساتھ ہی آ تھا۔ ایسا کیا ہوا ہو گیا۔" صالو نے فوراً صفائی دی۔

"میرا یہ ہے کہ وہ صرف اس ایک دن نہیں بلکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی شہری کے ساتھ ہی دکھائی دیا جاتا رہا ہے اور اب تو شرع نے بھی اعتراض کیا ہے اس بات پر۔" بلال درانی بیٹھے سے اٹھ کر کمرے میں چکر کاٹنے لگے۔

"کیا.....؟" شرع بھائی نے؟ لیکن انہیں اپنی بیٹی کے کسی عمل پر اعتراض نہیں ہے کیا؟" صالو کے اندر یکدم ساس جاگ اٹھی "ہمارا بیٹا اگر دھوا دھر بیٹک رہا ہے تو اس میں بھی ان کی بیٹی کا تصور ہے۔ ان کی بیٹی کو نہ گھر سمجھانا آیا ہے اور نہ ہی رشتے۔ انہیں صرف فائین پر نہیں اپنی بیٹی کا ڈھونڈنا چاہیے۔" وہ بیٹے کی حمایت میں تلخ ہو گئیں۔

"تو فائق کون سی اچھی مثال پیش کر رہا ہے ہمارے سامنے گھربانے اور منہیا لے کی ذمہ داری ایک فرد پر عائد نہیں ہوتی صالو اسے کو پسند کی شادی کی کسی قربانیت قدم رہے۔" بلال درانی کا رویہ صالو کے لیے ناقابل فہم تھا "آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ میرے کہنے کا اثر ہو جائے تو فائق سے کوہم کے ساتھ اپنی ریلیشن شپ کو ایک اور موقع دے۔" وہ یکدم غصہ کر بیٹھ گئے "آپ کا کیا مطلب ہے میں نے یہ کوشش نہیں کی؟"

صالو نے پوری طرح جتایا "جی ہاں کیونکہ میرا دوبارہ سے کوشش کرو میں اس کے لیے ویس دانی کو بھی خالی کر دالی ہے۔ اسے کہو کہ تم کو لے کر وہاں شفٹ کر جائے۔ تاکہ وہاں کوئی اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس ہو جائے

"بلال درانی نے اس بار بہت زہی اور جھل سے بات کہی۔ صالو کو حیرت کا ہلکا سا لگا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ وہ ویس چھوڑ کر چلا جائے؟"

"وقت کا تقاضا یہی ہے صالو۔ اس کی اولاد ہونے والی ہے اس کا بھی کچھ فرض ہے انہم بھی وقت کے ساتھ ساتھ صحیح ہو جائے گی رہی ویس چھوڑ کر جانے کی بات تو وہ ویس پہلے کتنا نا تم دیتا ہے تم اسے سمجھاؤ۔"

بلال درانی کے لیے کہنا جتنا آسان تھا صالو کے لیے کرنا اتنا ہی مشکل.....

"اسے ماننا چاہیے۔ میں اس کی وجہ سے شرع سے اپنی دوستی خراب کر نہیں چاہتا۔" بلال درانی نے اپنا فیصلہ تو سنایا تھا لیکن صالو کو کشش میں ڈال دیا تھا۔

☆.....☆

فائق دے گھر کے رات کو گھر لٹ کر آیا تو بلال اور صالو سوچے تھے باقی نڈ میں کس اپنے کوارٹر میں جا چکی تھی۔ آفس کے بعد دوستوں کے ساتھ ڈنر کے بعد مووی دیکھنے کا پروگرام بن گیا تھا۔ اس دوران پہلے میری کی کالز آتی ہیں اور بعد میں صالو کی گھر وہوں کی کالز بھی نہیں سن سکا تھا اب گھر آ کر پہنچ کر گھر کے بعد بستر پر غم دراز ہوتے ہوئے اس نے سب سے پہلا کام شہری کو کال کرنے کا کیا۔ وہ کال دیکھ کر کہتے ہی یہ تقراری سے بولی۔

"شکر ہے فائق تم نے فون تو کیا۔ کہاں تھے کیا کر رہے تھے۔" شہریت تو فائق کو وہ سوال پر سوال کرتی چلی گئی تو فائق اس کی تقراری سے مظلوظ ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"مائی ڈیز سائرس تو لے لو تمہارے پیچھے کوئی فورس لگی ہوئی ہے یا کوئی گن پوائنٹ پر دے گئے ہوئے ہے۔"

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو نہیں معلوم ہے میں اتنی پریشان کی تم کال کر نہیں کر رہے تھے طرح طرح کے دہم آ رہے تھے مجھے۔" وہ بکڑ کر اپنی پریشانی کا اظہار کرتی فائق کو بچنے پر مجبور کر رہی تھی۔ "کیسے دہم..... ہوا کیا ہے۔"

"You Know میں اپنے فرینڈز کے ساتھ ہوں تو ماما کی کال بھی نہیں سنتا۔" فائق نے وضاحت کر دی۔

"چاہے کوئی ایمر جنس ہو جائے؟ کچھ بھی ہو جائے۔"

وہ تنبیہ کے کہتے رو پائی ہو گئی۔

"تم صاف صاف بتاؤ ہوا کیا ہے۔" فائق قدرے چڑ کر بولا۔

"وہی جس کا مجھے ڈر تھا۔ شہر بھائی نے ہم دونوں کو اکٹھے دیکھ لیا ہے۔" وہ اپنے خوف اور اندیشے کو ظاہر کیے بغیر نہ کر سکا۔ "So what! رنے کی کیا بات ہے میری عمر کتنی ہو۔ میرے ساتھ کہیں بھی جا سکتی ہو۔"

فائق نے لا پرواہی سے کہتے ہوئے ریموٹ کنٹرول سے ایل ای ڈی کو آن کیا "مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں۔"

فائق تم سمجھ نہیں رہے ہو تمہارا اور رینا کا سہرا ل ایک ہی ہے میری تو چھوڑ تم دونوں کے لیے بہت

پراہم ہو جائے گی۔

”ہاں بھی کیا واقعی بی بی جان نے میرے لیے لڑ کے دیکھنے شروع کر دیے تھے۔“ اس کے بے چینی پھیل کر سامنے آ گئی۔

”مجھے کبھی نہیں پتہ ہے مگر میں نے سنا سبیا ہے۔“

”ہاں بھی عامر کے گھر والے بھی آ جا چاہتے ہیں۔ کیا آپ میری ہیلپ کریں گی؟“ وہ بڑی آس سے پوچھ رہی تھی۔

”ہیلپ کیسی ہیلپ؟“ اردوئی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس سلسلے میں اس سے مدد چاہتی ہے۔ وہ اس کے لیے کیا کر سکتی ہے۔

”ہاں بھی۔ آپ کسی بھی طرح بی بی جان کو بتا دیجیے کہ میں عامر کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گی۔“

”کیا؟۔۔۔ میں کیسے بتا سکتی ہوں وہ تو پہلے ہی انہم کے لیے پریشان ہیں اب تمہارے حوالے سے کوئی پریشان نہیں ملے گی تو وہ کس قدر Tense ہوں گی سوچا ہے تم نے۔“ اردوئی کی سن گھبرا گئی تھی۔

”ہاں بھی۔۔۔ میں تو انہیں پریشانی سے بچانے کی بات کر رہی ہوں۔ اگر انہوں نے کوئی پروپوزل قبول کر لیا اور میں نے انکار کر دیا تو پھر سوچیں کیا ہو گا؟“ نیلم نے لا پر داسی سے اپنے ارادوں سے آگاہ کیا۔ اردوئی مزید حیران ہوئی۔

”نیلم۔۔۔ تم ایسا کرو گی؟“ اردوئی نے بے یقینی سے دیکھا بھی۔

”ہاں بھی میں عامر کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ آپ پلیز کسی طرح بھی بی بی جان تک یہ بات پہنچا دیں۔“ نیلم کے اٹل ارادے اس کے چہرے پر بھی دکھتے۔

”نیلم میرے لیے یہ بہت مشکل ہے۔ تم ٹھن بھائی سے کہو وہ یقیناً زیادہ مناسب طریقے سے بات بڑھا سکیں گی۔“ اردوئی کو تنگ کیا تاکہ کہہ کر وہ چھٹائی۔ ”مجھے کسی پرستار نہیں ہے مجھے آپ پر بھروسہ ہے کہ آپ کسی کو بتانے بغیر بی بی جان سے صاف بات کریں گی پلیز ہاں بھی میری زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ میں کسی اور کے ساتھ خوش نہیں رہ سکیں گی۔“

”میں ان سے کیا کہوں گی کہ۔۔۔ اور پھر تمہارے لیے تو بی بی جان اور بابا جان ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں نا۔“ اردوئی کو خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اسے کیسے بھجائے۔

”انہم کے لیے بھی تو انہوں نے ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کا حال دیکھیں وہ کتنی ناخوش ہے یہیں آ کر بیٹھی ہوئی ہے۔“ اردوئی کو سن کر مزید حیران ہوئی وہ کسی قدر بدگمان ہو رہی تھی۔

”نیلم۔ والدین اپنی اولاد کے لیے کسی پرستار نہیں چاہتے۔ ہاں انسان خود اگر اپنے حالات سے خیر نہ سکے تو اور بات ہے یا پھر مقدار کا گھٹا نہیں مل سکتے۔“ اردوئی نے نرمی سے سمجھایا۔

”میں سمجھ نہیں جانتی۔ مجھے صرف یہی سمجھ آتی ہے کہ میں نے اپنے لیے صحیح بندے کو چنا ہے۔“ نیلم اپنی بات منوانے کا عزم ظاہر کرتی اردوئی کو طرز پر بولے سے روک گئی۔

”شہری جیسے راج ہو کر کسی بات کے لیے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”مجھے کیوں پراہم ہو گی۔ میں اپنے کسی عمل کا کسی کے بھی سامنے جواب نہیں ہوں۔“ وہ بڑک بولا۔

”انہم ابھی تک تم سے وابستہ ہے فائق، یہ بات کیوں بھول رہے ہو۔“ شہرینہ آج اس سے کچھ منوانا چاہتی تھی۔

”بس کچھ نا کم کی بات ہے یہ وہ ابھی بھی ختم ہو جائے گی۔ ڈنٹ دہری۔“ فائق کی بات میں واضح بیڑا تھی۔

”مجھے صرف تمہاری فکر ہے فائق۔ میری محبت تمہیں بکھرے سے پہلے سیٹ لیا جاتی ہے تم مجھے بھی بھی پکار لینا میں بروہم تمہارے ساتھ ہوں۔“ شہری رات کے تیسرے پہر اپنے جذبات عیاں کرتے ہوئے بالکل بھی نہیں چھپکالی۔

”انہم نے ہمیشہ محبت کا اظہار کیا تھا۔ اب اسے شہری سے اظہار مل رہا تھا محبت کا یہ ڈھب اس کے لیے نیا بھی تھا اور سرد و گھبر بھی۔ وہ بہت کم فائق کو کیا کرتا۔

☆.....☆

اردوئی لڑا لڑ جھڑکی اور ایسے کے بعد بچے آئی تو خلاف توقع و معمول نیلم پہلے ہی بچن میں لکڑی چائے پاری تھی۔

”نیلم۔۔۔ انہم؟۔۔۔“ نیلم کو دیکھ کر اردوئی نے بے ساختہ حیرت کا اظہار کیا۔ ”ہاں بھی میں اپنے لیے چائے پاری ہوں آپ نہیں کی۔“ نیلم نے مرکز دیکھا وہ بھی نیلم میں سر ہلاتی آگے بڑھ آئی۔ ”میں پہلے میں بی بی جان اور بابا جان کے لیے چائے بناؤں گی۔“ اردوئی نے بات کرتے کرتے کھینچی میں پانی لیا اور چلایا

چلایا ”ختم آج آج تک اٹھ کی ہو گئی نیست وغیرہ“ اردوئی نے سرسری لہجہ میں پوچھا۔

”اردوئی بھائی مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے پلیز آپ مجھے مجھ نا کم دیں۔“ نیلم نے ہلا توقف اپنی بات کی۔

”مجھ سے؟ اچھا میں ابھی تمہارے کمرے میں آتی ہوں۔“ شادی بھی بچن میں اٹھ کر آ گئی تھی اس لیے اردوئی نے اسے نہیں کر دیا۔ نیلم بھی اپنے لیے چائے کاگ لے کر بچن سے نکل گئی اردوئی سوچ میں تھی کہ وہ اس سے کیا بات کرے گی۔ اردوئی بی بی جان اور بابا جان کو چائے دینے کے بعد کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی ان کی دلجوئی کرتی رہی۔ انہم کے حوالے سے ان کی پریشانی کو امید میری تسلیوں سے چھپانے کی کوشش کر کے وہ بھی تو اسے یاد آ کر نیلم اس کے انتظار میں ہو گی۔ وہ اس کے کمرے میں آئی تو وہ واقعی کمرے میں نہیں رہی تھی۔

اردوئی کو دیکھ کر وہ غصہ ”ہاں بھی اتنی دیر؟“

”دو۔۔۔؟ میں تو جلدی آ گئی ہوں۔ تم بتاؤ کیا بات ہے“ اردوئی اس کا ہاتھ تھام کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گئی۔

”ٹھیک ہے۔ میں بی بی جان سے موقع نہ دیکھ کر بات کرنے کی کوشش کر دوں گی“ اردوئی نے ہلکا خرابان کر کہا۔ ٹیلم کے چہرے پر بھی اطمینان و خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اسے لگتا تھا کہ یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے۔

☆☆☆☆

صالحہ صبح سے بیٹے کے اٹھنے کا انتظار کر رہی تھیں۔ مگر وہ کمرے سے باہر ہی نہیں آیا تھا۔ بلال روائی بھی آفس چا بیٹھے تھے۔ وہ بار بار بچے کی پوری تیاری کے ساتھ کمرے سے برآمد ہوا تو صالحہ کا لہجہ خود بخود غلطیہ ہو گیا۔ ”آج پھر آج نہیں جاؤ گے۔“

”نہیں۔ میں نہیں بچے پر انوائٹ ہوں۔ بچے کے بعد چلا جاؤں گا۔“ وہ اپنے آپ میں مگن سا بلا نظر موبائل پر مرکوز تھیں۔

”تمہاری یہ حرکتیں اب تمہارے پیاپا سے بھی برداشت نہیں ہو رہیں۔ اسی لیے انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے۔“ صالحہ بہت چڑھ کر پھونکا کر بول رہی تھیں۔ ”کیسا فیصلہ؟“ وہ یکدم چونک اٹھا۔ نظر کارنگاز بھی بدلا تھا اور موبائل اسکرین پر حرکت کرتی انگلی بھی سہم گئی تھی۔

”وہ جنہیں الگ برٹنس سینٹ اپ اور مگر دینیے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔“ صالحہ نے اس کے سر پر کوئی ہم پھوڑ دیا تھا۔

”مگر کیوں؟“ وہ فوراً ہی اس کے پاس بیٹھ گیا۔

”کیسا نے..... صلحہ.....؟“ فائق کے اثرات دیدہ لی تھے۔

”وہ جنہیں الگ برٹنس سینٹ اپ اور مگر دینیے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔“ صالحہ نے بڑی ہمت جمع کر کے بیٹے کو شہر کا فیصلہ بتایا۔

”مگر کیوں؟“ وہ فوراً ہی پوچھنے لگا۔

”میں نے تو ان سے کوئی ڈیمانڈ نہیں کی اور نہ ہی میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر کہیں جانا چاہتا ہوں اور نہ ہی میں جاؤں گا۔“ وہ قطعی انداز میں بول رہا تھا۔

”نہیں کی نہیں.....“ صالحہ کی فحشگی میں ذرا کمی آئی۔ وہ بات مکمل نہ کر سکی۔ فائق نے جاچٹن ٹھمرنے سے دیکھ کر چہچہا۔ ”لیکن کیا؟“ آپ چپ کیوں ہو گئیں؟ بتائیں مجھے یہ ڈیمانڈ دوسرے ہوئی ہے؟ ہا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟“ وہ ہلٹے ہوئے جوش میں آ گیا۔

”میں نہیں جانتی یہ ڈیمانڈ دوسرے ہوئی ہے یا تمہارے پیاپا کا فیصلہ ہے۔۔۔ بس وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنی بیوی اور بچے کی ذمہ داری خود اٹھاؤ۔“ صالحہ نے غصہ بھر کر کہا۔ ”جب ہی اس دنیا میں آئے گا تو اٹھاؤں گا۔ میں اس کی ذمہ داری بھی۔ رہا بیوی کا معاملہ تو انہم کی بیوی زندگی میں کوئی کھنچا نہیں ہے نہ جبکہ۔“ فائق کا انداز اڑاں تھا۔

”تم کیا کہہ رہے ہو فائق..... تمہارے پیاپا یہ بھی نہیں ہونے دیں گے“ صالحہ جبر سے تاثر لیے کوفت سے بولیں۔

”میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔ بلکہ میں ایک بات اور بھی کلیئر کرنا چاہتا ہوں۔ میں جلد ہی دوسری

شادی کرنے والا ہوں۔“

”کیا.....؟“ صالحہ مارے حیرت کے بول ہی نہیں پائیں۔ گویا جو وہ محسوس کر رہی تھیں وہ ہونے جا رہا تھا۔

”فائق..... تم..... تم..... شاد..... دی!“

”ہیلو ماما..... مجھے سمجھانے کی کوشش ہے ہاں مگر میں بھی فیصلہ کر چکا ہوں۔“ اس نے اپنی بات جتنی اعلاز میں کہی اور وہاں سے نکل چلا گیا۔ صالحہ کی نظر لخت لخت ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆

بی بی جان ناشتے کے بعد اپنی معمولی کی دوکان لکھ کر کچھ برساتا نہ لیتی تھیں۔ سیرینڈ اور شمن کچن میں دو پھر کے کھانے کی تیاری میں تھیں۔ اردوئی انہم کے کاموں سے فارغ ہو کر بیچنے کی تو بی بی جان ٹیلم کے حوالے سے بات کرنے کے لیے وہ ان کے کمرے میں پہلی آئی۔ رنگ دے کر وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تو بی بی جان ایک لگائے ہوئے کنبے میں آدھ آؤٹ ہوا۔ میں ابھی تمہیں بلانے کا سوچ رہی تھی۔

”کوئی کام ہے آپ؟ جی بتائیے۔“ وہ فوراً اُس کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی۔ ”کام تو کوئی نہیں ہے بس ایسے ہی کچا رہا تھا۔ کسی سے بات کرنے کو“ بی بی جان خوشی آؤ بھر کر بولیں۔

”بی بی جان آپ پریشان مت ہوں انشاء اللہ سب معاملات ٹھیک ہو جائیں گے۔“ اردوئی جیسے ان کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔

”اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ اولاد کے دکھاوی طرح سے بچپن رکھتے ہیں۔ انہم کے لیے دل پریشان رہتا ہے۔“ بی بی جان نے اپنا دل کھول کر دکھایا۔ ”ظاہر ہے بی بی جان بچی کے لیے پریشان نہیں ہوں گی تو کون ہوگا۔ میں آپ کی حالت سمجھ سکتی ہوں بی بی جان!“ اردوئی نے ان کی دلجوئی کی خاطر ان کے اس بیٹھ کر ان کا ہاتھ میں قہام لیا۔ ”کاش یہ بات انہم کو بھی سمجھ میں آ جائے کہ اس کے یہاں آ کر رہنے سے ٹیلم کے لیے کتنی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں اس کے لیے آئے دلا سرتے انہم کی یہاں موجودگی کی وجہ پہلے جانا چاہتے ہیں۔“

”کیا.....؟“ اردوئی پہلے تو بے ساختہ حیرت سے بولی۔ پھر یکدم خود کو ہسپتال کر بولی۔ ”بی بی جان انہم کی یہاں سیکے میں رہنا تو کوئی بڑا مسئلہ تو نہیں ہے کئی خاندانوں میں بیٹیاں اس کنڈیشن میں سیکے میں آ کر رہتی ہیں۔“

”رہتی ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن جب مگر کے معاملات کشیدہ ہو جائیں تو لوگوں کی نگاہوں سے کیسے بچ سکتے ہیں۔“ بی بی جان کے چہرے پر بلال نافٹ کیساں تھا۔

”آپ کی فکریں اپنی جگہ درست ہیں بی بی جان لیکن اللہ تعالیٰ کی نکت سے بڑھ کر تو کچھ نہیں آپ اللہ پر اپنا بھروسہ کر سکتی ہیں۔ انہم اور انہم کے معتمد میں انکار و اندھ خوشیاں ہو گئی۔“ اردوئی نے پورے غلوص سے انہیں اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ ”آمین۔ اللہ میرے بھی بچوں کو خوشی دے دے۔“ لکھے اور زندگی میں کیا چاہیے۔ ”بی بی جان کو کسی جیسے حادس کی بھی اردوئی جو بات کہنے آئی تھی کہ نہیں سکی۔ ٹیلم کا پیغام انہیں دے دے کہ وہ انہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆

فائق بہت غصے میں جذباتی ہو کر مگر سے نکلا قہام کی ضدت دوسری اور برے رویوں کے باوجود اس

فائق نے فخر کو جتنا جتنا یاد کیا تھا۔ اب اپنے بے عمل کرنے کے لیے اس کے ذہن میں ایک نیا نام تھا شہرہ۔ اس کی زندگی میں دوست اور کیا اس وقت ہمیں سن کے ساتھ وہ وقت گزرا تھا لیکن ایسی کوئی نہیں تھی جس کے ساتھ وہ زندگی گزارے گا فیصلہ کرنا سوائے شہرہ کے شہرہ خاندان کی لڑکی تھی اور گھر کی اہمیت اور شوق پاپس کرنا چاہتی تھی اور وہ اپنی جیت کا احساس بھی اسے بخشنے لگی تھی۔

ابھی اس نے لمحے بھر میں فیصلہ کر لیا تھا اور اب وہ اسے خون کر رہا تھا۔

☆.....☆

شہرہ اپنے اسکول کے آفس میں بیٹھی اسکول منجھڑے آنے والے کسی اسکول اینٹ پر بات چیت کر رہی تھی۔ اسی لمحے فائق کی کال اس کے فون پر تھہ گئی۔ منجھڑ کی موجودگی میں وہ اس سے بات کرنے ہوئے بچپڑا ہی کسی ایک بارو اس نے رابطہ قطع کر دیا لیکن اگلے ہی پل پھر فون بجنے کی ایک دہ منجھڑ کے چہرے پر اس نے سنی فیز سکرانٹ دیکھ کر فوراً کر رہیو کر لی۔

”میں ابھی منجھڑ کے ساتھ میٹنگ میں ہوں بعد میں کال کرتی ہوں۔۔۔“ شہرہ نے بہت دھم لہجے میں کہا۔

”بھائو! میں جائے تہناری میٹنگ پہلے سیری بات سنو۔“ دوسری طرف وہ ہانپتے ہوئے سے بولا تو شہرینہ
 ”اوکے... اوکے... جنت اے منٹ!“ اس نے جیسے اسے ٹھہرایا ”لیجیو مجھے زانیاتی ویسکن ہم کل
 کریں گے۔“ اس نے بھی کو جانے کا اشارہ کیا۔ ایک دو گھنچہ زندگی میں میں بوڑھائی ہوئی تھی۔ لیجیو کے
 ہاتھ پر اس نے بے مبرے پن سے فائق کوئون پر لکارا ”فائق؟ Are you there؟ فائق خیریت ہے یا
 نہیں... کتنا کہتا؟“

”ابھی تک کوئی نہیں ہوا مگر ہونے جا رہا ہے تم میں اکتاہٹ دور؟ Will you marry me؟“

”نہ۔۔۔ نہیں مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میری اتنی بڑی خواہش پوری ہوئے جارہی ہے“ شہرہ کی دواز خوشی سے لپک رہی تھی۔

”خوشیوں میں یقین دلانے کے لیے کیا کروں میں۔ اچھا ہے اسکول سے کلکونین میں تمہیں لے آ رہا ہوں۔“ فائیکس نے بات ختم کرتے ہی رابطہ منقطع کر دیا اور گاڑی کی کپانی کا چلاسا سائے میز سے اٹھا کر آکس سے چلا گیا۔

☆.....☆

کالج کے دوسرے گیت کے باوجود اسرار پانی گاڑی لیے کھڑا تھا۔ "نیلیم نہ نہ کرتی بھی اس کی ناراضگی کے ڈر سے ہٹا کر خالی گاہم میں باہر نکل آئی تھی۔ بلکہ سارا نے ہی اسے مجبور کیا تھا کہ وہ پہلی جاگے عامر جیسے اس کا منتظر تھا۔ اس کے گاڑی میں بیٹھے ہی اس نے گاڑی بڑھائی۔

"عامر روز روز اس طرح ملنا مناسب نہیں ہے۔ اس طرح میری بڑھائی بھی متاثر ہو رہی ہے اور میرا اہنج بھی۔" نیلیم نے اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے نکلتی سے کہا۔ اردو کی کلاس میں اور فقہ کی کلاں اسے اپنے نقاب میں محسوس ہو رہی تھیں۔

"اچھا تمہیں اپنی بڑھائی اور اہنج کی بڑی ہے اور میں اپنا وقت بڑھائیں کہ تمہاری خاطر تمہاری ایک جھلک دیکھنے کے لیے سارا دن خار ہوتا ہوں۔ اس کا احساس ہی نہیں ہے تمہیں۔" عامر نے جوابی صراحت کیا تو وہ ایک دم جھماک کی طرح بیٹھ گئی۔

"مجھے احساس ہے سچی تو کہہ رہی ہوں۔ تم بھی اپنے گھر والوں سے کیا کیا بہانے کرتے ہو گے اگر کسی دن ہمیں کسی نے دیکھ لیا تو سوچو معاملہ بگڑ نہ جائے۔" وہ اس کی ناراضگی سے ڈر جاتی تھی۔

"میرے گھر والوں کی فکر نہ کرو انہیں میں نے تمہارے بارے میں بتا دیا ہے اور سنا بھی لیا ہے اب تو تمہاری طرف سے مسئلے ملے تو ہم لوگ آ جائیں گے۔" عامر نے بھی اظہارِ ہرجاء کیا۔ "واقعی تمہارے گھر والے مان گئے ہیں؟ انہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟" نیلیم خوشی سے پوچھنے لگی۔ "نیلیم اس کی اندرونی کیفیت بدل گئی تھی۔" میں نے کہا تھا ناں میرے گھر والوں کو میری خوشی چاہیے۔ وہ تو تم سے ملنے کو بے تاب ہیں۔ بولو چل رہی ہو مگر۔"

"میں..... اس طرح؟ تمہارے گھر؟ نہیں، یہی نہیں۔ میں اس طرح تو کبھی نہیں جاؤں گی البتہ وہ ہمارے گھر آئیں گے تو قول لیں۔" نیلیم نے صحت انکار کیا تو عامر کا سہن لیا۔

"ہاں بشرطیکہ تمہارے گھر والوں سے میرا پروپونل Accept کر لیا تو ہمیں لی پاؤ گی میرے گھر والوں سے دور نہ رہنا تمہارے گھر والوں نے انکار کر دیا تو میں خوشی کر لوں گا۔" عامر نے قدر سے جذباتی ہو کر کہا تو نیلیم ہنسی گئی۔

"ایکس باتیں کیوں کر رہے ہو۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا ناں جاں گیں گے میرے گھر والے بھی۔ میں نے اپنی بھابھی سے کہہ دیا ہے کہ وہ بی بی جان کو بتا دیں۔ پھر میں تمہیں بتا دوں گی تم بھیج دینا اپنے بیٹے کو۔" نیلیم نے بے اختیار جی میں اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

"میں یار جو بھی کرنا ہے جلدی کر لو اب اور انتظار نہیں ہوتا۔" عامر نے اس کا سر ہلکے سے تھپتھپایا۔

"ہوں میری سہیلی حال ہے۔" نیلیم نے مکمل کر اعتراض کیا تو عامر کے لب مزید مکمل اٹھے۔ آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

☆.....☆

انہم بی بی جان کے کمرے میں تو لا پر دای کا مظاہرہ کر کے آئی تھی لیکن کمرے میں آتے ہی اس کا دل

فائق دوسری شادی کرنے جا رہا ہے مطلب مجھے بیٹھ کے لیے چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ وہ غصہ مند سانس بھر کر بستر پر جیسے ڈھسے گئی۔ اس کا وجود ہولے ہولے لرزنے لگا۔ سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ اس کا ذہن مضطرب تھا۔ تو کیا اس کی محبت اس کے وعدے بھی جھوٹے تھے۔ اس نے تو کہا تھا اس کی زندگی میں کوئی ایسی ہستی نہیں ہوگی جو میری جگہ لے سکے۔ مگر..... اب..... آخر وہ کون ہے..... میری جگہ لے رہی ہے..... کون ہے..... وہ؟ انہم کا دل ڈوب رہا تھا جسم سے جیسے جان نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ایک نئی اذیت سے گزر رہی تھی۔ اس کے وجود میں ایک اور وجود کا سانس لے رہا تھا۔ آج پہلی بار اسے اپنے دھوکے اندر پلٹے وجود کا احساس ہوا یا اللہ..... میرا بچہ..... اس کے اندر دو عالم کی لہریں موجزن ہو گئیں جسم کے ہر سانس سے پسینہ پھوٹ پڑا۔ وہ جیسے ترپے گئی۔ اس کی نفس و حرکت سے بیڑہ سائینز پر اپنی کافالی گھاس فرش پر اچھٹا کے آواز باہر تک سنائی دی گئی۔

☆.....☆

اردو کی کڑوں کے پیچھے لائڈری اس پر اسے امم کے پڑے کے انہم کے کمرے کے سامنے سے گزری تو چھانے کی آواز پر صدمہ کھڑی ہو گئی۔ انہم کے کمرے کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔ آٹ بار تو دل میں آیا کہ پوچھ کر درجائے انہم کی تلخ کوئی سے درگاہ تھا میں اندر سے آتی بیچ نے اسے بے اختیار اندر بڑھنے پر مجبور کر دیا انہم کی حالت ناگفتہ بہ تھی وہ امم کے پڑے کے ایک طرف رکھ کر انہم کے لیے پریشان ہی اس کی طرف بڑھ کر پوچھی۔

"انہم..... انہم کیا ہوا ہے؟"

"لی..... بی..... جا..... میں..... مگر..... انہم کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ اردو کی اس کی حالت دیکھ کر گھبرا کر پلٹی اور تقریباً دوڑتی ہوئی پک بک بکٹی۔

"تمہیں بھالی..... تمہیں بھالی..... اے..... کو پتہ نہیں کیا ہوا ہے۔" اردو کی کی گھبرائی ہوئی آواز پر

شمن ایک دم پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"انہم..... اچھا..... چلو..... چلو..... چلو..... چلو..... دیکھتی ہوں۔"

شمن چلے بند کر کے ہی اردو کی کے ساتھ تیز قدموں سے چکی۔ سر پہ کچھ پروٹو کھڑی ہو جاتی رہی کہ انہم کو کیا ہو سکتا ہے سوائے ناہر ہونے کے۔ وہ اپنی سوچ جھٹکتی دوا بارہ سے اپنی دس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆.....☆

انہم کو ترپے دیکھ کر شمن اس کی کیفیت پر گھبرائی۔ ابھی اس کی ڈیوری میں دو مہینے باقی تھے۔ اردو کی..... اردو کی تم حریف چچا سے کچھ گاڑی اشارت رکھیں۔ انہم کو فوراً ہاسٹل لے جانا پڑے گا۔ اور..... اور شاید شو کو بھی سمجھو۔ جلدی کر....." شمن نے انہم کو جھک کر اپنی بانہوں میں سمیٹا۔ اردو کی فوراً ہر ایک گئی۔

پہلی گھر میں گھر میں انہم کی طبیعت کی وجہ سے پریشانی پھیل گئی۔ بی بی جان بھی کمرے سے نکل آتی تھیں۔ شمن انہم کو شاید اور شو کی مدد سے پورچ میں کھڑی گاڑی تک لے آتی تھی۔ بی بی جان بھی گھبرا جاتی تھیں۔ شمن نے ہوشیار مکمل ساتھ چلنے سے روکا۔ بی بی جان..... ابھی ہمیں جانے دیں آپ بعد میں آ جائے گا بی بی جان نے غمی میں سر ہلایا..... نہیں..... نہیں..... اس کو اردو کی کی ضرورت ہوگی۔ میں چل رہی ہوں بس..... بی بی جان

زبردستی آگئی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ بحث مباحثے کا وقت نہیں تھا سو دوڑا ہسپتال کے لیے روانہ ہو گئے۔

☆☆

شہرینہ جتنی دیر فائق کے انتظار میں کھڑی رہی۔ ہرینہ کو خوش خبری سنانے کی کوشش کرتی رہی لیکن ہرینہ اس کی کال نہیں رد کر دیتی تھی۔ آخر فائق اسے لے آ گیا تھا۔ سرخ چھلوں کے گلہ سے کو فائق کے ہاتھوں سے لیے ہوئے شہرینہ کی آنکھوں میں کی سی بھراؤ تھی۔ اس کے چہرے پر بڑا دل کا ویرانہ تھا۔ ”کو۔۔۔ اب تو ہمیں یقین آ گیا ہے کہ میں نے نہیں جو بھی کہا پورا ہے ہوش و حواس میں کہا ہے۔“ فائق نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ بہت بہت خصوصیت اور محبت بھرے لہجے میں استفسار کیا تو دوسرا بلا کر آنکھوں کی پھلکیاں مسکرائی گئی۔

”فائق۔۔۔ ق۔۔۔ تو سوچ بھی نہیں سکتے کہ تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے۔ اس دن کی خواہش تو مجھے تب سے تھی جب تم انہی محبت میں گرفتار بھی نہیں ہوئے تھے اور۔۔۔ اس کی آواز خوشی سے پکپکاتی تھی۔ فائق نے ایک ہاتھ سے اسٹرپ سے ہٹا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ”بھول جاؤ کہ بھی میں نے کئی اور“ سے محبت کی تھی۔“ فائق نے اسے یقین بخشنے کی کوشش کی۔

”تم بھول جاؤ کہ مجھے کیسا یاز نہیں رہے گا فائق۔“ میں بھول گیا ہوں۔ تمہیں تو ہماری طرف پرہیزگاروں شہرینہ کے خوف کو فائق نے بڑی خوبصورتی سے زائل کیا تھا وہ اسے وہاں سے سیدھا ایک بڑی بیلواری شاپ میں لے آ گیا تھا۔ شہرینہ کو بھی کچھ خواب گلبڑا تھا۔ فائق نے اس کے لیے اسی کی پسند کی کٹنی کی انگوٹھی خریدی تھی۔ اور پھر بھول کی لالی میں ہی بیٹھ کر وہ انگوٹھی اسے پہنا دی تھی شہرینہ کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ خود آ آسان پراؤں محسوس کر رہی تھی اس کی محبت آج خواہ اس کے سامنے مگر ہوں تو بھی اسے اس کا کیا چاہیے تھا۔

☆☆

گمان کا جو لہجہ انہی کی حالت رکھ کر تھوٹیش میں تھی اس کا کسی تو مارل تھا لیکن اچانک صورت حال بدل گئی تھی۔ اس الزامہ اندر پر دہشت کے تحت بچی کو بھلا کر جلد آ پریشان کے ذریعے پیدا کرنا ضروری تھا۔ ڈاکٹر نے انہیں پہلے نہیں بتایا تھا کہ انہی کی افواش کر رہی ہے۔ بی بی جان اور دشمن ڈاکٹر کے کمرے میں ہی بیٹھی تھیں جب ڈاکٹر نے آ کر انہی کے شوہر کے بارے میں سوال اٹھایا۔

”سرمز بدہ خان۔۔۔ آپ انہی کے ہرینہ کو فوراً بلا لیں۔ انہی کا پریشانی ہو رہی ہے ضروری ہے وہ نہ بچی اور ماں دونوں کو خطرہ ہے۔ وہ ساتھ کیوں نہیں آئے۔“ ڈاکٹر رافینہ نے غلت میں کہا۔ بی بی جان کے چہرے پر پریشانی بڑھ گئی۔ فائق کہیے ۱۰۔ اسی نے تو آج یہ سچ سچ کہا تھا جو اس کی بچی موت و زندگی کی ٹھٹھکی میں تھی۔

”ڈاکٹر رافینہ دو ٹوک سے اسکا۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ ملک سے باہر ہے۔ انہی میری بیٹی ہے۔ لایے میں بیچہ زنا سن کر مرنے لگی۔“ بی بی جان نے اس وقت بڑے حوصلے سے کہا لیکن انہی کہتے کہتے چپ ہو گئی تھی۔ ”بی بی جان نے ایسا کیوں کہا فائق تو اسی شہر میں ہے۔“ یہ سوال نہ جرت نہ اس کے چہرے پر بھی تھا۔ بی بی جان نے اس سے نظریں ہٹا کر ہلکی سے کانڈات پر دھنکا کیے ”دعا کیجیے ہم دونوں کی جان بچانے میں کامیاب ہو جائیں۔“ کمرے سے نکلے ہی ڈاکٹر رافینہ نے پیچھے دوڑا انداز میں کہا۔ ڈاکٹر کے جانے ہی دشمن نے بی بی جان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں دلاسا دیا۔ ”بی بی جان آپ گلہ نہ کریں انشاء اللہ دونوں ٹھیک ہوں

گی۔ آپ کہیں تو میں فائق کو کال کر کے جانوں۔ وہ آ جائے گا۔“

”اس نے آ جا ہوتا تو آج انہی کی یہ حالت نہ ہوتی۔ وہی اس کا مذہب دار ہے۔ آج۔۔۔ اگر وہ اپنی دوسری شادی کی اطلاع نہ دیتا تو۔۔۔ انہم خطرے میں نہ پڑتی۔“ بی بی جان جی کے دکھ سے رو پڑیں۔ دشمن کو مزید حیرت ہوئی۔

”کیا۔۔۔ فائق دوسری شادی؟“ وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے۔ انہی نے ایسا کر دیا ہے جو وہ اس انتظار پہنچ گیا ہے۔“

”بھئی۔۔۔ انہم کا کیا جرم ہے۔ میری بیٹی کا نصیب بگڑ گیا ہے۔“

فائق کی محبت نفرت میں بدل گئی ہے۔ کیا وہ کبھی بھول گیا تھا۔

”بی بی جان رو نہیں نہیں۔ بابا جان نصیحتات کریں گے فائق سے۔ وقتی آسانی سے وہ دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ اپنی بیٹی سے وہ کیسے مڑ مڑ سکتا۔ آپ اللہ سے دعا کریں سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ بی بی جان ہولے ہولے سسکی رہیں۔ دشمن دلا سے دیتی رہی۔ انہیں انہی کے لیے کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ نہ جانے آگے کیا ہونے والا تھا۔ ان کا دل ڈر رہا تھا۔

اردو نے اسے امم کو چاکر انہی کی طبیعت بگڑ جانے اور اسپتال لے جانے کا بتایا تو وہ پہنچ پریشان ہو کر بیچے لاؤنج میں آ بیٹھا۔

”انہی کی حالت اس قدر خراب تھی کہ ہسپتال لے جا کر پڑا۔۔۔ اور مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔“ ہرینہ اپنے کمرے سے نکل کر آ کر ان کے درمیان بیٹھی تو شکوہ کیے کا بند نہ نکلی۔ ”رینہ بھائی۔۔۔ اتنا ہوش کے ہوگا۔۔۔ وہ تو شکر ہے انہی پرقت ہسپتال پہنچ گئی۔ ورنہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔“ انہی نے اس کے شکوے کا جواب ہچکچاتی سے دیا تو وہ دل ہی دل میں تسلیم کرنا غامری بات نہ ہوئی۔ ”سچ کہہ رہے ہو۔۔۔ اس وقت کے ہوش ہو گا دشمن بھائی کا فون آ یا۔۔۔ کوئی خیر خبر دی انہوں نے۔“

”بھئی بھائی۔۔۔ میں نے بات کی تھی۔ انہم کا سمجھا کر پڑ پڑا ہے۔ بی بی جان کہہ رہی تھیں سب دعا کریں۔“

اردو نے ہلکچلا کر بتایا۔ ”کیا۔۔۔؟ سمجھا پریشانی؟ ابھی تو بہت فائق تھا اور۔۔۔ انہم بھی۔۔۔“ ہرینہ کو بھی سن کر ہچکچا لگا۔ آج وہ بہت کم تو وہ باہر نکلنا نظر آ رہی تھی۔۔۔ میں دشمن بھائی سے تفصیل سے پتہ کرتی ہوں۔“ ہرینہ بھی اور وہاں سے دوبارہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ہرینہ نے اپنے کمرے میں آ کر اپنا سوا کھل چار جگہ سے اسکر کر رکھا تو شہرینہ کی سکاٹ آئی ہوئی تھیں۔ ”نہ جانے شہر کیوں کال کر رہی تھی؟ کیا کام ہوگا؟ ابھی پہلے میں بھائی کو تو کال کر لوں۔“ پھر ہچکچتی ہوں شہر کی۔۔۔ خود کھائی کرتے ہوئے ہرینہ نے دشمن کو فون کیا۔ دشمن نے ساری صورت حال سے آگاہ کیا تو فائق طور پر وہ بھی پریشان ہو گئی۔ انہم کی حالت خطرے میں تھی یہ بات قابل نشوونہی تو تھی۔ ”دشمن بھائی میں بھی آ جاؤں۔“

”دشمن بی بی جان کہہ رہی ہیں ابھی تم گھر پر ہی رہو۔ شاد اور جنہ کو ہم نے بلا لیا ہے۔ انہم کے لیے ملد کی ضرورت پرکتی ہے۔“ دشمن نے ہرینہ کو آنے سے روکا تو وہ دل میں جھنجھکیاں مٹانے لگی تو سب کی نظر میں

رہنے کا موقع چاہیے۔ وہ مجھے کہاں برداشت کریں گی۔ یہ سوچ کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا اور شہرینہ کو کال کرنے لگی۔ لیکن اب وہ اس کی کال ریسیو نہیں کر رہی تھی۔ آخر خٹک کردہ کمرے سے نکل آئی۔ کچھ بھی تھا۔ ابھی مگر اس کی ذمہ داری تھا۔

☆.....☆

نیلیم شام سے پہلے گھر واپس آئی تھی۔ اسے عاصی گھر سے کچھ قافلے پر اتار کر گیا تھا اس نے ڈرتے ڈرتے گھر میں قدم رکھا۔ گھر میں عجب سی خاموشی کا راج تھا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف دبے پاؤں بڑھ رہی تھی مگر شہرینہ کی اپنے کمرے سے آہم دھوئی "نہاب آئی ہو کالج ہے" سہرینہ نے مشکوک انداز میں پوچھ کر پوچھا۔ "ہاں....." وہ..... میں فصد کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی تھی۔ وہ گڑ بڑا کر بولی تو سہرینہ نے مزید گفتیشی انداز میں کہا "فصد کے گھر آیا کیا ہے جو تم روز روز وہاں جانے لگی ہو۔" سہرینہ نے ہنوز اسے سر سے جھٹک دیکھا بھی۔

"آپ کے کہنے کا مطلب کیا ہے بھابی..... میں بی بی جان کی اجازت سے وہاں جاتی ہوں۔" نیلیم کا لہجہ خود بخود دتیر ہو گیا۔

"میں نے کوئی اتنی مشکل بات بھی نہیں کہی جس کا مطلب مجھ سے نہ آئے۔ تم بہنوں کی وجہ سے بی بی جان تنگی پریشان ہیں۔ سارے بھائی انہی کی وجہ سے مشکل میں ہیں اور اب تم وقت بے وقت گھر سے غائب رہنے لگی ہو۔ سب خاموش ہیں تو اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ تم آزاد ہو گئیں۔" سہرینہ نے خوب ابھی طرح جتا پتا تھا۔ نیلیم کی حرکات و سکنات کو یا اس کی نظر میں بھی نہیں۔ نیلیم نظر میں چڑا گئی "آپ یہ نہیں کیا کہہ رہی ہیں۔ میری وجہ سے کوئی کیوں پریشان ہے۔ میں نے کیا کیا ہے؟" وہ چکر بولی اور مزید کچھ سے بغیر اپنے کمرے میں گھر گئی۔ دروازے کو آواز دے گا تھہر بند کر کے اس نے اپنا فصد ظاہر کیا تھا۔ سہرینہ کا مزاج بھی بگڑ گیا تھا۔ نیلیم اس کے ساتھ کبھی اس طرح نہیں بولی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ نیلیم کو اس نے سمجھانے کی کوشش کی ہے جو کہ اس کا فرض تھا۔ اسے نیلیم پر اتنی کل شک ہونے لگا تھا۔

☆.....☆

اردوئی مغرب کی نماز پڑھ کر مسم کے لیے جانے بنے لیکن میں آتی تھی نیلیم بھی وہاں چلی آئی۔ "اردوئی بھابی..... لی بی جان کہاں ہیں۔" گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟" وہ سہرینہ کی شکایت لگاتے لی بی جان کے کمرے میں گئی۔ لی بی جان وہاں نہ پا کر اسے شوقیل بورنگی۔ "وہ اور کتنی بھابی انہی کے ساتھ ہاتھل غمی ہیں" اردوئی نے اٹھتے پانی میں چائے کی پتی ڈالتے ہوئے شبیرہ کی سے جواب دیا۔

"ہاتھل..... کیا ہوا ہے انہیں؟" اس کی غلہ دیتی تھی۔ اسے اب سہرینہ کا رویہ بھی سمجھ آ گیا "انہی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دعا کرو وہ خیریت سے فارغ ہو جائے۔" اردوئی نے بات کرتے کرتے کہیں سے چائے کنگ اور ڈے دھیر دھال کر سلیب پر رکھے۔ "انہی آتی جلدی ہا ہاتھل..... میرا مطلب ہے ہمیں تو....." "ہاں..... انہی تو ہم نہ تھو لہجوری میں مگر جو اللہ کی رضا اور حکمت..... تم چائے پیو گی؟" اردوئی نے مختصر

کہہ کر پوچھا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔ لیکن کے لیے اس کی پریشانی فطری تھی۔ اردوئی نے ایک نظر اسے دیکھ کر تسلی دی۔

"دیکھیں کدو..... ہماری دعاؤں سے انہی اور اس کی بے بی خیریت سے ہوں گے۔ انشاء اللہ....." نیلیم بس سر ہلا کر رہ گئی۔ دل میں کچھ نامی ہو رہی تھی۔ آج سارا دن عامر کے ساتھ بہت خوشگوار گزارا تھا اور اس کے گھر میں انہی بولی پریشانی آگئی تھی۔ "اچھا میرا ایک کام کرو دو شو بہنیں کہاں ہے تم سہرینہ بھابی کو چائے دے آؤ....." اردوئی نے سب کے لیے الگ الگ کمرے میں چائے کے مگ کے ساتھ بکٹ اور میز پر بھی رکھ دی تھیں۔ کئی نے بھی دو پھر کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس نے ہاتھل لے جانے کے لیے بھی چائے کا ٹھکڑا تیار کر لیا تھا وہ خفیہ چچا کے ہاتھ بھجوانے کا ارادہ کر رہی تھی۔ "سوری بھابی..... میں نہیں جاؤں گی۔ ان کا آج میرے ساتھ بہت برادر رہے گا۔" وہ بچوں کی طرح ٹھٹک کر بولی۔

"کیوں کیا ہوا؟" اردوئی نے چونک کر پوچھا تو وہ مزید ناراضی سے بتانے لگی "مجھے سے عجب طرح بات کر رہی تھیں۔" میرے دہرے سے آنے پر اتنا تسلیا بگڑ گیا ہے انہوں نے۔ کیا آپ نے انہیں بھی میرے بارے میں بتا دیا ہے؟" اس نے اردوئی کو دھمکی سے دیکھا۔

"نہیں..... میں نے تو بی بی جان کو بھی کچھ نہیں بتایا تو انہیں کیوں بتاؤں گی؟" اردوئی کو دھچک لگا تھا۔

"پھر.....؟" یہ سوال تھا۔ لیکن واضح نہ ہو سکا۔

"پھر یہ کہ جب انسان کو اپنی عزیزیں دیتی تو دنیا کو اس کی خبر ہونے لگتی ہے جنہیں کسی کی بات کا برامتانے سے پہلے اپنے گلے پر غور کرنا چاہیے۔ میں چائے دے کر آتی ہوں تم اپنے لیے چائے لے لو۔" اردوئی سہرینہ کو چائے دینے چلی گئی۔ نیلیم کھڑی سوچ میں گم رہ گئی۔

☆.....☆

شارہ اور ختم اپریشن جیمز کے بارے پچھتی سے کھل رہے تھے انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ فاق کی وجہ سے انہی کی کیفیت بگڑ چکی ہے شارہ بھی مشکل میں ہے پتا چار ہوا تھا۔

"لی بی جان! آخر آپ کیوں منع کر رہی ہیں۔ میں ابھی جا کر اس سے بات کر تا ہوں۔ وہ انہی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر سکتا۔" شارہ مزید ہو کر بے بسی سے ان کے قریب بیٹھ کر بولا "موقع کی نزاکت کو سمجھو بیٹا۔ مناسب وقت پر بات بھی کر لیں گے ابھی۔ لیکن اور اس کی بیٹی کی زندگی کے لیے دعا کرو۔" لی بی جان نے بڑے ضبط سے کام لے رکھا تھا۔

بچے کو رسانیہ سے سمجھاتے ہوئے انہوں نے خفیہ کو بھی اشارہ کیا وہ بھی ان کے بائیں طرف بیٹھ کر بولا "لی بی جان ٹھیک کہہ رہی ہیں انہی کی صحت یابی کے بعد اس سے پوچھیں گے کہ اس کی کیا ارادہ ہے؟" جواب میں کسی کچھ کہنا چاہتی کسی اس کی سرزنس نے آ کر نہیں خوشخبری دی آ رہیں کا سیاب ہو گیا تھا البتہ بچی کی قلبی ازادیت بچہ ان کی وجہ سے اسے انتہائی نگہداشت میں رکھ دیا گیا تھا جبکہ انہی آئندہ چوبیس گھنٹے تک بے ہوش رہنے کا امکان تھا لی بی جان تو اسی بات پر شکرانہ بھلائی تھیں کہ ان کی بیٹی موت کی دھڑ سے پلٹ آئی تھی اور اس کی بیٹی بھی۔ وہ دو گھنٹہ اسی بات پر خوش تھے شمس نے فوراً گھر اطلاع دے دی تھی۔ لی بی جان نے معاملہ

جیکم کو بھی اطلاع دینے کی ہدایت کی۔ مگر فون نے کراہتاً اسے کرے سے نکل آئی مادامی کوئی بات ہو جائے تو مصلحتاً شام اور صبح کے کان میں نہ پڑے۔ شہزادہ اور بی، امام اور علم سنیف چاچا کے ساتھ باہر چلے گئے تھے۔ بابا جان بھی آفس سے سیدھے چلے آئے تھے جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا۔

☆.....☆

صالیہ عشا کی نماز پڑھ کر ابھی ابھی ہی تھیں کہ ان کا موبائل بجنے لگا۔ جہاد نماز تہجد کر کے رکھتے ہوئے انہوں نے اپنا موبائل اٹھا کر دیکھا کال ریسیو ہونے سے پہلے رابطہ منقطع ہو گیا۔ اسی لمحے رنگ ٹون بھرنے لگی۔ ”السلام علیکم آئی۔ میں ٹھن بات کر رہی ہوں۔“ دوسری طرف سے فوراً تعارف کرایا گیا تو صالیہ کے ماتھے پر ٹکر کی گھیر نمودار ہوئی ”علیکم سلام۔ جی جیٹا۔ خبر ہے؟“ ٹھن کا رابطہ کرنا انہیں کسی خطرے کی گھنٹی محسوس ہوا تھا ”خبر یہ ہے اب تو کچھ دیر پہلے تک ہم بھی کے سر پر کوئی ان دیکھی تھو اور ٹنگ رہی تھی۔“

”میں کیا بات ہے۔“ صاف صاف ہو۔“ وہ متحش ہوئیں۔

”صالیہ آئی۔“ فاتیح سے کالی دیر سے رابطہ کر رہے ہیں مگر اس نے ہماری کال ریسیو نہیں کی۔“

”فاتح کے کسی فعل کے اب ہم ڈرے اور انہیں اس ہل کے ساتھ جو بھی طے کرنا ہے وہ آپ لوگ خود طے کر لیں۔“ صالیہ کا رویہ سرد ہو گیا۔ دوسری طرف کا ہانڈ میں ٹکر کی شمس کو شدید دھچکا کال صالیہ کا رویہ اسے کچھ نہیں آیا تھا۔

”پھر تو آپ کو کوئی اطلاع دینی ہی فضول ہے۔“

”کیسی اطلاع۔“ صالیہ یکدم چونک کر پوچھنے لگی۔ اپنے رویے کا انہیں ملال بھی ہوا تھا۔ اسی لمحے بلال درانی بھی کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

”فاتح کو بتا دیجئے گا انہم اس کی وجہ سے آج اپنی زندگی ہارے ہارے پڑے ہیں۔“ ٹھن قد سے جذباتی ہو کر بولی۔

”میں سمجھی۔ نہیں۔ انہم کو۔ کیا۔“ ہوا۔“ صالیہ کا لہجہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔ انہم کو تو جو ہوا تھا ہو گیا۔ اس کی Premature بچی پیدائشی سے آگے آپ لوگ اس سے اپنا کوئی تعلق سمجھتے ہیں تو آج صبحے گا۔ اللہ حافظ۔“ ٹھن دکھ سے کہہ کر رابطہ منقطع کر چکی تھی۔ صالیہ ہاتھ میں فون لیے کچھ دیر سکتے کی حالت میں کھڑی رہ گئی۔ بلال درانی جہاد آکر اپنا کونٹ وغیرہ اتار کچے تھے اپنا موبائل والٹ وغیرہ رکھتے ہوئے تشریف لے کر پوچھنے گئے ”انہم کو کیا ہوا۔“ کسی کالوں تھا؟“

”آں۔ ہاں۔“ صالیہ یکدم چونک کر متوجہ ہوئیں مگر ہماری سامنے لے کر بستر پر بیٹھنے ہوئے ہوئیں۔

”ٹھن کا۔۔۔ انہم کی بھانجی سے خبر دی ہے۔ ہماری پوتی دینا سب آئی ہے لیکن۔۔۔“ وہ بولے بولے رک

ٹھن۔

”لیکن؟۔ لیکن کیا؟“ بلال درانی کے چہرے پر الجھن و پریشانی نمایاں تھی۔ ”انہم اور بے بی کی کنڈیشن شاید ٹھیک نہیں ہے وہ پری پیچور سے اور فاتیح نے۔۔۔ صالیہ فاتیح کا نام لیتے ہوئے ہچکچاہتی گئیں۔

”اللہ خبر کرے گا تم تیار ہو۔ میں فریڈ ہو کر آتا ہوں۔ ہم ابھی ملتے ہیں۔“ بلال درانی نے نکلے سے کہہ کر قدم وادش روم کی طرف بڑھادیے۔ صالیہ نکلتی ہیں ٹھن کدوہ منہ سے جا لیں۔

☆.....☆

شہزادہ کو فاتیح ڈر کے بعد اس کے گھر ڈراپ کرنے آیا تھا ”آج کی شام میری زندگی کی یادگار شام بن گئی ہے فاتیح۔۔۔ اور یہ رات میرے خوابوں کی تعبیر بن کر میری آنکھوں میں سے خواب سجانے کی اجازت لے کر گئی ہے۔ پلیز۔۔۔ فاتیح میرے خواب بچے رہنے دیا۔“ گاڈی سے اترنے سے پہلے شہزادہ بہت ملاوٹ لہجے میں بولے ہوئے فاتیح کا ہاتھ تھام لیا۔ انفرادہ فاتیح کو بچکا تھا جبکہ یادگار شہزادہ نے کدی بھی فاتیح کے کب سے سائنہ نہ کرادے۔

”Don't Worry“ رات سے خواب بہل کر سہل گئے۔ ”وہ مزید کہہ گا کہ جانتا تھا اسی لمحے صالیہ کی کال اس کے موبائل پر آنے لگی۔ شہزادہ اس کی بات مکمل ہونے کے انتظار میں ہی کی جانب متوجہ تھی۔ ”اما کی کال۔۔۔“ فاتیح کو کچھ حیرت بھی ہوئی۔ مسلسل بھیجی گئی فاتیح نے نکلتی کے ساتھ کال ریسیو کی۔ ”اما۔۔۔“

”کہاں ہو۔۔۔“ صالیہ نے شہر کے کینے پر ہسپتال کی طرف جاتے ہوئے اسے مجبوراً کال کی تھی۔

”وہ۔۔۔ میں۔۔۔“ وہ چادر کمری چاچ نہیں جانتا گا۔

”تم جہاں بھی ہو وہاں سے باہر چلیجئے، ہم بھی دیں جا رہے ہیں۔“ صالیہ کچھ بھی نہیں کہہ کر وہ شہزادہ کے ساتھ ہے۔

”ہاں۔۔۔ کیوں؟ کیا ہوا؟ یا تو ٹھیک ہیں نا؟“ وہ یکدم مگر مزید ہو کر پوچھنے لگا۔

”تمہاری نوٹولودو بچی Intensive care میں ہے فوراً پہنچو۔“ صالیہ نے مزید بات کے بغیر رابطہ منقطع کر دیا۔ وہ یکدم خاموش ہو گیا۔ شہزادہ کو اس کی خاموشی کل رہی تھی۔ ”فاتح۔۔۔ کون ہے باہر میں۔“

شہزادہ کو خود بخود آواز دہرے آئی محسوس ہوئی۔

”وہ۔۔۔ انہم۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ بے بی Intensive care میں ہے۔“ فاتیح نے زچہ جھکتے ہوئے بتایا۔

”تو کیا تم وہاں جاؤ گے؟“ شہزادہ نے جانتی نظر سے دیکھا۔

گاڈی کے اندر کی روشنی بہت کم تھی۔ وہ اس کے جذبات و تاثرات کا اندازہ نہیں لگا پارہی تھی۔

فاتح کو بھی کچھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا جواب دے۔ ”تمہاری خاموشی کا کیا مطلب ہے فاتیح؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم آپ انہم سے کوئی تعلق نہیں رکھو گے۔“ شہزادہ نے جوش بھرے لہجے میں اسے وعدہ یاد دلایا تو وہ جیسے سوس کی طرح پھٹنے والے کے جندے کو اپنی ٹوٹی محبت کی خدمت کے شہزادہ سے ہونے بولا۔

”مجھے یاد دہرا دے۔“ انہم سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے Trust me فاتیح نے اس کا ہاتھ تھام کر مہر پر یقین دلانے کی کوشش کی۔ شہزادہ اسے جانے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لیے ذہنی روٹی اسے اندر آنے پر مجبور کر دیا۔

☆.....☆

”کیا کیا حجازا دے نے۔۔۔ کہاں ہے وہ؟ کبھی دیر میں پھینے گا؟“ بلال درانی نے ڈرامائی طور پر موجودگی میں جھجکی سیٹ پر اپنے ہمراہی صالیہ کو فون بند کر کے پھلوس کر رکھنے کی کڑک پر جھانڈا دیکر جھٹکنا تھا۔

”یہ تو نہیں ہے وہ کہاں ہے۔ میں نے بتا دیا ہے کہ بیچے جانے گا وہ باہر چلے۔“ صالیہ نے اپنے طور پر تسلیم

دی۔

”ہوں..... اسے تو ہم سے پہلے باہل ہونا چاہیے تھا۔ یہ نہیں کُن ہواؤں میں ہے آج کل۔ دو چہرے سے آفس سے بھی غائب ہے۔ بلال درانی نے غصّی سانس لے کر شکوہ کیا۔

”اچھا.....!“ وہ اپنی حیرت و خیالات پر ملاحظہ نہ کر سکیں۔

بلال درانی اور صالحی کی آواز نے بی بی جان کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ کچھ دیر پہلے دل میں اٹھنے والے دھڑکنے گئے۔ فائق کے ہاں باپ آگئے تھے تو وہ بھی آجائے گا۔ یہ آس، یہ امید بھر سے جاگ اُٹھی تھی۔ وہ آبدیدگی سے بلال درانی اور صالحی کا شکر یہ ادا کر رہی تھی۔

”شکر یہ صالحی بھائی..... آپ لوگ آئے ہماری بیٹی اور آپ کی بیٹی کو آپ لوگوں کی شفقت کی ضرورت ہے۔“

”ہم اپنی کوتاہی پر شرمندہ ہیں زبیدہ بھائی۔ ہمیں اس سے پہلے آ جانا چاہیے تھا۔“ بلال درانی نے صالحی کے بھائی کا ہاتھ دو دلوں میں لے کر دیکھا۔ وہ بھی اس کے ہوش اور باقی افراد خاندان کی لادُخ میں بیٹھنے لگی۔

”بھائی شرمندگی کیسی۔ ہم بھی سلاّت کے آگے بے بس ہیں ہمارے بچے اب یقیناً اپنے بچپن سے نکل آئیں گے۔“

”فائق نے میرا ہونہار دیکھ لیا۔ اسے کہیے گا ہمارے لیے نہ کسی اپنی بیٹی کو تو دیکھنے آ جائے۔“ زبیدہ نے رسائی سے کہا۔ صالحی قدرے شرمندہ رہی ہوگی۔ ”زبیدہ بھائی.....“ وہ آگے آگے گام کیوں نہیں بلکہ وہ آ جاتی ہوگا۔

”باہل اب تو آ جاتی ہی ہے۔“ اللہ نے اس کے گھر رحمت بھیجی ہے۔ اللہ کی رحمت سے منہ تو نہیں مڑا سکتا۔“

شرح خان بھی کمرے میں پہلے آئے تھے۔ انہوں نے جیکے پھلکے اعزاز میں کہا تو وہ بھی مسکرا دیے معصوم مگر باہی پوٹی کو آنکھ میں پیر سے دیکھ کر صالحی کا دل نہ صرف بیچ گیا بلکہ وہ آبدیدہ بھی ہو گئیں۔ چند گھنٹوں کی بچی معصومی شخص اور داخل میں بے بس چری تھی۔ انہیں یکدم فائق کا خیال آ گیا۔

اس کے ارادے اور فیصلے اس کی بیٹی کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہونے والے تھے تو سوچ کر ہی گھبرا گئیں اور پھر فوراً سب سے معذرت کر کے لوٹ آئیں۔

☆ ☆

”مجھے فائق سے یہ امید نہیں تھی۔ بیٹی کا سن کبھی وہ نہیں آیا۔“ بی بی جان کب سے لب سے ہوئے تھیں مگر آ کر اپنے کمرے میں آئے ہیں تو شہر کے سامنے اظہار خیال کیا۔

”آ جائے گا..... آ جائے گا..... جو ان خون ہے ذرا غصّا ہونے میں کچھ وقت تو لگے گا۔“ شرح خان نے دفا کی اعزاز میں کہا۔

”ایسا بھی کیا فاضل کہ اپنی اولاد کے لیے بھی تڑپ پیدا نہیں ہوئی۔“ بی بی جان کا شکوہ اور ناراضگی اپنی جگہ برقرار تھی۔

”میری شریک حیات غصّے کو اسی لیے تو ہمارے مذہب میں حرام کہا گیا ہے کہ اس میں نہ اپنا بھلا نظر آتا ہے اور نہ دوسرے کا۔“ شرح خان نے ان کے ذہن کو اس طرف ہٹانے کی کوشش کی۔ بہر حال میرا مسخوہ ہے

آپ خود اس سے جا کر مل لیں وہ انہم کو دوسری شادی کی دھمکی دے چکا ہے اسے سمجھیں کہ اس کے عمل سے اس کی بیٹی کی زندگی کی ستر ہوگی۔ زبیدہ نے دل کی بات بآوازِ زہر دیا وہ اب تک بے خبر تھے۔

”اچھا!.....“ انہیں حیرت ہوئی۔ ”وہ اس حد تک سوچ رہا ہے!“ ان کی آواز خود بخود مدم ہو گئی۔ ان کے چہرے پر بھی پریشانی سٹ آئی تھی۔ زبیدہ کو ان کی پریشانی پہلی زندگی ”انشاء اللہ“ جی کا سن کر وہ اپنی سوچ بدلے پر مجبور ہو جائے گا۔“

”آمین..... اللہ ہمارے بچوں کے حق میں جو بھی ہو بہتر ہو اگر وہ آجائے تو انہم کو سمجھائے گا کہ کہ برائی باتیں نہ دہرائے۔ سر دی انا کو بار بار نہیں لگے گی تو پھر وہ کس رشتے کا لالہ نہیں رکھتا۔“ شرح خان کا منظر چہرے سے عیاں تھا۔ زبیدہ کیا کہیں۔ وہ خود بھی آ جا سکتی تھیں۔

لیکن بیٹی کو سمجھانے کے معاملے میں وہ بھی بے بس تھیں۔

☆ ☆

”امامہ اب سو جائیں۔ صبح آپ کا پلاسٹرا ترانے والا ہے ہمیں وقت پر ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔“ رات کے دو بج رہے تھے۔ امامہ کوشش کے باوجود سو نہیں پا رہا تھا۔

”کیسے سوؤں؟“ نکلیں آری کچھ نیند..... تم نے دیکھا ہے..... سب کس قدر پریشانی ہے۔ انہم اس کی بیٹی۔ کس قدر ذہانت میں ہیں وہ دونوں۔ اور وہ شخص آیا کب نہیں۔“ وہ اردو کی پریکٹس لایا۔

”انہم اور بیٹی انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ آپ فکر نہیں کریں اور فائق بھائی نہیں آئے تو شاید کہیں ہمیں سمجھے ہوں اب تک آگئے ہوں گے۔ آخروہ کیسے رہ سکتے ہیں۔“ اردو نے اپنے طور پر اسے سنبھالنے کی کوشش کی۔

شام سے وہ اپنی مہکن کے لیے مل کر زہر ہاتھ۔ فائق پر اسے رو کر نصیحت آ رہا تھا۔ ”ہاں..... شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو فائق انہم سے لاکھ بار ناش پنی اپنی بیٹی سے تو دور نہیں رو سکتا۔ آ گیا ہوگا،“ امام بہت دیر بعد اس بات پر متفق ہوا تھا کہ اردو نے اسے بات پر لکھ رہا تھا۔ اردو نے اسے شکر ادا کیا کہ وہ سمجھ گیا تھا۔

☆ ☆

اذانِ فجر کے ساتھ فائق کی گھر آمد ہوئی تھی۔ صالحی نے رات اس کے انتظار میں موتی جاتی کیفیت کی بے چینی میں گزاری تھی۔ انہوں نے بی بی جان کی کوشش کی تھی مگر اس کا نرسہ نہ جارہا تھا۔ وہ جانتی تھیں اس نے دانتہ ایسا کیا ہے۔ وہ اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہیں خود بھی اس کے پیچھے چلی آئیں۔ ”کہاں سے آ رہے ہو اس وقت؟“ فائق یکدم چونک کر پلٹا۔ اسے ان کی آمد کی توقع نہیں تھی۔ ”اما..... آپ جاگ رہی ہیں؟“

”فقاہر ہے مجھے نیند کیسے آ سکتی ہے جب تم کمرے سے باہر ہو۔ جہاں اس کیوں آف تھا۔ کیا باہل سمجھے تھے؟“ صالحی نے جان بوجھ کر اسے کرید۔ وہ ظہر سے چرا گیا۔

”نہیں..... میں آپ کو بتا چکا ہوں میں اب انہم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔“ نیند سے بوجھل آنکھوں میں انہم کے لیے سخت بے رحمیں داغ ہو گیا۔

”اور اپنی بیٹی سے؟“ اس کے لیے تعلق تو کتنے ہو۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی فائق۔ تم اپنی معصوم بیٹی کو نہیں دیکھتے گئے۔ ہمیں ذرا احساس نہیں کہ وہ دنیا میں آ کر بھی ابھی دنیا کا حصّہ نہیں بن سکی۔“ صالحی نے انتہائی

دکھ اور عمال کے ساتھ بیٹے کو احساس دلانے کی کوشش کی وہ ان کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے ان کے سامنے سے ہٹ کر بہتر پر بیٹھ گیا۔ صالحہ کی اس کے سامنے ہونے پر تک می گئی۔ "ماما اس کی کنڈیشن کا میں نے دیکھا نہیں ہوں۔"

"تم نہیں ہوتے کون ہے؟ تم نے اسے اپنی دوسری شادی کی ممکنہ دیکھی تھی اس کے بعد ہی کی بچہ رو لیوری کا الزام تمہارے سر ہی لگتا ہے فائق۔" صالحہ نے بے کوڑے تیور سے دیکھا "آپ کا مطلب ہے میں ان کے مطالعہ مان لیتا۔ ہرگز نہیں۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا میں آپ کو لوگوں سے الگ نہیں ہوں گا۔ وہ دجہانی ہو کر بولا۔

"اگتو تمہیں ہونا ہی پڑے گا کیونکہ جس سمت تم جا رہے ہو فائق وہاں ہم تمہارے ساتھ نہیں ہوں گے۔" صالحہ فیصلہ خالص فائق کو حیران کر کے کرے سے نکلے گئیں۔ پھر دروازے میں ٹھہر کر بغیر پلے مزید بولیں "اور ایک بات اب اپنے ہر جہان فیصلے کے خود ذمہ دار ہو گے۔" صالحہ تبھی اپنی کہہ کر نکل گئیں۔ وہ کم کم صبر سا بیٹھا اپنی ماما کی باتوں کے معنی اور مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ وہ ایسا کم کم تو نہیں تھا جو ان کی واضح باتیں بھی سمجھ نہ پاتا۔

☆ ☆

اردو بی بی لی جان اور بابا جان کے لیے چائے کر آئی تو وہ کھلم کھلا نہیں۔ اردو بی بی کی دلجوئی کرنے لگی۔ "بی بی لی جان۔" انہم ٹوک بوجا نہیں کی۔ آپ پریشان کیوں ہیں۔ ہم سب انہم اور بے بی کا خیال رکھیں گے۔ وہ جلد از جلد داخل ہو جائیں گی آپ بالکل ٹھیک کریں۔"

"انشاء اللہ بیٹا میں بھی رات سے بچی سمجھا رہا ہوں کہ اللہ کے حکم میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔" بابا جان نے بھی باہر سے اندازے تو ہونے دماغت کی۔ بی بی لی جان انہیں اٹھا کر نہیں دیکھے گئیں "مجھے اللہ کی شفقتوں کا یقین ہے مگر فائق کے نہ آنے کا دکھ تو ہے نا۔ وہ اس قدر بیگانہ ہو گیا ہے کہ اس نے ایک فون کر کے بھی نہیں پرچھا۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ سے دعا کرو۔" بابا جان نے زری سے تسلی دی اردو بی بی باری داری دونوں کو یکساہ دونوں کی اندرونی کیفیت سمجھ سکتی تھی ایک بیٹی کے لیے والدین کیسے گمراہ ہوتے ہیں اس کا اسے اندازہ تھا وہ ان کا دھیان بنائے لگی۔ بی بی لی جان آج انہم کا پلاٹر کھانا ہے۔ میں کیسے آئی تھی کہ میں اس کے بعد انہم کے پاس ہاٹل چلے جائیں گے۔" بی بی لی جان کو بھی یکدم یاد آ گیا۔ انہم کی پریشانی میں وہ بالکل بھول گئی تھیں۔

"ہاں۔ ہاں پہلے تم انہم کے ساتھ ہی جانا۔ کوئی بات نہیں۔ میں سبرینہ سے کہتی ہوں وہ دھتے کے بعد ہاٹل چلی جائے تاکہ نہ کھرا کر آرام کر سکے کل سے وہ ہاٹل میں ہے۔" بی بی لی جان کو یکدم اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا۔ "میں ٹھیک ہے میں دھتے کی تیاری کرتی ہوں۔" وہ جانتے کے برتن سمیت کمر بن چلی آئی۔ بی بی لی جان بھی تسلی حاصل کرنے کے بعد سبرینہ کو کونے پر دکر ام کے حوالے سے جانتے کے لیے اٹھ گئی۔ پہلے یہ تھا کہ کچ کو اردو بی بی جانے گی۔

سبرینہ کوکل سے کچھ بے چینی سے گھبرے رکھا تھا۔ صالحہ اور بلال اردو بی بی کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی اور سنا دینے میں لائق تھا فائق بھی کھنچا آ رہا ہوگا۔ وہ تو رات میں وہاں ٹھہر گئی تھی اور جس سے وہاں رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔ سبرینہ کی کال رہیو نہ کرنے کا اسے قلق تھا۔ گھر آ کر وہ مسلسل سبرینہ سے رابطہ کی کوشش کرتی رہی تھی مگر اس کا فون بھی بند جا رہا تھا۔ شام نماز کے بعد ایک سکرانز کے لیے گھر کے اندر موجود ہم تھا۔ تبھی اسے موقع مل گیا تھا کہ آسانی سے شہر سے بات کر سکے۔ کسی بار کو کوشش کے بعد سبرینہ نے کال رہیو کی اس دوران سبرینہ مسلسل بھجھلاہٹا ہٹا ہٹا کر رہی۔

"کہاں ہو تم؟" رات سے جہاں رہا ہو جا رہی ہے۔ سنا ہے مجھے نہیں بتایا کہ کیا بات ہے؟" سبرینہ نے شہر کے پہلو کے جواب میں چڑ کے بھجھلاہٹا ہٹے کیا تو دوسری طرف سے شہر کی سبرینہ سے بھاری آواز میں بولی "آؤ۔ فون بند تھا تو کوئی وجہ تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ میں کوئی دسٹرپ کرے۔" سبرینہ کو بھن کے اندازہ دو بے حیرت ہوئی۔

"میں تم کو لوں کو سڑب کرتی ہوں؟" وہ ایک دم برا بھینٹ ہوئی۔ "ایک تو تم ہر بات پر ناراض ہو جاتی ہو۔ میں نے بھی تم کو نہیں سنی کا ٹوٹی زبان نہ صاحب کی تیار داری میں لگی ہوئی تھی۔" شہر نے اسے بتایا۔

"تمہیں کس نے بتایا کہ۔" انہم۔" سبرینہ حیران رہ گئی۔ "کیا۔ صالحہ خالد نے بتایا ہے کہ انہم۔" "نہیں۔ فائق نے۔ جب صالحہ خالد نے اسے بتایا تھا میں اس کے ساتھ ہی گئی۔" شہر نے اسے جیسے بھجھک دیا "کیا۔ فائق کے ساتھ۔" تم۔" "ہاں۔ میں کس بتانے کے لیے تو تمہیں فون کر رہی تھی۔" "کیا واقعی۔" فائق تمہارے ساتھ تھا؟" سبرینہ سن کر بھی بے یقین تھی۔ "اس کا مطلب ہے وہ ہاٹل نہیں گیا؟"

"کیسے جاتا۔ میں نے اسے جانے ہی نہیں دیا۔ اور تمہیں بیٹے سے فائق نے مجھے پرہیز بھی کیا ہے ہم جلد ہی شادی کرنے والے ہیں۔" شہر کی آواز خوشی سے ٹکڑھ رہی تھی۔ "رہنا مجھے تو اب تک یقین نہیں آتا۔ فائق کل دو پہر سے آج صبح تک میرے ساتھ تھا۔ پچ پچو مجھے یہ ایک خواب لگ رہا ہے۔ اس نے مجھے دو سب دینے کا وعدہ کیا ہے جو وہ انہم کے لیے چاہتا تھا۔"

"شو شہر بی بی اس کے زبانی کلامی وعدوں اور دعوں پر یقین مت کرنا۔ جب تک وہ انہم کو ملاقات نہ دے۔ تم شادی کے لیے رضامندی مت دینا۔" سبرینہ نے ساری بات سن کر بہن کو کوشہ دیا۔ اس کے کمرے کے دروازے کی چھٹی پر ہاتھ رکھے بی بی لی جان کے قدم جیسے جم کر گر گئے تھے۔ ان کی ہاتھوں میں ایسے دھڑلش اٹھا اٹھ رہے تھے اور انہیں پھر بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سبرینہ نہ بک رہی ہے۔

"میں بھی نہیں تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" دوسری طرف سے شہر نے ناگہی سے پوچھا "فائق نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ۔"

"وہ کچھ انہم کی محبت کو تو ابھی وہ فراموش کر رہا ہے لیکن انہم اور بی بی کی وجہ سے وہ کسی مجموعے پر مجبور ہو گیا تو پھر کیا کرے گی۔" سبرینہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے آئندہ کی فکر دلائی۔ "میر کی بات ابھی طرح بھجھو نا۔"

پچھتاوا

سرد گرم تو ہر جگہ ہو جاتا ہے جہاں دو لوگ ہوتے ہیں وہاں

اختلافات کہیں نہ کہیں ضرور ہو جاتے ہیں اور دنیا میں ایسے کوئی
میاں بیوی نہیں جہاں یہ معمولی رنجش نہ ہوتی ہوں مگر...

میں چاہوں نے واپس نہیں جانا، مطلب

”میں چاہوں نے واپس نہیں جانا، مطلب وہ ہوں۔“ گفتے نے چاہے کہ ساتھ بدبیزی کرتے ہوئے
نہیں جاتا۔ وہ گھر اس لائق نہیں ہے کہ میں وہاں کہا تو گفتے کے والد نے نیکی کی ہاں میں ہاں ملائے

بہال بھی کر سکتی ہوں۔“ گفتے نے غرور بھرے لہجے
میں کہا۔

”ٹھیک ہے بیٹا۔ تم ماشاء اللہ بڑی لکھی ہو
جاب کر سکتی ہو مگر بچوں کے سر پر ماں کے ساتھ
ساتھ باپ کا سایہ ہونا بھی بہت ضروری ہے اگر
دونوں میں سے ایک کا سایہ سر اٹھ جائے بچوں کی
زندگی میں بھی نہ پورا ہونے والا خلا رہ جاتا ہے اور
پھر.....“

”بس چاچو میں اتنی دیر سے کہہ رہی ہوں کہ
میں نے نہیں جانا تو آپ کو کچھ کیوں نہیں آتا۔ جب
مجھے میرے ماں باپ فورس نہیں کر رہے تو پھر آپ
کیوں اور کس حق سے میرے ساتھ زبردستی کر رہے
ہیں۔“ گفتے انتہائی بدبیزی سے جواب دے کر
پاؤں تختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

گفتے نے ایٹر کر رہی تھی اور شائستہ نے بی اے
کے چیمبر ڈپے تھے جب ان کی خالہ اے دونوں
بیٹوں کے لیے سوالیہ بن کر آئیں بچپن کے رشتے
وقت پر آ جائیں تو اس سے بڑھ کر والدین کے لیے
کوئی بات خوشی اور طمانیت کا باعث نہیں ہوتی دیکھتے
بھالے لڑکے تھے سو ماں کرنے میں اعتراض تو کوئی
نہ تھا مگر پھر بھی چھوٹے بہائی نے دونوں رشتے
یکدم کرنے سے منع کیا۔

”بیلے بولی کی کر دیں پھر حالات کارخ و کچکر
مناسب لگتے تو چھوٹی بیٹی کا کرنا۔“
بات تو مناسب تھی مگر اپنے حالات دیکھ کر
انہوں نے دونوں کی ہی کرنا مناسب سمجھا اور چٹ
منگنی پٹ بیاہ کے مصداق جلد از جلد دونوں کو اپنے
اپنے گھروں کو رخصت کیا۔

بظاہر تو ان کی زندگی بہت اچھی گزر رہی تھی مگر
سرکاری کی بھی گجھی نہیں ہوتی یقیناً ان دونوں کو

ہوئے بہائی سے کہا۔
”جب میری بیٹی نہیں جانا جاتی تو تم کیوں
بچھے پڑے ہو۔ نظر نہیں آتا میری بھول جیسی مصوم
بیٹی کا کیا حال کر دیا ہے ان لوگوں نے۔“
”مگر بہائی جان اب ایسا نہیں ہوگا۔ گفتے کو
اب میں اپنی ذمہ داری پر لے جا رہا ہوں۔ ایک
آخری کوشش کر کے تو دیکھئے۔“ چاچو اپنی بیٹی کا
گھر بھانے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے اور جن کی
بیٹی کا گھر برباد ہو رہا تھا وہ اب بھی سکون سے بیٹھے
تھے۔

”بس کر یہ لاج حاصل بحث“ گفتے گھر نہیں جاتا
چاہتی تو تم کیوں مجبور کر رہے ہو۔ دس سال.....
انہوں نے دس انگلیاں آگے کر کے دکھائیں، دس
سال سمجھو تاکہ میری کڑ پڑا ہے اس جاہل گھرانے
میں گمراہ میں اس پر کی گئی زیادتیاں برداشت نہیں
کروں گا۔“

”ہاں تو جب دس سال گزر دیے ہیں تو ایک
اور سو سو دسے دو اور پھر تین بچوں کے بعد کھینچ کر
فیصلہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے بچوں کی ذمہ
داری کون لے گا؟“

”کون لے گا کیا مطلب؟ میں ہوں نا۔ میں
اتھاؤں گا بیٹی اور تو اسے نواہوں کی ذمہ داری
اور پھر گفتے کا بہائی ہے بہن کے سر پر ہاتھ رکھنا
فرض ہے بہائیوں کا۔“

گفتے کے ابو نے مان بھری نظروں سے اپنے
اکلوٹے بیٹے کو دیکھا اور سامنے سے کبھی اٹھائی فرماں
برداروں سے جواب ملا۔

”جی ابو..... بہائی ہی تو بہنوں کی ذمہ داری
اٹھاتے ہیں۔“

کیوں آپ لوگ کیوں اٹھائیں گے میں خود
پر بھی لکھی ہوں خود کما سکتی ہوں اور بچوں کی کچھ



بھی اپنے سرسرا والوں سے کچھ نہ کچھ شکایتیں تو ضرور ہوں گی مگر انہوں نے کسی کو بھی ظاہر نہ کیا۔ آل از دہل کے مصداق زندگی کے دس سال گزر گئے۔ وقت نے گفتے کے آگن میں دو بیٹیاں اور ایک بیٹا جبکہ شادی کی گود میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی کا تختہ عنایت کیا اور ان دونوں بیٹیوں کی نکاحی مکمل ہو گئی۔ شادی کے دس سال بعد جب گفتے حسب سابق چھٹیاں گزارنے اپنے سینے کی تو اچانک وہاں جا کر اسے خیال آیا کہ وہ اپنے گھر میں خوش نہیں ہے اور یہ کہ وہ اس گھر سے کتنی رنج و کد ہے۔ اس کے پچھنے پر اس نے بتایا کہ اس گھر میں صرف اسے خرچہ نہیں دیا جلتا اسے مارتا بھی ہے۔ گفتے کے والد نے اس کی اس بات پر آگے نہیں بند کر کے ایمان لے آئے کہ دوسری طرف سرسرا والوں کو جب پتہ چلا کہ گفتے نے آنے سے انکار کر دیا ہے تو خود دینے آگئے لیکن گفتے نے جانے سے صاف انکار کر دیا۔ انہوں نے بچہ پوچھی تو اس نے الزامات کا دفتر کھول دیا۔

”وہ مجھے مارتا ہے، ہاتھ اٹھاتا ہے مجھ پر۔“

”تمہارا دادا بھی تو تمہاری دانی پر ہاتھ اٹھاتا تھا تو کیا دانی نے گھر چھوڑ دیا یا نہ گھر۔“

”کامیاب دیتا ہے۔“

”تمہارا دادا انہیں دیتا تھا۔“

”آدم نہی ہے۔“

”تمہارے چھوٹا چھوٹا کا کون سا ذریعہ آدم نہی تھا۔ ان سب سے ان سب باتوں کے باوجود نہ تو گھر چھوڑا اور نہ ہی طلاق کا شوشہ ان سب باتوں کے باوجود نہ صرف گھر رہا اپنے بچوں کو لایا۔ انہیں پڑھا لکھا اپنے اپنے گھروں کا کیا آخری وقت تک شوہر کی خدمت کی۔ بیماری میں بھی نہ چھوڑا۔ ان سب باتوں کا جواب جس انداز میں گفتے

نے تمام مسائل ختم نہیں ہو رہے تھے اور بچوں کی پر حالی کا حرج ہو رہا تھا اس لیے انہیں باپ کے پاس بھیج دیا۔

بچے باپ کے پاس آئے تو گھر باپ کی قربت ایک طرف گھر مائیں کی مائیں سے دوری انہیں اندر ہی اندر دکھائی جارہی تھی۔ جب جب خاندان سے بچوں سے والوں کی باتوں کے دل دیکھنے ڈرامی کو تپتی ہوئے والی ڈانٹ انہیں برے طریقے سے اندر ہی اندر تکلیف پہنچتی، دادا، دادی، خالہ، چاچو، چھو بھیلیاں، باپ، جتنا بھی پیار کر لیں خیرے اٹھائیں ان کے پیار کی شدت گھر اور ماں کے غصے کی گرمی انہیں بردوان چڑھانے کے لیے ناز و ضرر دیتی تھی۔ بچی ماں کو یاد کر کے روئی دادا سے کہتی۔

”ابو جی میں ایک دفعہ ماما سے بات کروادیں میری، میں انہیں بلاؤں گی تو وہ ضرور جائیں گی۔“

گھر مائیں نے اپنی مصروفیت کا بھی مان نہ رکھا۔

”جیتا نہیں آسکتی میری مجبوری ہے آپ نہیں سمجھ سکتے۔“

”بچی چھوٹی تھی، کیا سمجھتی کہ مجبوریاں کیا ہوتی ہیں۔“

”ماما میری پرستانی نہیں ہے اس کی کمینہ آج میری ہیں، میں اسے ڈانٹتی ہوں تب بھی نہیں پرستتا۔ مجھ سے بھی نہیں پرستتا جاتا ہر میسٹ میں ”بیری یوز“ دیتی ہیں۔ ڈانٹتی ہیں مجھے کتنی جیتا آپ کی ماما کو آپ کی کوئی کر نہیں ہے۔“

اس سنگدل ماں نے بچی کے لیے میں جیسے درد، اس کے وقت سے پہلے جاتے بچپن اور آتی بھعداری کو بھی محسوس نہ کیا۔

کوئی باں ایسی سنگدل تو نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ ماں ہی کی تھی۔ اس نے بچوں کو جنس تو دے دیا مگر ان کی ماں نہ بن پائی ماں کے لیے صرف بچوں کو جنم دینا اور پرورش کرنا ہی نہیں ہوتا اپنی ”میں“ قرآن کرئی پڑتی ہے، اپنی ذات کی لٹی کرنا پڑتی ہے بروکھ برداشت کرنا پڑتا ہے کل اپنی اداوار کے لیے مگر وہ اپنی ذات کے نرم میں جھلا ہو کر اپنی ”میں“ اور ”انا“ کو برقرار رکھنے کے لیے اپنا گھر ختم کر دیتی تھی اپنی متا کو خود اپنے ہی ہاتھوں مار دیتی تھی۔

بچوں کے فاضل ایگزٹر فٹم ہوئے تو انہیں ماں سے لئے کھینچ دیا گیا، ماں سے لگ کر اس کے سینے سے لگ کر بچوں کو سکون ملا۔ خوش ہوئے چھوٹی عالیہ چند ماہ کی تھی جب سے گفتے بیگم نے بیٹی ہوئی تھی۔ دونوں بچوں نے بھی گڑیا کے ساتھ وقت نہ گزارا تھا۔ اب اس گڑیا کے ساتھ کھیل کے خوش

تھے۔ بچوں کا رزلٹ آیا تو پہلے رزلٹس میں بہت فرق تھا۔ نمایاں کامیابی سے کامیابی اور ناکامی کے درمیان آگئے تھے۔

بچوں کے رزلٹ اور ان کی ذہنی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے باپ اور دادا نے بچوں کو واپس نہ لے کر کافیصلہ کیا۔ ان کا سارا سامان اور کھلونوں کے ساتھ اسکول لیوگ سرٹیفکیٹ بھی بھیج دیا۔ گفتے نے بھی ذرا آسرا نہ کروایا۔ فوراً وہیں کے اسکول میں داخلہ کروا دیا۔

بچے وہاں ماں کو یاد کر کے رو رہے تھے یہاں انہیں اچھا گھر دارا دادی پایا سب یاد آ رہے تھے حالات نے دونوں بچپن بھائیوں کو ایک دوسرے کا راز دار بنادیا تھا۔

”آپ یاد تھے گھر بہت یاد آ رہا ہے۔“ تمیز نے زوہد سے اپنا درد بانٹتے ہوئے کہا

ابھی بھی تو ہم گھر میں ہی ہیں۔ ”زوہد نے سمجھدارانہ کامیاب مظار ہو کر تے ہوئے اس کا دھیان بٹانا چاہا۔

”مجھے یاد تھا دادا آ رہا ہے۔ ابو جی والا گھر۔ یہ گھر تو تانور اور ماسوں کا ہے۔ یہاں باپا نہیں ہیں، ابو جی، دادی ہی نہیں ہیں۔ مجھے وہ سب یاد آ رہے ہیں بہت زیادہ۔“ تمیز نے زوہد ہنس کر کہا۔ ”میں ماما سے کہوں گا کہ باپس واپس لے جائیں، ماما نے واپس جانا ہے اور یہ بھی کہ ماما بھی ماما سے ساتھ چلیں۔ وہ ضرور باپس کی میری بات۔“

”نہیں بھائی۔ ماما سے یا کسی سے مت کہنا وہ ہمیں ڈانٹیں گے کہیں کے جب وہاں رہنا تھا تو یہاں کیوں آئے۔“

”اور ماما میں جانیں گی ماما سے ساتھ میں نے ایک دو دفعہ کہا مگر ماما سے منع کر دیا۔“

”تو ہمارا کچلے پٹے ہیں نا آپ۔“

زمین کے آنسو

~~~~~

جیسے ہر چمکتی شے سونا نہیں مہوئی اسی طرح ہر مرد اور عورت کا رشتہ  
گناہ آلود نہیں ہوتا... بس کھینے کی بات ہے!

~~~~~

موجوں کی روانی سے جب سمندر میں گرج پیدا
لے لے کی چاہ کرتا ہے یہ چاہت جب جنوں بن جاتی
ہوتی ہے تو وہ غضب اور زہ پ سے اچھل کر سب کو گل
ہے تو جنہیں ادھات مہر پور شدت کے باوجود یہ



خز

تشریح بریلوی

ہم نے جب کشمی میں اک طوفان برپا کر دیا
باد بان سے ٹھک کے موجوں کو اشارہ کر دیا
دیکھ میرے عشق نے جادو یہ کیا کر دیا
عام سی لڑکی کو بھی دھب لڈینا کر دیا

سرور میں ہم نے سجاویش بھجیاں مہکائے پھول
پھر بڑا کر زلف شب تیرا سراپا کر دیا
میں نے اپنی دلوں کا خود کیا ہے اہتمام
کون کہتا ہے مجھ کو تو نے زسوا کر دیا
بات تو جب تھی اُٹھاتے ہم کوئی طوفانِ نوح
کیا ہوا ہم نے اگر قطرے کو دریا کر دیا
میں بہت فخر تھا بھری مٹھل میں سب کدہ میں
تو نے آکر بزم میں کیوں مجھ کو تنہا کر دیا
ہاں کسی کو دیکھ کر اک بار دھڑکا تھا یہ دل
بس یہی تھا عشق اپنا کیوں فسانہ کر دیا
یہ نشور و ناقص دھرت کا فیضِ خاص ہے
شاعری کے فن میں نقشہ تجھ کو یکا کر دیا

”زویا نے مہرائی ہوئی آواز میں کہا۔
”آیا... جیسے چھین سے اب تک تم نے ماں
کی طرح میرے آنسو پونچھے۔ میرے ہر برے
وقت، تکلیف میں مجھے اکیلا نہ چھوڑا دے ہی میں
جنہیں رخصت کروں گا پاؤں کی تو میں پوری نہیں
کر سکتا مگر کوشش تو کر سکتا ہوں نا...“ تھریز نے
حقیقتاً پ کی طرح اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے
کہا تو وہ کچھ نیٹے نیٹے پ کی طرح اس کے گلے لگ گئی
جیسے چھین میں۔
پاپا کے گلے لگ گئی تھی۔

”پھر... تیار کر دوں جنہیں گھر سے نکالنے کی
”تھریز نے مذاقاً کہا تو دونوں ہلکھلانے لگے۔
دونوں نے ایک دوسرے سے اپنا حال کہہ کر اپنا دل
پاک کر لیا مگر ان کی باتوں سے باہر کھڑی گفتگو پر
منوں دڑتی پوچھ آن پڑا۔ وہ بچانے کب سے وہاں
کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ گفتگو کو یکدم بہت
سے چھینچھین نے آن گھیرا۔ غلطی بھلے سے اس کی
نہیں مٹی مگر مائیں اولاد کے لیے کیا کچھ قربانیاں
نہیں دیتی۔ اگر تب اپنی اپنی میں قربان کر دیتی
تو آج حالات بہت مختلف اور خوشگوار ہوتے۔
آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں نے منظر
دھندلا دیا۔ عجیب بات ہے نا... برسوں پہلے نا
نے اس کی بچائی تھیں لی۔ اور اب جب چھوٹی
انے سب چھین لینے کے بعد بچائی لوٹا رہی تو
بچتا دے منظر دھندلا نے لگے۔ انہیں دھندلی
آنکھوں سے جب وہ چلی تو اسے احساس ہوتا
چاہیے تھا کہ جس موسم سے اسے پلٹنا چاہیے تھا وہ
موسم بہت پیچھے رہ گیا۔ اب واپسی کے سب
دروازے بند ہو چکے ہیں اور واپسی کے سب
دروازے وہ خود بند کر کے آئی تھی۔

آج وہ دونوں ایک ہی امید لیے کھڑے تھے اسی لیے کافی پر غم تھے انہوں نے شہری علاقوں کی بجائے پس ماندہ علاقوں کی گلیاں چھاننے کو ترجیح دی کہ وہاں کے لوگوں کو یہ خوف بنانا بھی نیشا آسان ہوتا ہے۔ یہ ایک باروقی علاقہ بلکہ بازار قمار کارگاہ لوگوں اور اشیاء سے بھرا آگول گپوں اور دبی بھٹلوں سے چپٹ بھرنے کے بعد وہ دونوں اصل مقصد کی جانب گامزن ہوئے۔

مہنگی، جیب تراشی، خواتین سے بدتمیزی، ٹریفک حادثات وغیرہ تو پرانے موضوعات تھے لہذا ان سب سے ہٹ کر کی تلاش میں تھے۔ پارکیمینٹ سے دو پہر فٹ ہونے کو بے آغ بھی گھر تک ہاتھ نہیں آیا۔ شریٹل مایوس ہونے لگا وہ قبول صورت اور مناسب تہ کا کھنڈ کا مالک تھا اس کے باپ کا جنرل اسٹور تھا مگر اسے دوکانداری سے سخت نفرت تھی پورے خاندان میں سے کچھ انوکھا کرنے کی خواہش اسے یہاں لے آئی تھی وہ دتا لینڈ لاؤنڈین جاتا تھا کہ جتنے کو کوشش کرتا تھا اس وقت بھی بائیک پر خرابی کے باوجود تیرے پیلے رنگ کی پلو، نیلی جینز اور معیاری شوز پہنے ہوئے تھے تو کوکبا سمجھتا تھا کہ اسے ممتاز باعث و تمجیل کے بانی پرورڈز میں سب سے ممتاز نظر آتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ عدا اکرم کا پورے ڈیپارٹمنٹ میں ایک وہی منظور نظر گھبراہٹا۔ چونکہ شریٹل کا سماجی جیس منظر مگر دیش انجی جیسا تھا ہندو کڑوٹی احساس کمتری بھی نہیں تھا۔ نہ والدین کی انگوٹی اولاد ہونے کے باعث کچھ بگڑی ہوئی تھی ابو اس کے گپوں کی گری بھرنے کو مجبور تھتھے تھے مگر اسے بھرنے بھرنے کے بعد وہ دونوں اصل مقصد کی جانب گامزن ہوئے۔

وہ دونوں تیز تیز قدم چلا رہے تھے مہاداس کی شاسا سے سامانہ ہو کر اسے اس خطے کے پیش نظر نو جوان لڑکی مر سے ہر ایک سیاہ عباہ میں چھپی تھی جبکہ پچاس کے پینے میں داخل ہوا تو کندھے پر رکے روٹال سے اپنا آدھا چہرہ چھپانے ہوئے تھا اس نے سرسری رنگ کی سلوٹ زدہ فیکل شلوار قمیض پہن رکھی تھی اس کا چہرہ بن کے اپنی بدتمیزی کی کہانی سنا رہا تھا۔ منزل پر پہنچ کر آدی نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے ٹکی کی اور پھر دونوں اطمینان سے ٹکڑی کا داخلہ دروازہ پار کر گئے۔

لبریں خالی پلٹ جاتی ہیں اسی طرح کبھی لا حاصل کو پانے کی تڑپ اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ انسان اس کی خاطر ہر حد پار کرنے کو تیار رہتا ہے اور اپنے ضمیر کو روتا بلکتا چھوڑ کر نفس کو جھانسنے تک دوڑتا ہے مگر لا حاصل کا "لا" نہیں جاتا اور نفس کی تڑپ نہیں جاتی مگر ضمیر کو گھبرا جاتا ہے پھر اسے چپ لگ جاتی ہے۔ ☆.....☆

شام کے دھندلکے سامنے گھر سے ہونے کو تھے وہ دونوں تھکے ماندے لوٹ رہے تھے تھکن اور بیزار اور دونوں کے چہروں سے بھیجی تھی۔ وہ دونوں کلاس فلوہر تھے اور اتفاق سے میڈیا رپورٹنگ کے مشہور شوقی نے دونوں کو پھر سے ملادیا۔ ایک سال کے عرصے میں دونوں کی سبے تکلفی غیر ملکی حد تک بڑھ چکی تھی اور اسی غیر متحیدہ رویے کے باعث ان کی نوکری خطرے میں پڑ چکی تھی۔ اس نے انہیں وارننگ جاری کر دی تھی یہی وجہ تھی کہ اب دونوں کسی ایسے منظر کی تلاش میں تھے جیسے ٹکڑی، بیٹکی خبر بنا کر پاس کے سامنے پیش کر کے لائیکس کو خوش کر کے نوکری بحال رکھی جاسکے۔ واصل وہ دونوں ایک غیر معروف چینل کے لیے کام کرتے تھے۔ ☆.....☆

وہ دونوں تیز تیز قدم چلا رہے تھے مہاداس کی شاسا سے سامانہ ہو کر اسے اس خطے کے پیش نظر نو جوان لڑکی مر سے ہر ایک سیاہ عباہ میں چھپی تھی جبکہ پچاس کے پینے میں داخل ہوا تو کندھے پر رکے روٹال سے اپنا آدھا چہرہ چھپانے ہوئے تھا اس نے سرسری رنگ کی سلوٹ زدہ فیکل شلوار قمیض پہن رکھی تھی اس کا چہرہ بن کے اپنی بدتمیزی کی کہانی سنا رہا تھا۔ منزل پر پہنچ کر آدی نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے ٹکی کی اور پھر دونوں اطمینان سے ٹکڑی کا داخلہ دروازہ پار کر گئے۔

تو کیا ہوا، دل خوش نہیں ہوا۔ حوصلہ کھو رہا اصل جسمیں جھجک گیا ہے، اس لیے بہت حجاب دے رہی ہے چلو کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتے ہیں۔

مناد نے مقامی ہوٹل جس کی پشٹانی پر دیکھی چمکا کا پیسیدہ بورڈ آویزاں تھا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا خورا خورا کی پیشہ ہی سے وہی کچن چھینے نین نقوش والی عدا کی شخصیت کا حصہ گھبراہٹ کی کمانڈ پیچھے بہک گئیں بعد ہی وہ ریٹورنٹ کے اندر پیچھے برائی اور کوئلہ ڈرنگ کا آؤر دے رہے تھے۔ ☆.....☆

وہ کوئی گھبراہٹ، میں ہوں تیرے ساتھ۔ نو جوان لڑکی مسلسل ناخن سے انکھیاں کتر رہی تھی اس کے پیچھے کا انداز بھی بظاہر اپنی تھا۔ چھاب بتایا کھانے کی۔ وہ اس کی فریاض پوچھ رہا تھا۔ بول بھی میری رائی لڑکی کے خاموش رہنے پر وہ اسے کسانے لگا۔

جو بھی تیرا دل کرے میں اتنی مشکل اور سب سے چھپ چکا ہے یہاں کھانے نہیں آئی وہ تو سوکا سڑا کھنڈہ وہاں بھی مل جاتا ہے میں تیرے ساتھ وقت گزارنے آئی ہوں۔

تو ہاتھ تیرے پاس میرے لیے دقت کیوں نہیں ہوتا وہ تیری سونیلی زیادہ اہم ہے تیرے لیے بول۔ لڑکی کا قہقہہ ڈھیلیا ہو چکا تھا اور وہ ایک سانس میں فکروہ کر لی چلی گئی۔

نہ نہ، ایسی بات نہ کرو مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے، کہتے ہوئے آدی نے اس کے ہاتھ تھام لیے اس دوران لڑکی کی آنکھیں پائینوں سے بھر گئیں تھیں۔ ☆.....☆

برائی کی دھواں اڑائی ٹپٹپٹ ان دونوں کے سامنے تھیں شریٹل لبوں سے زبان تر کرتے ہوئے کھانے سے چور اذیتاں کرنے لگا جبکہ عدا کی مرکز

لظم

یہ چم بچم از جو رہے ہیں
میرے دل کے قافلے میرے ہیں
پیش پش ہم سے بچتے ہیں
لگے اپنے سارے میرے ہیں
ابو ہم آگے بڑھتا ہے
لگے دوج پہ کوڑے گہرے ہیں
پیکر یاں سن کی کڑیاں ہیں
پیسے نفس پہ مگر سے پہرے ہیں
جورا ہیں بدلا کرتے ہیں
چکھائے اپنے چہرے ہیں
جو مرے جینا سیکھ چکے
دو اپنے بزم مگرے ہیں
برقیہ میں باقی قید کیا ہیں
چم بچے راہ میں پہرے ہیں
چم بچے چٹا سحر بہت ہے
چم بچے راہ میں پہرے ہیں
آزاد بانگو
کیا تپن کر دہن میں خوراند
اسے دینے کے تاجدار
دہن میں میرے نقش چند آنسو ہیں
☆☆☆
بڑی محبت ہے جامعے مجھے
کیونکہ کسی وقت یہ میرے آقا کا
کھلوں گا ہے
☆☆☆

یہ رنگی چادر اوڑھے
دو جہاں کے بادشاہ کی بیٹی
سادگی سکائی گئی مجھے

☆☆☆
کہا مجھ سے کسی نے قربانی کونسا کتاب
میں نے نقش
حسین کا نام لکھ دیا

☆☆☆
میری پلکوں کا باغ
ہمیشہ تر دناز داس لیے رہتا ہے
کہ میں اکڑا اسے عداوت کا پانی دیتی ہوں

ایلاہا لب

غزل

ہم بھی کہتے پاگل تھے جو تجھ سے محبت کر بیٹھے
تیری دید کے پیارے تھے جو تیری تمنا کر بیٹھے
تجھ کو ہانا مشکل تھا تیرا ملنا ملنا
تیری ایک تنہا کی خاطر جانے کیا کیا کر بیٹھے
تارے کن کن کرات کی دن کی گہا بہت ہے ہمیں رہتے
خاموش محبت سہ سہ کہ ہم اپنے لبوں کو کسی بیٹھے
تو ہی تارے جان جاں تجھ کو کیوں کر اٹھا بیٹھے
جان کی بازی لگا دی ہم نے سارے یقین ہم کر بیٹھے
فریدہ فری یوسف زکی

تقدیر بنا لوں اسے

دو غصہ جوں سے لڑی نہیں
خالم ایسا پھر ہے جو چمکتا ہی نہیں
کیے ہزار جن بہت مایا ہے

دعاؤں میں نمازوں میں مانگا ہے
یہ دل نادان ہے جو چمکتا ہی نہیں
کتنا مصوم کتنا نادان ہے پلکا
لاکھ بھلاؤ مگر بھلائی نہیں
شہرے خواہوں کی مگر میں رہتا ہے وہ
کاٹش اک باہل جائے وہ پردہ نہیں
آنکھوں میں چھپا لوں
دل میں بسا لوں
تقدیر بنا لوں اسے

شاعرہ: سرسخت غفار گرامچی

بنام پاکستان

چلو ہم مان لینے ہیں تجھے ہم مان دیتے ہیں
چلو ہم ٹھان لینے ہیں تجھے ہم جان دیتے ہیں
محبت کا تقاضہ ہے تو ہمیں سنا ہاں دے
بسلے میں تجھے ہم لاشوں سے مگر سے میں دیتے ہیں
اسے شاہین تیرے پرندوں میں ہے اس کی ملاوت
اٹھوں اڑنے کے لیے کوئی اور تجھے آسان دیتے ہیں
میں محب وطن ہوں پر قلم دشمن ہے بہت
آدا اوروری محبت اور الفاظ سنسن دیتے ہیں
صد افسوس تیری داویوں کی مٹی سے لکھیں
بنا کر تجھے ہم خود ذہن بدگمان دیتے ہیں
تجھیں افضل و زان، ہجرات

غزل

درد سینے میں مٹم کرو
ابھی جگہ ہے تم اور مٹم کرو
کہا ہے کسی نے یہ تم سے
میری بادی کا نام کرو

بڑھائے تھے تنہی نے قافلے
تنہی یہ قافلے مٹم کرو
چلے ہیں انکھوں کے دیے
لو چراغوں کی دھم کرو
مجھے بکارنے سے پہلے تم ذرا
بیٹے دنوں کا نام کرو
شب غم خنجر ہے آؤ
دل توڑنے کی دم کرو

کیا تھا جو ساتھ بھائے گا وعدہ
اک باو بھر میرے مٹم کرو
نصیر آصف خان۔ ملتان

غزل

اپنی ذات کو روتا ضروری ہو گیا تھا
مجھ کوں میرا مرنا ضروری ہو گیا تھا
بول کوں سمیٹتا ہے اداسیاں داسن میں
میرا تو خاموش رہنا ضروری ہو گیا تھا
قامت تو برپا ہوئی سکتی تھی مگر
اٹھو آنسو بچھانا ضروری ہو گیا تھا

دل کی بات چھوڑ دیں تو اپنے
ذہن کو بھی سمجھانا ضروری ہو گیا تھا

بھوک میں محبت کون لیتا ہے مگر
ابھوں کو بھی آزما ضروری ہو گیا تھا
عاشق نور عاشر، ہجرات

ترتیب: ارم جمید

محفلت

ہم اپنی زندگی کی ہر نئی صبح دیکھنے کے لیے بھی اپنے رب کی مرضی کے محتاج ہیں بے شک وہ جسے چاہتا ہے نہایت دیتا ہے جینے کی اور توہ کرے گی۔

حدیث نبوی

رسول اکرمؐ نے فرمایا: ”کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں ہوئی اور اس وقت جب تغافلے حاجت ہو“ (صحیح مسلم 560)

عیب جوئی

شیخ سعدیؒ اور ان کا بیٹا بھڑا ہر ہے تھے۔ دعا کے بعد بیٹا بولا ”بابا! جان سب سوسر ہے ہیں اور ہم عبادت کرتے ہیں۔“
”خدا سب سے فرمایا۔“
”اگر دوسروں کے عیبوں پر نظر رکھتی تھی تو بہتر تھا کہ تو بھی سوار ہوتا۔“

غزالہ - بحرین

جمعة المبارک

اللہ نے مٹی پیدا کی ہفتہ کے دن پہاڑ پیدا کیے اتوار کے دن درخت پیدا کیے پیر کے دن ناپسندیدہ چیزوں کو منگل کے دن نور کو بدھ کے دن جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدم کو جمعہ کے دن نصیر کے بعد

مزہ

کسی نے ہم سے پوچھا کیا کیسے ہو؟
ہم نے ہنس کے کہا
زندگی میں تم ہے
غم میں درد ہے
درد میں غم ہے
اور غم سے میں غم ہیں

مصبت

ایک لڑکی مولوی صاحب کے پاس گئی اور پوچھا
لڑکی: اگر میں کسی لڑکے سے محبت کروں تو کیا
مگناہ ہوگا؟
مولوی: اسے تو بہ کرو ورنہ سیدھی جہنم میں جاؤ گی۔
لڑکی: اور اگر مولوی صاحب آپ سے محبت

مولوی: بہت شری ہو جنت میں جائے گا اور وہ ہے
نہیں جہاں۔ شیخوپورہ

شعر

فارغ نہ جالیے مجھے ’معروف‘ جنگ ہوں
اس چپ سے جو کلام سے آگے نکل گئی

تماشا

میں تماشا ہوں مجھے دکھائی دے دیا ۔۔

آپ تو خالق ہیں مالک ہیں
مجھے ڈھانپ کیوں نہیں دیتے

مکافات

مجھے قدرت کے ایک عمل سے بہت پیار ہے
مکافات کیل!

سکون سا آ جاتا ہے۔ یہ لفظ نہ کر کہ جو جیسا
کرے گا۔۔۔۔۔

دیسای پائے گا!

صادق شیخ - کشمور

غزرو

اگر بھی غم درد کرنے لگو تو ایک پتھر تیرا ستار کا
گالیا کرو دل ہم سے اچھے اچھے لوگ دفن ہیں۔

خاموشی

خاموشی عظیم لغت ہے۔ بالخصوص اس مقام پر
جہاں اختلاف زیادہ آوازیں بلند علم کی اور
دلیل کی کوئی اوقات نہ ہوں۔

انسان کے لالچ کا بیلا کہی نہیں بھرتا کیونکہ
اس میں ہاشمیری کے جمید ہوتے ہیں جو اس کو
بھرنے نہیں دیتے۔

ہمدرد - مٹان

بھوکا کتا

فلس وہ بھوکا کتا ہے جو انسان سے غلط کام
کروانے کے لیے اس وقت تک بھوکتا رہتا ہے

جب تک وہ غلط کام نہ کرے اور جب انسان وہ غلط
کام کر لیتا ہے تو یہ کتنا سوچا تا ہے لیکن سونے سے
پہلے سیر کر جکا دیتا ہے۔

ضیاء شاہ - جہانیاں

ایمر جنسی

بیٹرو دل پپ سے 21 گھنٹہ نرو در آری کے
رک کر پاپرو دل فم ہو گیا۔

فوجی ڈرائیور نے ہجیر کو تیار سہیٹرو دل پپ
تک دھکا لگا کر بڑے گاسب پیچھے اتارے اور پپ
تک دھکا لگا کر شروع کر دیا کانی دیو کی جدوجہد کے
بعد پپ بیچ گئے کچھ جوان ٹھک کر بے ہوش
ہو گئے۔

فوجی ڈرائیور نے بیٹرو دل پپ کو تیار شروع کیا تو
ہجیر نے کہا پیچھے اڑم بھی مل کر دالو۔

ڈرائیور: سر وہ تو کل ہے ایمر جنسی کے لیے
رکھائے۔“ ہجیر بھی بے ہوش۔

کردار

اپنی باتوں کو اپنی کے تقرر کی طرح شفاف
رکھو کیونکہ جس طرح قطروں سے دریا بنتا ہے اسی
طرح باتوں سے کردار بنتا ہے۔

خولہ عرفان کی ڈائری سے

بہت دیر ان ہوتا جا رہا ہوں
بہت سلساں ہوتا جا رہا ہوں
بلوچستان ہوتا جا رہا ہوں
تیری یادوں کی بمباری ہے ایسی
وزیرستان ہوتا جا رہا ہوں
برکتی جاری ہے یوں نوست
میں ہمدردستان ہوتا جا رہا ہوں
مجھے ڈر ہے ایڈوں کا غیروں سے زیادہ
میں پاکستان ہوتا جا رہا ہوں

اور بے شک ہر مسئلے کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔

حلال رازق

امام زین العابدین فرماتے ہیں:
آخری زمانے میں جو چیز سب سے کم ملے گی
وہ مجروسہ، مدد و دوست اور حلال رازق ہوگا۔

سنہری باتیں

اگر اللہ نے وہ لے لیا جسے کوئی کا تم تصور
نہیں کر سکتے تو وہ یقیناً کچھ ایسا دے گا جسے ہاتھ نہ لگے
نہ کسی سوچا نہ ہوگا۔ الشان اللہ

نصیحت

حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں:
جس پر نصیحت اڑ نہ کرے وہ جان لے کر
اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔

اپے وطن

اے عالم دقت کوئی ایسا بھی نونہی دے دے
جو وطن سے دفا نہ کرے کافر ظہرے

شکی شہور

رات کے آخری پیر یونی کے سوا بھی پیپ
ہوئی۔ شوہر نے خند سے جاگ کر فون چیک کیا تو
لکھا تھا "Beautiful" طیش میں آ کر بیوی سے یہ
کون ہے جو تمہیں بیوی لے کر کھڑا ہے؟
بیوی اس سے بھی زیادہ طیش میں آ کر۔ سنو یہ
"Beautiful" نہیں "Battery full" لکھا ہے۔
کاش دلیہ۔ مسک

لہجہ اور مسکراہٹ

"زم لہجے" سے ہمیشہ مضبوط اور دربار شہتے
تخلیق پاتے ہیں جبکہ "مسکراہٹ" در کی خلعت
اور ہرے کی روشنی ہے۔

فرہانہائی۔ پنڈی

مسکرائیے

لڑکی چٹان سے: تم میری ای کو بہت پسند
آئے ہو۔

چٹان (شرماتے ہوئے) پر ام شادی تمہی
سے کرے گا خالہ کو بولو ہم کو بھول جائے۔

دوشعر

نگاہوں کے تصادم سے عجب کھرا کرتا ہے
یقین کامل نہیں لیکن کہاں سے پیار کرتا ہے
☆

مٹاؤ گے کہاں تک تم میری باتیں میری یادیں
میں براک موڑ پر اپنی نکلیں چاؤں کی
میرین ریشہ کچا پی

جیسے کہ تیرا

کل میرا دشمن تیرا ہر تھا کر لو ہا کرے کو کاٹا
ہے اور میرا میرے کو... اسنے میں اس کو کسی
کٹنے کاٹ لیا۔

محسن نقوی کہتے ہیں...

میں تیرے ملے کو مجھو کہہ رہا تھا لیکن
تیرے پھلنے کا ساتھ بھی کمال گذرا
☆
مجھے غم تھا مگر میں بکھر گیا محسن
وہ دیر و ریزہ تھا مگر اپنے اختیار میں تھا
باباجی کہتے ہیں...

جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو چھوٹے
آبیوں کے سامنے بھی بڑے ہوجاتے ہیں۔
حنا شیر کی۔ لاہور

کامیابی

کامیابی عمل سے جڑی ہے
کامیاب لوگ حرکت میں رہتے ہیں
وہ غلطی کرتے ہیں لیکن میدان نہیں چھوڑتے۔

موزرات کو خراب ہوگئی تو اباجی مجھے ساتھ لے کر
ٹھیک کرنے گئے۔

مجھے ہانچ پکڑائی اور لگے ایک بولٹ کو
کھولنے بیویوں بار اور ادھر ہاتھ مارنے سے بھی
بولٹ نہ نکلا ان کا قوت اور غصے سے پارہ لوجھا اور
طبیعت مشکل ہوئی جاری بھی اچانک انہوں نے مجھ
سے تارچ لیتے ہوئے چچ کس پکڑاتے ہوئے کہا کہ
تم کو کوش کرو۔

میری ہلکی کوشش سے بولٹ کھل گیا۔ یہ
بتانے والی بات نہیں، بتانے والی بات یہ ہے کہ
اباجی نے مجھے اٹھائے ہوئے کہا "بے غیرتاب دیکھا
تارچ کیسے پکڑتے ہیں۔"

بستر

سب نے ایک بات نوٹ کی ہے کہ سردیوں
میں صبح 6 بجے سے 8.30 تک بستر کی کشش زمین
کی کشش سے زیادہ ہوتی ہے۔

بے حس

تاریخ کے حساس انسانوں نے اپنی زندگی کا زیادہ
حصہ اداس رو کر گزارا ہے۔ زندگی میں خوش رہنے
کے لیے بہت زیادہ ہمت کی نہیں بلکہ بے حس کی
ضرورت ہوتی ہے۔
حبیبہ مہرا۔ لاہور

نواب

15 ایسے طریقے ہیں جن سے مرنے کے بعد
انسان نواب حاصل کر سکتا ہے۔

☆..... مہنگی تعمیر میں حصہ
☆..... مریض کو دیکھ کر جیڑ حلیہ کرنا
☆..... درخت لگانا جس سے انسان جانور
سب مایہ اور نقد حاصل کر سکیں۔
☆..... اپنی کاندہ دست کرد یا کسی لوگ لکھو دیا۔
☆..... اور قرآن مجید تحفے میں دیا۔

سچائی

ایک شیخ نے اپنے مرید کو فرقہ خلافت عطا کیا
اور اسے کسی ہستی میں سچ کے لیے بھیج دیا کچھ عرصے
بعد شیخ کو اطلاع ملی کہ ان کا مرید بڑا کامیاب ہے
سب لوگ اس سے خوش ہیں۔ شیخ نے اپنے مرید
کو طلب کیا اور کہا کہ فوراً فرقہ خلافت واپس
کر دے۔ مرید نے شیخ سے ناراضگی کا سبب
دوایا کیا۔ شیخ نے کہا سنا ہے کہ "سب لوگ تجھ
سے خوش ہیں۔" مرید نے کہا کہ اب میری ہائی ہے، شیخ
نے غصے سے کہا کہ سب لوگوں کا تجھ سے خوش ہونا
اس بات کا ثبوت ہے کہ تو نے سچ لکھنا چھوڑ دیا ہے۔

سسرال

سنو لاکھوں صرف روٹی گول کرنے سے کام
نہیں لیں سسرال میں رہنا ہے تو باتیں بھی گول گول
کرنی آئی چاہئیں۔

2018 کا مطالعہ پاکستان کا پیپر
س (1) فیض آباد دھرنے کے مقامہ بیان

کر رہیں۔

س (2) خادم حسین رضوی کی مشہور گالیاں

بتائیں۔

س (3) پاکستان کے کس شہر میں گدھے کا

گوشت شوق سے کھایا جاتا ہے۔

س (4) گندے اور صاف میچ کی تعریف

کر رہیں۔ سب سے پہلا گندہ میچ کس نے کس کو کیا

تھا.....؟

س (5) "مجھے کیوں نکالا" پاکستان کے کس

سیاست دان کا نکتہ کا نام ہے؟

س (6) پاکستان کے کوئے صدر کا اعزاز کس

کو حاصل ہے؟

ابنا

ہمارے گھر کے بچہ مارے میں لگی پانی کی

”حق علی خبریں“

وکی خان

وہ خبریں جو آپ کا موڈ بدل ڈالیں.....

کے مقابلہ عالیہ بحث ہوں گی۔ ویسے یہ بھارتی بھی بڑے سمجھدار اور جوہر شاس ہیں فواد خان! ماہرہ خان صاحبہ کی الگ جگہ اور وہ بلا تکلہ اور میرا جی کی الگ جگہ رکھتے ہیں۔ یہ تو ہم لوگ ہیں جو سب کو سر پر بٹھاتیے ہیں اور بعد میں سردیاداروں سے مارتے نظر آتے ہیں۔

جو تارے ہی دیتے ہیں

بھارت بہت داؤدیا چارہ ہے کہ کھجوریں
 جاسوس سے ملنے جب اس کی والدہ اور دیگر اس
 تو پاکستان نے اس کی بیگم کے جوئے اتروالے
 اور چل پھرنی اس بات کو لے کر بھارتی میڈیا
 اور ان کے ساتھ ان خرب شور چارے ہیں
 شاید وہ بھول گئے ہیں کہ کھجوریں جاسوس ہے
 ان کی بالی وڈ فلم کی جاسوس ہیں کہ فلم جیسے
 شکر کریں جوئے اتار کر چل دیں ورنہ تو جوئے
 دینے چاہیے کہ پاکستانی ہیں غور کریں
 ہیں۔ لیکن کہ بھارت جاتا ہے جو جوتا
 وسے دی ہے۔ ہمیں کی اعتراف نہیں۔

شاوی مهارک

دکمبر تو ہمیشہ سے شادیوں اور غنیوں کا مہینہ رہا ہے اس دسمبر بھی کئی شوہر ست... اپنے ٹھکانے

کرڈوں دلوں کی دھڑکنِ خوب رو پاکستانی ہیرو
نواد خان جلد ہالی وڈ فلم خوبصورت پارٹ 2
میں اپنے مداحوں کو نظر آئیں گے اس کے علاوہ



اسکاتس

’سچی کہانیاں‘ میں ایک نہایت ہی مقبول کامیاب ترین سلسلے وار ناول ’ٹاشون‘ کے بعد معروف اور مقبول کہانی کار شازی سعید غل ایک نیا تہلکہ خیز سلسلے وار ناول لے کر آئی ہیں۔

’املتاس‘ سحر و سراسر کا ایک ایسا انوکھا سلسلہ جو آپ نے آج تک نہیں پڑھا ہوگا، یہ ہمارا صرف دعویٰ ہی نہیں یقین بھی ہے.....!

اسمیت

اپنے پسندیدہ ماہنامے سچی کہانیاں میں
ملاحظہ فرمائے۔



افشاں چوہدری

دو شہزادہ تین کی فراہم پر اب نے انجانی کل کھانے کی ترکیب پیش کی
جاری ہیں وہ ترکیب جو عام زندگی میں صحت کے ساتھ استعمال کی جا سکیں۔

آدھا کپ

ایلی کارس
لٹاؤ

پوری

اجزاء:-

سیدہ

آٹا

تیل

نمک

ایک کپ

ایک کپ

دو کھانے کے چمچے

حسب ضرورت

ترکیب:

چائے براؤن کر لیں پھر سارے مصالحے ڈال کر
بھون لیں جب ٹپا ہو جائے تو چھوٹے ڈال کر ٹپا
کارڈ شامل کر لیں اور پانی ڈال دیں۔ گرم گرم
پوریوں کے ساتھ کھا لیں۔

سوچی کا حلوہ

اجزاء:-

سوچی

چینی

دودھ

لوہی

الایچی

زردے کارگ

پانی

تیل

بادام

ترکیب:

سوچی کو بھون لیں۔ الایچی، بادام، پانی، تیل
گرم گرم کر لیں الایچی، لوہی، دودھ، زردے کارگ
حسب ضرورت

ترکیب:
سب کو گرم پانی سے گوندھ لیں، تیل لگا کر
پڑے پائیں پھر تیل میں اور فرنی کر لیں۔

چھوٹے

پوری رات بھوک کر کھج چھان لیں اور ابا لیں۔

اجزاء:-

پیاز

اورنگ لیس

لال مرچ

پانی

نمک

سفید زیرہ

گرم مصالحہ

2 عدد

ایک کھانے کا چمچ

ایک کھانے کا چمچ

ایک کھانے کا چمچ

حسب ضرورت

حسب ضرورت

ایک کھانے کا چمچ

حسب ضرورت

شوہر ہی دے سکتا ہے چہ بہ بھی اور اختیارات بھی
کاش اتنی سمجھ ہر پاکستانی لڑکی میں ہو۔ شاہان
ماریہ۔۔۔۔۔

کیا خوب کہتے ہیں

ملا دل بھنور رزاری کہتے ہیں کہ کرپٹن نے
معیشت تباہ کر دی 'ادارے جاہ کر دیے' بالکل
ٹھیک کہتے ہیں ابھی تو شروعات ہے جب آپ
عملی سیاست میں واقعی میں قدم رکھیں گے تب
آپ یہ بھی جان جائیں گے کہ کرپٹن کا بادشاہ

پر جاگے۔ اداکارہ زما اور علیزے دونوں کی مقبلی
کھیلے دونوں خوب دھوم دھڑکے سے انعام پائی اور
اداکارہ سردار بٹول بھی کیا کو پیاری ہو گئیں
نور جہاں مرحوم کی نوای شاہی بھی شادی ہو گی
یہ شادی دہلی میں انعام پائی۔ شاہانہ خالد بڑے
دو دن ہیں شادی کے نکلتی: اور تمام دونوں کے
لباس آنکھوں کو خیرہ کرنے کی بھرپور صلاحیت
رکھتے تھے۔ شاہانہ خود بھی بہت حسین اور اسٹائش
خاتون ہیں مغربی اور مشرقی حسن کا منفرد استخراج
لگ رہی تھیں وہ دن بن کر تمام نئے جوڑوں کے
لیے ہماری نیک ترنائیں۔۔۔۔۔

شاہانہ ماریہ

مشہور پاکستانی اداکارہ ماریہ یمن نے بھی شادی
کا لٹو کھائی لیا اب یہ بات اور ہے کہ یہ لٹو دے



کے لیے ہیں اور اس جانبی اور برہادی میں کس کا
سب سے زیادہ ہاتھ ہے کم از کم اگر صوبہ سندھ اور
کراچی کی بات کریں تو۔۔۔۔۔ باتیں تو آپ ابھی
کرتے ہیں مگر اسے بھولے تو نہیں جیتے گئے
ہیں وہ بے مالد آپ کو مشورہ ہے کہ ایک اردو کا
انجمن اتالیق مقرر کیجیے تاکہ وہ آپ کی تقریروں
کے ساتھ ساتھ آپ کے کلب و دلچسپی اور آواز کے
آواز چڑھاؤ رحمت کرے یقین کریں یہ اتالیقی
مشکل ہے جتنا کرپٹن فری پاکستان بنانا۔

☆☆☆



بڑا بھاری بھر کمائی اب ماریہ نے CSS کا پرے
شادی کر کے اپنا حال اور مستقبل دونوں محفوظ اور
شاندار بنالے کرنٹ انجیئر کے پروگرام کرتے
کرتے وہ کچھ نہیں کہ سبہرا مستقبل CSS پاس

زردے کا رنگ شامل کر کے چند منٹ پکا ئیں اہال
آنے پر دودھ اور سوچی ملائیں اور چھپ چلاتے رہیں۔

لاہوری منٹ

اجزاء:-

چھلی

چاول کا پانی

چاول کا آٹا

نہیں

بھنا ہوا سفید زیرہ

کئی ہوئی لال مرچ

پسا ہوا گرم مصالحہ

اجوان

ہلدی

لیسوں

نمک

تیل

ترکیب:-

دہی میں چاول کا پانی ہلدی اور دو لیسوں کا رس
اہال لیں اس میں چھلی کے ٹکڑے ڈال کر دو منٹ بعد
نکال لیں۔ پیالے میں نہیں اور تمام اجزاء مکس
کر لیں اور چھلی پر لگا کر ایک گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں
پھر تیلے پر ہلکا سا تیل لگا کر چھلی کو بیگ لیں اور دو
منٹ بعد ڈیپ فرائی کر لیں۔

انڈے کا حلوہ

اجزاء:-

انڈے

کیوڑہ

سجھی

الاچھی

چینی

6 عدد

ذرا سا

حسب ضرورت

4 عدد

تین کھانے کے چمچے

ترکیب:-

انڈوں اور تیل کو مکس کر لیں اور چولے پر چڑھا
دیں 20 منٹ بعد چینی اور کیوڑہ ملا دیں اور چھپ
بھلاتے رہیں۔ حلوہ تیار ہونے پر پیسے بادام اور
چاندی کے ورق سے سجا کر پیش کریں۔ سردیوں کی
خاصی سوغات ہے۔

دہی نیمیل لیسن سوپ

اجزاء

گاجر

شملہ مرچ

برہی پیاز

زیتون

لیسوں کا رس

کالی مرچ پاؤڈر

جو کا آٹا

دھنیا کا تیل

دہی

کرزی پتہ

نمک

ترکیب:-

کئی دہی میں تیل ڈال کر گرم کریں اس میں
جو کا آٹا ڈال کر ایک منٹ تک بھوئیں پھر اس میں
گاجر شملہ مرچ ڈال کر ایک منٹ تک پکائیں اس
میں چکن کی تھنی شامل کریں ساتھ ہی لیسوں کا رس
کالی مرچ اور نمک ڈالیں۔ پھر اس میں زیتون اور
برہی پیاز شامل کر دیں۔ سب چیزوں کو مکس کر کے
پیالے میں نکال لیں۔ ڈائٹ دہی نیمیل لیسن سوپ
تیار ہے۔ اس سوپ کو ڈائٹنگ کرنے والی خواتین
استعمال کریں۔ شیف فرج کے مطابق اس سوپ کو
ایک ہفتے لگا تا پینے سے دو گونک وزن کم کیا جاسکتا
ہے تاہم ساتھ میں ورزش بھی ضروری ہے۔

☆☆.....☆☆